تحریکِ خلافت وترکِ موالات کے دوران گاندھی کے دجل وفریب کا شکار،
بعض مسلمان قائدین کی کوتاہ بینی اور اس کے مضمرات پر ایک چشم کشا تالیف
جو اسلامیانِ ہند کیلئے منارِ نور ثابت ہوئی

النور

دو قومی نظریہ پر ایک مستند تالیف

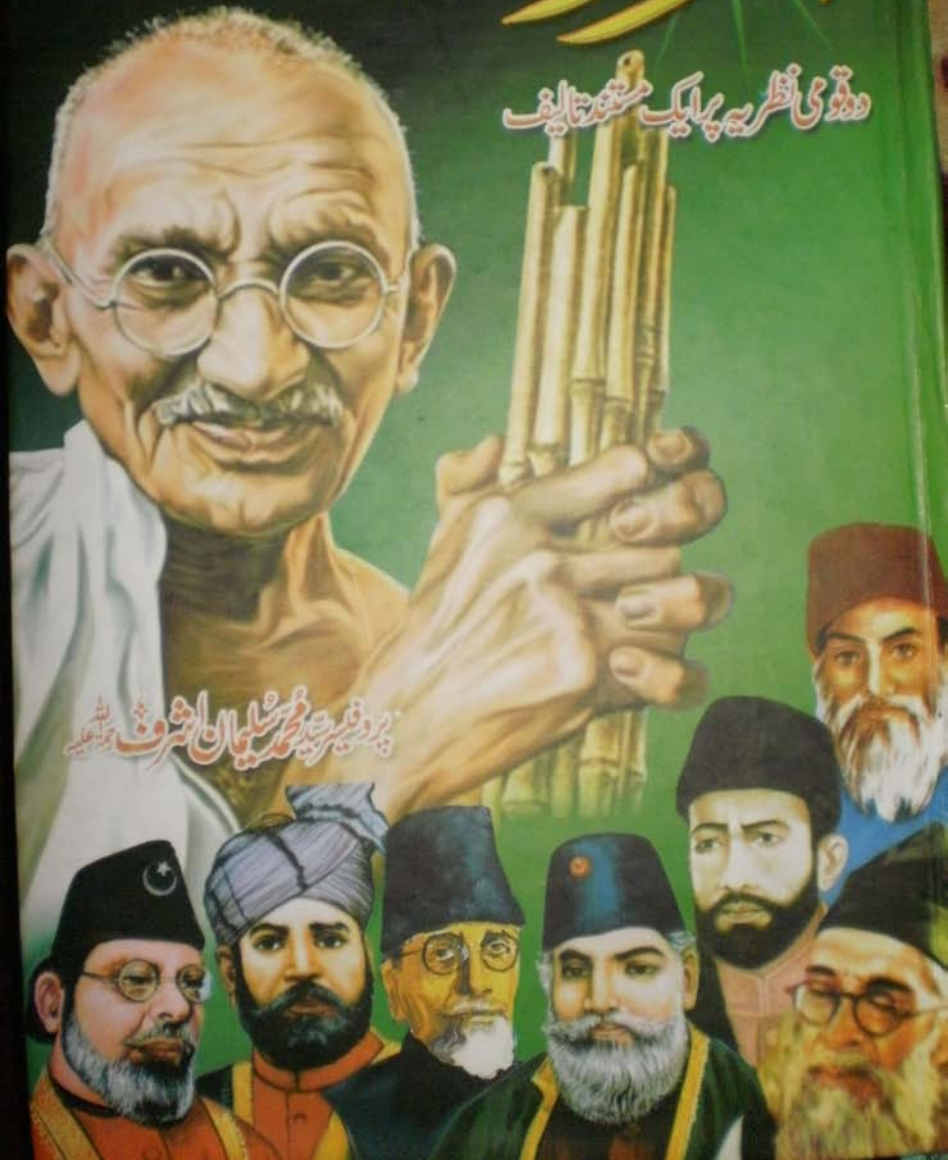

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ

دو قومی نظریہ پر ایک مستند تالیف

النُّور

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ
صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ادارہ پاکستان شناسی لاہور

کتاب : النور
تصنیف : سید محمد سلیمان اشرف
باراوّل : ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
طبع جدید : شعبان ۱۴۲۹ھ/اگست ۲۰۰۸ء
: (مع مقدمہ)
ضخامت : ۳۲۰ صفحات
تعداد : گیارہ سو
مطبع : اصغر پرنٹنگ پریس، لاہور
ناشر : ادارہ پاکستان شناسی، ۴۳/۲۴۰ سوڈھیوال کالونی، ملتان روڈ، لاہور — ۵۴۵۰۰
فون: ۷۴۱۴۸۹۴۰
قیمت : ۳۳۰ (تین صد تیس روپے)

ڈسٹری بیوٹرز

اورینٹل پبلی کیشنز، تجمل ٹاور، میلا رام، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور
فون: ۷۲۱۳۵۷۸
خان بک کمپنی، ۳۰ کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور
فون: ۷۳۲۵۴۶۳
دارالعلوم نعیمیہ، دستگیر بلاک نمبر ۱۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی
فون: ۶۳۴۲۴۳۶

فہرس

مقدمہ	سید نور محمد قادری	۵
تکمیل مقدمہ	ظہور الدین خاں	۳۶
الثور	سید محمد سلیمان اشرف	۷۹

(فہرست اندر ملاحظہ فرمائیں)

عکسِ نوادر

۱۔ تاریخی رسالہ 'انفس الفکر فی قربان البقر' (۱۲۹۸ھ) از امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی طبع دوم۔ ۱۹۲۱ء ...... عکس سرورق ۳۶

۲۔ 'انفس الفکر' ...... عکس صفحہ ۱۹ (مراسلہ محررہ مئی ۱۹۱۱ء از مسلم لیگ ضلع بریلی برائے استفتاء در مسائلِ بندشِ قربانیِ گاؤ) ۳۷

۳۔ رسالہ 'الارشاد' (۱۹۲۰ء) مصنفہ پروفیسر سیّد محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ...... عکس سرورق ۴۳

۴۔ حدیث میں تحریف اور 'الارشاد' کا صفحہ ۲۵ کا عکس ۴۴

۵۔ رسالہ 'المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ' (۱۳۳۹ھ) از امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء ...... عکس سرورق ۴۹

۶۔ 'المحجۃ المؤتمنۃ' ...... عکس صفحہ ۲ (مراسلہ پروفیسر مولوی حاکم علی، اسلامیہ کالج لاہور بابت استفتاء در مسئلۂ ترکِ موالات) ۵۰

۷۔ 'النور' نسخہ مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ (۱۹۲۱ء) ۷۹

نقشہ سلطنتِ عثمانیہ زمانہ عروج (۱۹۰۸ء) ۲۰۸

نقشہ سلطنتِ عثمانیہ دورِ زوال (۱۹۲۰ء) ۲۰۹

مقدمہ

(۱)

پہلی عالمی جنگ میں ترکی کی عثمانیہ حکومت نے جرمنی کا ساتھ دیا اور المناک شکست سے دو چار ہوئی، عوام پر بے پناہ مصائب ٹوٹے اور یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ اتحادی، ترکی کے حصے بخرے کر کے مسلمان حکومت کا اس علاقہ سے نام ونشان تک مٹا دیں گے۔ چنانچہ ۱۹۱۹ء کے آغاز میں بمبئی کے دو مسلمان تاجروں سیٹھ احمد صدیق کھتری اور سیٹھ عمر سوبانی نے تحفظِ خلافت، تحفظ اماکن مقدسہ اور مظلوم ترکوں کی امداد واعانت کے لئے بمبئی میں ایک مقامی انجمن بنام ''خلافت کمیٹی'' قائم کی۔ اس مختصر سی خلافت کمیٹی کو آل انڈیا سطح پر قائم کرنے کا خیال سب سے پہلے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو پیدا ہوا اور انہوں نے اس مقصد کے لئے آل انڈیا مسلم کانفرنس کا اجلاس لکھنؤ میں طلب کیا۔ ؎۲

جناب سردار علی صابری اپنے ایک مضمون ''مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ'' میں فرماتے ہیں:۔

''...... حضرت باری میاں کا ایک اور عظیم غیر فانی کارنامہ یہ ہے کہ بمبئی کی چھوٹی سی خلافت کمیٹی کو جو محض ایک مقامی جماعت تھی ''آل انڈیا مجلسِ خلافت'' کی پُرعظمت شکل میں تبدیل کر دیا۔ باری میاں جنگ عظیم کے خاتمے پر ترکوں کے المناک مصائب سے بہت متاثر تھے، انہوں نے مظلوم ترکوں کی حمایت میں آواز بلند کرنے کے لئے پہلے ایک انجمن قائم کرنی چاہی، لیکن جب بمبئی میں چند ہمدردانِ اسلام نے ''خلافت کمیٹی'' کے نام سے ایک انجمن قائم کر لی تو باری میاں کو یہ نام پسند آیا اور اسے ''آل انڈیا'' بنانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اس مقصد کے لئے حضرت باری میاں نے مسلم عمائد واکابر کی ایک کانفرنس لکھنؤ میں طلب کی جس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مختلف حصوں سے نمایندے آئے تھے۔

۲؎ روزنامہ ''جنگ'' راولپنڈی ۷ رجون ۱۹۷۴ء بعنوان: ''مولانا عبدالحامد بدایونی''

لکھنؤ کی اس آل انڈیا مسلم کانفرنس میں بمبئی کی خلافت کمیٹی کو ہندوستان کی مرکزی جماعت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ کانفرنس میں یہ بھی طے ہوا کہ آل انڈیا مجلس خلافت کا مرکزی دفتر بمبئی میں رکھا جائے اور اس کی تنظیم کے لئے مولانا شوکت علی بمبئی بھیجے گئے...... نوزائیدہ مجلس خلافت کی سب سے پہلی شاخ لکھنؤ میں قائم ہوئی تھی اور حضرت باری میاں نے اس کی صدارت کا منصب سید ممتاز حسین بیرسٹر کو تفویض کیا تھا"۔ ل

خلافت کمیٹی کی بنیاد تو ۲۲ر ستمبر ۱۹۱۹ء کو رکھی گئی، لیکن اس سے پہلے "جلیانوالہ باغ" فائرنگ کی وجہ سے پبلک میں عام بے چینی اور حکمرانوں کے خلاف نفرت کا شدید لاوا اُبل رہا تھا۔ آگے جانے سے قبل اگر جلیانوالہ فائرنگ اور اس سے وابستہ مظالم کا بھی سرسری مطالعہ کرلیا جائے تو بہتر ہوگا۔

عالمی جنگ شروع ہوتے ہی برعظیم میں انگریزوں نے سخت رویہ اختیار کرلیا۔ ۱۹۱۵ء میں پنجاب کے کاشتکاروں میں بے چینی پھیلی۔ پنجاب میں دہشت پسندوں کی انقلابی کارروائیاں شدت اختیار کر گئیں۔ اس کے علاوہ امریکہ اور کینیڈا سے ملک بدر کئے جانے والے سکھوں نے ہندوستان واپس پہنچ کر مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ انگریزی حکومت کو خدشہ پیدا ہو گیا کہ برعظیم میں بے چینی، مظاہرے اور دہشت پسندوں کی انقلابی کارروائیاں کہیں عام بغاوت کی شکل اختیار نہ کرلیں، اس خوف کے پیش نظر ۱۹۱۷ء میں "رولٹ کمیشن" کا تقرر کیا گیا جس کا مقصد سیاسی مجرموں کے خلاف تادیبی کارروائی کے بارے میں سفارشات تیار کرنا تھا۔

رولٹ کمیشن نے جو سفارشات پیش کیں ان کے متعلق جسٹس جاوید اقبال تحریر فرماتے ہیں:۔

"رولٹ کمیشن نے سیاسی مجرموں کے خلاف تادیبی کارروائی کے سلسلہ میں جو سفارشات انگریزی حکومت کو پیش کیں، اُن میں انتظامیہ اور پولیس کو ناواجب اختیارات دیئے گئے تھے۔ پولیس جسے چاہے بغیر وارنٹ کے گرفتار کر سکتی تھی۔ عدالتی حکم کے بغیر جس مکان کی تلاشی لینی چاہے لے سکتی تھی اور سیاسی مجرموں کے لئے سخت اور منتقمانہ سزائیں تجویز کی گئی تھیں۔ بالآخر ان سفارشات نے رولٹ

ل روزنامہ "جنگ" راولپنڈی ۱۹ر جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۳

ایکٹ کی صورت اختیار کی جو شدید مخالفت کے باوجود ۱۸ ر مارچ ۱۹۱۹ء کو پاس ہو گیا۔"[1]

اس ایکٹ کے پاس ہوتے ہی ہندوستان میں ہڑتالیں اور مظاہرے شروع ہو گئے، جلسوں اور جلوسوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو گیا۔ ۱۳ر اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں ہندو، مسلمان اور سکھ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ جنرل اوڈوائر نے بے دردی سے اس جلسہ پر فائرنگ کا حکم دیا اور سیکڑوں انسانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ جلیانوالہ کے سانحہ کے فوراً بعد گورنر پنجاب مائیکل اوڈوائر نے پنجاب میں مارشل لا نافذ کر دیا اور اس مارشل لا میں پنجاب کے شریف اور بے گناہ شہریوں کے ساتھ دنیا کے عیارترین حکمرانوں نے جو وحشیانہ اور انسانیت سوز سلوک کیا اُس کی ایک جھلک ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے:-

"......اُس (مائیکل اوڈوائر) نے لاہور، قصور، امرتسر، گجرات، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لائل پور (فیصل آباد) وغیرہ میں مارشل لا جاری کر کے مظالم کی وہ آگ برسائی جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں صرف ۱۸۵۷ء کا کشت وخون ہی پیش کر سکتا ہے۔ ان مظالم کے ذکر سے سینکڑوں نہیں ہزاروں صفحات سیاہ ہو چکے ہیں۔ چودہ چودہ برس کے بچوں کو ٹکٹکی میں باندھ کر کوڑوں سے پیٹا گیا۔ کم از کم بیس کوڑوں کی سزا مقرر تھی۔ حالانکہ بڑے سے بڑے سخت جان کی کھال چھے (۶) کوڑوں کے بعد اُدھڑ جاتی ہے اور وہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ ہر ہر محلے سے چُن چُن کر معززین کو گھروں سے نکالا گیا اور برہنہ سر برہنہ پا ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر بازاروں میں پھرایا گیا تاکہ کھلے بندوں اُن کی تذلیل ہو۔ جو لوگ اپنی قابلیت کی بنا پر آئندہ ہائی کورٹ کے جج اور صوبے کے وزیر بننے والے تھے انہیں گورا فوج کے سپاہیوں سے پٹوا کر پھانسی کے مجرموں کی کوٹھریوں میں بند کیا گیا۔ مئی کی گرمی میں لاہور کے کالجوں کے طلبہ کو حکم دیا گیا کہ اپنے سروں پر اپنے بستر اُٹھا کر دن میں چار مرتبہ سولہ میل کا فاصلہ طے کر کے آئیں اور یونین جیک کو سلامی دیں۔ لاہور کے تمام باشندوں کو حکم مل گیا کہ اپنی موٹر کاریں، سائیکلیں، بجلی کے پنکھے اور بجلی کے لیمپ فوج کے حوالے کر دیں۔ سکول کے بچوں کو ہر روز دھوپ میں کھڑے ہو کر، ایک

---

[1] زندہ رود (جلد دوم) از جاوید اقبال، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۳۳۳

فوجی افسر کے سامنے، یہ کہنا پڑتا تھا: "حضور! ہم نے کوئی قصور نہیں کیا۔ ہماری توبہ! آئندہ بھی ہم سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوگی۔"

ایک پوری برات کو جس میں دولھا بھی شامل تھا بلاوجہ پکڑ کر کوڑوں سے پٹوا ڈالا گیا۔ ریل گاڑیوں پر سفر کی ممانعت کردی گئی اور سوا اُن لوگوں کے جن کو فوجی حکام پاس عنایت کرتے تھے اور کوئی شخص سفر نہیں کرسکتا تھا۔ عورتوں کی کھلے منہ بے حرمتی کی گئی۔ ایک گلی مقرر کی گئی جس میں سے ہر شخص کو پیٹ کے بل رینگتے ہوئے گزرنا پڑتا تھا۔ اوپر گورا فوج کا سپاہی بندوق کا کندا اس کی پشت پر مارتا رہتا۔ شہر کے بعض معزز اور سربرآوردہ لوگوں کے مکانوں پر مارشل لا کے احکام کے اشتہار چسپاں کردیے جاتے تھے اور حکم تھا کہ اگر کسی نے اس اشتہار کو پھاڑ دیا تو مالکِ مکان کو گرفتار کرلیا جائے گا۔ چنانچہ صاحب خانہ کو محض اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے دن بھر اپنے مکان سے باہر دیوار کے قریب کھڑے رہنا پڑتا تھا تاکہ کوئی شخص اشتہار کو ہاتھ نہ لگائے۔ لاہور میں سرفضلِ حسین، خلیفہ شجاع الدین اور پیر تاج الدین جیسے اصحاب کے مکانوں پر بھی اس قسم کے اشتہار چسپاں کئے جاتے تھے اور انہیں تمام دن مکان سے باہر کھڑے رہنے کی ذلت برداشت کرنا پڑتی تھی۔

دیال سنگھ کالج کی بیرونی دیوار پر کسی نامعلوم شخص نے ایک اشتہار لگادیا جس کا مضمون فوجی حکام کے نزدیک قابل اعتراض تھا۔ اس جُرم کی پاداش میں کالج کے پرنسپل کو گرفتار کرلیا گیا اور بالآخر اس غریب کو ڈھائی سو روپے جُرمانہ ادا کرکے رہائی حاصل کرنا پڑی۔

حُکم صادر ہوگیا کہ جونہی کوئی انگریز نظر آئے مقامی باشندوں کا فرض ہے کہ فوراً تانگے سے اُتر کر کھڑے ہوجائیں اور جھک کر سلام کریں۔ ایک پچیس فٹ لمبے اور بارہ فٹ چوڑے کمرے کے اندر مئی کے مہینے میں پچیس آدمیوں کو بند کردیا گیا جہاں وہ ہفتہ بھر مقید رہے اور بول و براز کے لئے بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ قصور میں منادی کردی گئی کہ جو لوگ ۱۰ راپریل ۱۹۱۹ء سے پہلے یا اس تاریخ کے بعد شہر سے باہر چلے گئے تھے اگر چار روز کے اندر واپس نہ آئے تو اُن کی

جائیدادیں (جائدادیں) ضبط کرلی جائیں گی۔

جب فوجی عدالتوں کے سامنے مقدمات پیش ہونے لگے تو صفائی کی طرف سے کسی وکیل کو پیروی کرنے کی اجازت نہیں ملتی تھی ملزموں کو پھانسی اور عمرقید کے علاوہ مشکل ہی سے کوئی اور سزا ملتی تھی۔ قصور میں ستائیس آدمیوں کو پھانسی اور تیرہ کو عمرقید کی سزا ہوئی۔ گوجرانولہ میں محض اس جُرم میں کہ پنوارخانہ کو آگ لگادی گئی تھی پانچ آدمیوں کو پھانسی اور دس کو حبسِ دوام کی سزا ہوئی۔ امرتسر میں چونتیس کو پھانسی اور پندرہ کو حبسِ دوام کی سزا ملی۔ اسی طرح لاہور میں امرتسر ایسے شہروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے قصبوں تک میں سزاؤں کی وہ بھرمار ہوئی کہ اس کی مثال پہلے کبھی نہ دیکھی گئی تھی۔ ایک شخص کو محض اس جرم میں کہ اس نے ایک پولیس افسر کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ ''تم ہمارے بھائی ہو ہم تمہارے بھائی ہیں۔ آؤ ہمارے ساتھ مل جاؤ۔'' حبسِ دوام کی سزا ملی۔''[1]

جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور اس کے بعد مارشل لا کے دور میں پبلک کے ساتھ اس سلوک کی وجہ سے پورے ہندوستان میں تمام قوموں (مسلمان، ہندو، سکھ) میں غم وغصہ اور نفرت کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ اسی اثناء میں ترکی کی شکست نے مسلمانوں کو زیادہ ہی متاثر کر دیا اور انہوں نے تحفظِ خلافت اور مظلوم ترک عوام کی امداد کے لئے ''مجلسِ خلافت'' ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ کو لکھنؤ میں قائم کرلی اور اس پر جلتی کا کام اس ہنگامی معاہدۂ صلح نے کیا جو جرمنی اور اس کے حلیفوں کی شکست کے بعد اتحادیوں نے عارضی طور پر ترکی سے کیا اور اس میں طے پایا۔

۱- ترکی اپنی تمام افواج برخاست کردے گا۔

۲- اس کے جنگی جہاز فاتحین ضبط کرلیں گے۔

۳- ملک کی ریلوں کی نگرانی اور کنٹرول کا اتحادیوں کو حق ہوگا۔

۴- ایشیائے کوچک اور عرب میں سرحدوں کے تعین کے علاوہ اندرونِ ملک کا انتظام ترکی ہی کے اختیار میں ہوگا۔[2]

---

[1] اقبال کے آخری دو سال از عاشق حسین بٹالوی، مطبوعہ آئینہ ادب، لاہور ۱۹۷۸ء، اشاعت سوم، ص ۱۰۱-۱۰۴ بحوالہ مظالم پنجاب کی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ (۱۹۲۰ء)

[2] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۱۳۳

سانحہ جلیانوالہ باغ، ترکی کی شکست اور ہنگامی معاہدۂ صلح کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے جا بجا احتجاجی جلسے ہوئے جن میں قابلِ ذکر حسبِ ذیل ہیں:۔

مدراس میں بصدارت سیٹھ یعقوب حسن	۱۷ر جنوری ۱۹۱۹ء
لکھنؤ میں بصدارت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلی	۲۶ر جنوری ۱۹۱۹ء
لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم کانفرنس	۲۲ر ستمبر ۱۹۱۹ء
دہلی میں بصدارت مسٹر فضل الحق	۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء [1]

ان میں سے آل انڈیا مسلم کانفرنس میں خلافت کمیٹی قائم کی گئی اور دہلی کا جلسہ "خلافت کانفرنس" کے نام سے منعقد ہوا۔ دہلی کے جلسہ سے پہلے مسلمان لیڈروں نے محسوس کیا کہ "اگر ہندو بھائیوں خصوصاً مسٹر گاندھی کو اعتماد میں لے لیا جائے اور وہ ہمارے ساتھ تعاون کریں تو ہمارے مطالبات اور پروگرام کو اس سے تقویت ملے گی۔" چنانچہ مسلمان اکابر نے اس سلسلے میں اپنی کوششیں تیز کر دیں۔ قاضی محمد عبدالغفار اپنی تصنیف "حیاتِ اجمل" میں —— کانگریس اور خلافت کا اتحاد —— کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ

"جب پنجاب کے مظالم کی خونچکاں داستان ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کے دلوں کو بے چین کر رہی تھی اُسی زمانہ میں خلافت اور اماکنِ مقدسہ کا مسئلہ بھی مسلمانوں کے لئے سخت تردّد کا باعث بن گیا تھا۔ اماکنِ مقدسہ اور خلیفہ کے متعلق برطانوی وزراء کے تمام وعدے جھوٹے ثابت ہو چکے تھے اور صلح کانفرنس کی جو خبریں ہندوستان آ رہی تھیں اُن سے واضح ہوتا تھا کہ نہ تو ترکوں کے لئے آزادی اور عزت کا کوئی راستہ کھلا رکھا گیا ہے اور نہ جزیرۃ العرب کے متعلق برطانوی حکومت کے وعدوں کے پورا کئے جانے کے کوئی آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اب عام مسلمانوں اور اُن کے لیڈروں کو یقین ہو گیا تھا کہ اگر انتہائی قربانیاں نہ کی گئیں تو ان مسائل کا خاتمہ بہت بُری طرح ہو گا۔ شوکت علی اور محمد علی ہنوز چھندواڑہ میں نظر بند تھے، مولانا ابوالکلام آزاد بھی مقید تھے۔ مسلمان لیڈروں میں صرف ڈاکٹر انصاری، حکیم صاحب اور مولانا عبدالباری ہی، ایسے تھے جو مہاتما گاندھی، مسٹر تلک اور بعض دوسرے لیڈروں سے ان مسائل کے متعلق مشورے کر رہے تھے۔ مہاتما گاندھی اس

[1] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۳، ۲۳۴

بات پر آمادہ تھے کہ خلافت کے مسئلہ کو ہندو مسلمانوں کا مشترکہ مسئلہ بنا کر خلافت اور مظالمِ پنجاب اور آزادیٔ وطن، سب کے لئے ایک ہی محاذ جنگ قائم کیا جائے۔" [1]

مسلمان عمائد اور گاندھی مندرجہ بالا تجویز پر متفق ہو گئے اور ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کے جلسۂ خلافت میں مہاتما گاندھی کی سربراہی میں ہندو لیڈر بھی شریک ہوئے۔ مسٹر فضل الحق نے خطبۂ صدارت پڑھا اور خطبہ میں ہندوستان کی غیر مسلم اقوام سے تائید حاصل کرنے کی مصلحت پر زور دیا۔ کانفرنس کے ریزولیوشنوں میں مشہدِ مقدس اور دیگر مقاماتِ مقدسہ میں اتحادی افواج کی زبردستیوں اور مظالم پر احتجاج کیا گیا اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ

ا۔ وہ جشنِ صلح میں شریک نہ ہوں اور اس کے خلاف جلسے کریں۔

ب۔ مسٹر گاندھی کے مشورے کے مطابق مسلمان، حکومت سے عدم تعاون کریں۔

ج۔ اگر صلح کانفرنس کا فیصلہ مسلمانوں کی منشا کے مطابق نہ ہو تو ولایتی مال کا بائیکاٹ کیا جائے۔

د۔ مسٹر گاندھی اور ان دوسرے ہندو لیڈروں کا شکریہ ادا کیا گیا، جنہوں نے تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کے ساتھ اشتراکِ عمل منظور کیا تھا۔ [2]

یہ تجاویز، خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۳ر نومبر کو منظور کی گئیں اور اس سے اگلے دن یعنی ۲۴ر نومبر کو مجلسِ خلافت اور کانگریس کا مشترکہ اجلاس زیرِ صدارت مسٹر گاندھی منعقد ہوا جس میں ممتاز ہندو لیڈر شریک ہوئے۔ "مہاتما گاندھی نے اپنی تقریر میں مسئلہ خلافت کے تمام پہلوؤں پر ایک پُر مغز تقریر کی اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے ساتھ اُن کے ہندو بھائی ہر طرح آمادۂ رفاقت ہیں۔ مہاتما گاندھی نے ہندوؤں سے درخواست کی کہ "وہ اُس وقت تک جشنِ صلح میں شریک نہ ہوں جب تک انہیں اس بات کا پورا اطمینان نہ دلایا جائے کہ سلطنتِ عثمانیہ کے بٹوارے اور خلافت کے برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے جذبات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔" [3]

(۲)

خلافت کا تحفظ اور بقا مسلمانوں کے لئے ایک دینی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے

---

[1] حیاتِ اجمل مرتبہ قاضی محمد عبد الغفار، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۰ء، انجمن ترقی اُردو (ہند)، ص ۲۰۹

[2] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، اشاعت اول، ص ۱۳۲

[3] حیاتِ اجمل مرتبہ قاضی محمد عبد الغفار، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۰ء، اشاعت اول، ص ۲۱۰ اور ۲۱۱

آگے جانے سے پہلے مناسب ہے کہ اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈال لی جائے کہ "مسلمانوں کے لئے خلافت کی بقا اور تحفظ کیوں ضروری ہے"؟ مولانا سید سلیمان اشرف زیر نظر کتاب میں مسئلہ خلافت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات کو حق سبحانہٗ نے خاتم النبیین فرما کر ہمیشہ کے لئے نبوت کا دروازہ بند فرمادیا، اب محال قطعی ہے کہ کوئی دوسرا نبی یا رسول ہو۔ اسی طرح شریعتِ محمدیؐ کو خاتم الشرائع اور ہر پہلو سے کامل وتمام فرما کر اس سے آگاہ کردیا کہ قیامت تک یہی شریعت قائم رہے گی کسی نئی شریعت کا نزول نہ ہوگا۔

پس ایک ایسی شریعت جسے قیامت تک دنیا میں قائم رکھنا تھا اُس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اس خاکدانِ عالم میں جہاں فرزندِ آدم بستے ہیں نہ کہ ملک وفرشتہ اس کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ مذہب کا بازو سیاست سے قوی کردیا جائے۔

یہ ایک حقیقت واقعی ہے کہ جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کرسکتا یا اپنی مامون زندگی کے لئے طاقت روا نہیں رکھتا اُس کا وجود محالاتِ عادیہ میں سے ہے ایسا مذہب فلسفۂ خیال سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاقِ حسنہ کی کتاب ہو محفوظ وفائدہ بخش اُسی وقت ہوگا جب کہ دوسرے ہاتھ میں خونچکاں شمشیر بھی نظر آرہی ہو۔[1] مذہب اسلام پاکیزہ سے پاکیزہ تر اخلاق کی ہمیں تعلیم بھی دیتا ہے اور پھر ارتکاب جرائم پر حد وتعزیر سے سدِ بابِ عصیاں بھی کرتا ہے، اس کی تبلیغ کے یمین ویسار، سیف وسنان، میمنہ ومیسرہ بن کر حمایت وحفاظت میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں، قلبِ سلیم کے لئے تذکیر وموعظت ہے اور مفسدین واعداء کے لئے تیغ جوہر دار۔

آں کہ میگویند آں بہتر ز حُسن
یارِ ما ایں دارد و آں نیز ہم

اسلام کے محفوظ ومامون رہنے کے لئے تین اصول قرار دیئے گئے۔ پہلا اصل یہ تھا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہونا چاہئے، دوسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام کا ایک امیر ہونا چاہئے، تیسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام پر ایسی قوت مجتمع رہے کہ کوئی

---

[1] علامہ اقبال نے بھی درج ذیل اشعار میں غالباً اسی جانب اشارہ کیا ہے:

گفت گر از رازِ من داری خبر — سوئے ایں شمشیر وایں قرآں نگر!
ایں دو قوت حافظِ یک دیگر اند — کائناتِ زندگی را محور اند!

بد اندیش نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرے۔

حرمین شریفین یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً مرکزِ اسلام قرار پائے، جزیرۃ العرب کے شمول سے مرکزی مقام کا استحفاظ تصرفِ اغیار سے پورا کر دیا گیا۔ ذاتِ مقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ مرکزی کے امیر اور مسلمانوں کے (کی) ہر طرح کی حاجتوں کا ماوا و ملجا۔ سارے کلمہ گو مسلمان مرکزی مقام اور امیر مرکز کے خادم و مطیع قرار پائے۔

کتبِ احادیث وسیَر کے جاننے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ شریعت کی روشنی اُسی ذاتِ پاک سے تھی، تزکیۂ نفس اسی روح پرور کے انفاسِ قدسیہ سے تھا۔ میدانِ جنگ میں وہ سپہ سالار تھا، انتظاماتِ ملکی میں ایک بڑا مدبّر سلطان تھا، نزاعاتِ باہمی ومناقشات کے فیصلہ میں ایک بے نظیر حاکمِ عادل تھا۔

غرض کہ مسلمانوں کی کوئی ضرورت وحاجت ایسی نہ تھی، جس میں بجز اپنے پیغمبر کے کسی اور طرف وہ متوجہ ہوتے۔ جب یہ مجمع الانوار عہد ختم ہو گیا اور پیغمبر نے اپنی اُمت سے پردہ کیا تو تعلیم گاہِ نبوت کے ارشد تلامذہ یعنی خلفاءِ اربعہ کا زمانہ نوبت بہ نوبت اسی جامعیت کے ساتھ اُمتِ محمدی کی نگہبانی کرتا رہا۔

ہاں جب بنو اُمیہ کا عہد آیا تو اُس وقت بارگاہِ خلافت میں یہ جامعیت باقی نہ رہی۔ معاش خلیفہ کی بارگاہ میں لے جاتا، معاد ائمہ اہلِ بیت کے آستانوں پر حاضر کرتا تھا اور مسائلِ شرعیہ کے لئے محدثین وفقہاء کا حلقۂ درس تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی اطاعت وخدمت اُس وقت بھی ائمہ دین وعامۂ مسلمین نے اپنے او پر واجب ہی سمجھی جس وقت کہ بارگاہِ خلافت سے جامعیت مٹ چکی تھی..... سلطنتِ ترکی اس وقت تک مسلمانانِ عالم کی طرف سے اُن کے سارے فرائض جو تحفظِ دین سے متعلق تھے ادا کرتی تھی، مرکزی مقام جس کی خدمت فرضِ کفایہ ہے سلطنتِ ترکی ہی نے اسے اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ ساری دنیا اپنے قصر وایوان، باغ وراغ کے تعمیر وتزئین میں مصروف تھی، لیکن سلطنتِ عثمانیہ کا تاجدار بیت اللہ ومدینۃ الرسول کی خدمت میں مشغول تھا"۔ [1]

---

[1] الشوریٰ۔ از سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۱۶۸-۱۷۱

"یہ مسئلہ بالکل قطعی ہے کہ نصب امام اُمت پر واجب ہے، شرائط امام میں تو البتہ گروہ مسلمین کا اختلاف پایا جاتا ہے، لیکن نصب امام کے واجب ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ رہی قوت دفاعی اُس کا ہمہ وقت موجود رکھنا فرض ہے اس سے تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

اسی جگہ ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیجئے خلافت بمعنی نیابتِ نبی جسے امامتِ کبریٰ کہتے ہیں بعد امام حسن علیہ السلام حضرت عمر بن عبدالعزیز میں پائی گئی۔ ان نفوسِ قدسیہ کے سوا جس قدر خلفاءِ بنواُمیہ یا بنوعباس میں گزرے ان میں سے کسی کی بھی خلافت امامتِ کبریٰ کے معنی میں نہ تھی، یہ سب اسلام کے (کی) قوت دفاعی تھے، انہیں خلیفہ جو کہا جاتا تھا اور ان کی اطاعت جو ضروری سمجھی جاتی تھی وہ محض اسی وجہ سے کہ شمشیرِ اسلامی کے یہ محافظ تھے اور حرمین شریفین کے خادم مرکزی مقام کی سیادت اور خدمت وحفاظت ان سے متعلق تھی۔ جب خلفائے عباسیہ کا عہد تمام ہو گیا اور یہ نعمت باسعادت خاندان عثمان میں آئی تو اب مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہوئی۔ یہ مسئلہ نہ تو اجتہادی ہے نہ اس میں ظن واحتمالات کی گنجائش ہے بلکہ یہ قطعی ویقینی اور ضروریات دین میں سے ہے کہ مسلمانوں پر حرمین شریفین کی خدمت فرض ہے اور ایسی قوت کا قائم رکھنا جو اعدائے اسلام کو ان مقاماتِ مطہرہ سے دفع کر سکے یہ بھی فرض ہے......

جنگ یورپ نے جب کہ اسلام کی قوتِ دفاعی کو فنا کر دیا تو اب مسلمانوں پر یہ فرض ہو گیا کہ اُس قوت کو وہ پیدا کریں...... یہ ایسا فرض نہیں جو کسی خاص خطہ پر بسنے والے مسلمانوں ہی کا فرض ہو۔ یورپ نے خود ہی سلطنتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے یہ تحریک عام عالمِ اسلامی میں پیدا کر دی کہ جو مسلمان جہاں کہیں بھی ہے اپنے اس فرض کے (کی) ادائیگی کے لئے آمادہ ہو جائے۔"[۱]

"النور" کے مندرجہ بالا اقتباسات کے ساتھ اگر سر آغا خاں مرحوم اور سید امیر علی مرحوم کے اُس مشترکہ خط کا بھی مطالعہ کر لیا جائے تو مزید دلچسپی اور معلومات کا موجب ہوگا، جو انہوں نے عصمت پاشا مرحوم کو اُس وقت لکھا جب عصمت پاشا اور مصطفےٰ کمال پاشا مرحوم کی جماعت

---

[۱] النور، ص ۱۷۳-۱۷۴

کامیاب وکامران ہو چکی تھی اور وہ خلافت کو ہمیشہ کے لئے ترکی سے ختم کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے اور ان کے اس ارادے سے برعظیم کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس خط کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ مسئلہ مسلمانانِ عالم کے لئے کس قدر دینی اہمیت رکھتا تھا، مذکورہ خط ملاحظہ ہو:۔

''یورایکسی لینسی!

''جدید ترکی کے پرانے دوست ہونے کی حیثیت سے اس کی موجودہ امنگوں کا جو بحیثیت آزاد ملک ہونے کے ہیں پورا احترام کرتے ہوئے ہم آپ کی اجازت سے اعلیٰ قومی اسمبلی کی توجہ اس بے چینی کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو سنّی مسلمانوں میں خلیفۃ المسلمین کی موجودہ غیر یقینی حیثیت کی وجہ سے ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوا کہ اسلام باوجود ایک زبردست اخلاقی اور اتحادی طاقت ہونے کے سنّی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ میں اپنا اثر کھو رہا ہے، اس کی وجہ خلیفہ کی عزت وتکریم میں کمی ہے۔ مصلحتاً ہم چند حقائق کی طرف مخصوص اشارہ نہیں کرتے، لیکن ان کی صحت سے انکار کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔

(۱) مسلمانوں کی جماعت میں جیسا کہ بخوبی واضح ہے روحانی سرداری ایک زنجیر ہے جو تمام پیروؤں (پیروؤں) کو اسلام کے حلقہ میں جمع رکھتی ہے۔ جب خلیفہ پر باہر کی طاقتوں نے یورش کی تو مسلمانانِ عالم میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے ترکوں کی مدد کی اور ان سے ہمدردی ظاہر کی، وہ یہ سمجھتے تھے کہ ترکوں کی جدوجہدِ آزادی میں ساتھ دینے کے معنی یہ ہیں کہ وہ بھی اس ادارہ کی بقا کے لئے لڑ رہے ہیں جو عالمِ اسلام کے اتحاد کا مظہر ہے۔ ان بُرے دنوں میں ہم مسلسل ترکوں کی جدوجہد میں ان کی مدد کرتے رہے۔ ترکی اور اطالیہ کی جنگِ طرابلس سے برطانوی مسلمانوں کی ایک جماعت ترکوں کی دشواریوں اور مصیبتوں کو دور کرنے میں لگی رہی۔ لہٰذا ہمیں امید ہے کہ ہمارے مشاہدات وتجاویز آں جناب کی حکومت ہمدردی سے سنے گی۔ یہ ایسا مسئلہ ہے، جس میں ہم تمام مسلمان عالم کے ساتھ بہت دل چسپی لیتے ہیں۔

(۲) ہمارے ان جملوں سے ہرگز یہ مراد نہ لی جائے کہ ہم عوام کے نمائندوں کی طاقت اور ان کے اختیارات میں کوئی کمی چاہتے ہیں۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ

سنّی دنیا کی مذہب کی سرداری کو شریعت کے مطابق بدستور رکھا جائے۔ ہماری رائے میں خلیفہ کی تکریم میں کوئی کمی یا ترکی کی سیاست میں سے ان کا مکمل اخراج اسلام کے انتشار کے مترادف ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ عملاً وہ دنیا میں ایک اخلاقی قوت نہ رہے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جو نہ تو اعلیٰ قومی اسمبلی اور نہ اس کے صدر غازی مصطفےٰ کمال پاشا پسند کرتے ہیں۔

(۳) ہمارے خیال میں خلیفۃ المسلمین، اہل سنت و جماعت کے اتحاد کا مظہر ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ ترک ہیں اور ترکی قوم کے بانی کی اولاد ہیں ترکوں کو اسلامی اقوام میں ایک ممتاز مقام دیتی ہے۔

(۴) چودہ صدیوں سے اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ رہا ہے اور ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر اجماع امّت ہے کہ خلیفہ یعنی نائب الرسول، اہل سنت و جماعت کے امام کے ہیں اور وہ ایک لڑی ہیں جس میں وہ منسلک ہیں۔ مسلمانوں کے دماغ سے یہ صوفیانہ خیال بغیر دنیائے اسلام میں ایک ہنگامہ برپا کیئے دور نہیں کیا جاسکتا۔

(۵) یور ایکسی لینسی! غالباً ہمیں یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ جب خلیفہ کے پاس کوئی دنیاوی اقتدار نہ تھا اس وقت بھی بڑے بڑے بادشاہ اور سرداران سے "فرمان" حاصل کرتے تھے۔ یہ فرمان انہیں اس علاقہ پر حکومت کرنے اور امامت کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ اگر دنیا میں اسلام کو بحیثیت ایک عظیم اخلاقی قوت کے باقی رہنا ہے تو خلیفہ کا مرتبہ کسی صورت میں بھی... کم نہیں ہونا چاہئے۔

(۶) ان وجوہ کی بنا پر ہم ترکی کے سچے دوست کی حیثیت سے بصد ادب اعلیٰ قومی پارلیمان اور اس کے عظیم اور دور اندیش راہنما سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ خلافت کو اُن بنیادوں پر باقی رکھیں جن سے مسلمانوں کو بھروسا اور عزت حاصل ہوتا کہ اسلام کی مذہبی اور اخلاقی بنیادیں استوار رہیں اور اس طرح سلطنت ترکی کو خاص قوت اور عزت حاصل ہو۔

ہم ہیں یور ایکسی لینسی آپ کے فرماں بردار خادم

(دستخط) آغا خاں (دستخط) امیر علی" [1]

---

[1] پرنس آغا خاں مرتبہ محمد امین زبیری، مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوی ایشن کراچی۔ طبع اوّل ۱۹۵۱ء، ص ۱۵۴-۱۵۷

"الخوز" کے اقتباسات اور مندرجہ بالا تاریخی خط کے مطالعہ سے مسلۂ خلافت کی سیاسی و دینی اہمیت واضح ہو جاتی ہے اور یہ کہ اس مسئلہ پر صرف اہل سنت و جماعت ہی نہیں بلکہ اہل تشیع اور وہابیہ بھی متفق تھے۔ اس لئے جب ترکی کو شکست ہوئی اور اہالیان ترکی کو بے پناہ مصائب و مظالم سے واسطہ پڑا تو برعظیم کے مسلمانوں کے لئے ایک ایسی مجلس کا قائم کرنا ناگزیر ہو گیا جو خلافت کے تحفظ اور مظلومین ترکی کی امداد کے لئے اپنی تمام مساعی بروئے کار لائے۔ چنانچہ ان ہی وجوہات کی بنا پر "مجلس خلافت" لکھنؤ میں قائم ہوئی اور دہلی کے اجلاس میں مسٹر گاندھی سے گفت و شنید کے بعد مسلمانوں کے اہم ترین مطالبہ و فرض دینی کو بحال اور قائم رکھنے کے لئے مشرکین ہند کی طرف ہاتھ بڑھایا گیا اور اسی اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ "اگر حکومت مسلمانوں کے مطالبات منظور نہ کرے تو حکومت سے عدم تعاون کیا جائے۔"

دہلی اجلاس کے ایک ماہ بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس اور مجلس خلافت کا مشترکہ اجلاس، امرتسر میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ

"مسئلہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے متعلق مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنے کے لئے بہ سرکردگی مسٹر محمد علی ایک وفد انگلستان بھیجا جائے۔ خلافت فنڈ قائم کیا جائے اور اس کے لئے دس لاکھ روپیہ جمع ہو"۔ [1]

مجوزہ وفد کے انگلستان روانہ ہونے سے قبل ہندو مسلمانوں پر مشتمل ایک وفد ۱۹ر جنوری ۱۹۲۰ء کو وائسرائے سے ملا تاکہ وہ مطالبات جو وفد برطانیہ کے وزیر اعظم کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے پہلے اُن کے بارے میں وائسرائے ہند سے بات چیت کی جائے اور اُس کی اخلاقی مدد حاصل کی جائے۔ اس وفد میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

۱۔ مسٹر گاندھی
۲۔ سیٹھ چھوٹانی (جان محمد)
۳۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری
۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد
۵۔ مفتی کفایت اللہ
۶۔ مولانا حسرت موہانی
۷۔ مسٹر سید حسین (ایڈیٹر انبار انڈیپنڈنٹ، الہ آباد)
۸۔ مولانا عبدالباری فرنگی محل
۹۔ حکیم اجمل خاں
۱۰۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو

---

[1] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۴

۱۱- ڈاکٹر مختار احمد انصاری
۱۲- مولانا محمد علی
۱۳- مولانا عبدالماجد بدایونی
۱۴- سید ظہور احمد
۱۵- مولانا فاخر الہ آبادی
۱۶- سید سلیمان ندوی
۱۷- آغا محمد اشرف قزلباش اور
۱۸- راجہ صاحب محمود آباد [1]

وفد نے جو ایڈریس وائسرائے کو پیش کیا اُس میں سلطنتِ ترکیہ کی سالمیت اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطان ترکی حاکمیت برقرار رکھنے کی ضرورت جتائی گئی اور اس پر اصرار کیا گیا کہ: "یہ لوازمِ اسلام میں سے ہے کہ دینی اور دنیوی حیثیت سے خلافت کا وجود مسلسل قائم رہے۔"

وفد نے یہ بھی کہا کہ

"اگر حکومت برطانیہ نے اپنے تمام وعدے حرف بحرف پورے نہ کئے تو اُس کو ایسا سخت اخلاقی دھکا لگے گا کہ بڑے سے بڑے زرخیز علاقے اور عظیم ترین سیاسی نفع سے بھی اس کی تلافی نہ ہو سکے گی اور پھر اخلاقی وقار کی بربادی اس کو اس وجہ سے گراں گزرے گی کہ اس اعلانِ شاہی کی قلعی کھل جائے گی جو جناب والا کے پیش رو وائسرائے نے ترکی کے ساتھ جنگ شروع ہونے پر کیا تھا"۔ [2]

وائسرائے کا جواب مایوس کن تھا، اس پر وفد میں شامل حضرات نے ایک بیان شائع کیا کہ

"اگر معاہدۂ صلح کی شرائط مسلمانوں کے مذہب اور جذبات کے خلاف ہوئیں تو حکومت برطانیہ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداری اس کا تحمل نہ کر سکے گی۔ اس کے بعد یہ مطالبہ کیا کہ جزیرۃ العرب اُن حدود کے ساتھ جو اسلامی روایات کی رُو سے معیّن ہیں اور اسلام کے مقدس مقامات خلیفہ کے اختیار و انتظام میں رہنے چاہئیں اور وہ تمام وعدے پورے کئے جائیں، جو مسلمانوں سے وزیر اعظم برطانیہ نے کئے ہیں۔" [3]

اس کے بعد خلافت کانفرنس کا تیسرا اجلاس فروری ۱۹۲۰ء میں بمبئی میں منعقد ہوا جس میں انگلستان کو روانہ ہونے والے مجوزہ وفد پر اظہارِ اعتماد کا ریزولیشن منظور ہوا، مطالبات ضابطے کے ساتھ متعیّن کئے گئے اور حکومت برطانیہ کو متنبہ کیا گیا کہ

---

[1] علی برادران، ص ۱۳۲، پاکستان ناگزیر تھا۔ از سید حسن ریاض، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء، اشاعت ششم، ص ۸۸
[2] علی برادران، ص ۱۳۴ اور ۱۳۵
[3] علی برادران، ص ۱۳۵

"اس مطالبے میں اگر کوئی کمی کی گئی تو اس سے نہ صرف مسلمانوں کے عمیق ترین مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچے گا بلکہ اُن اعلانات اور مواعید صالحہ کی بدیہی بے حرمتی اور خلاف ورزی ہوگی جو اتحادی اور اُن کی حلیف دول کے نمائندہ ماہرین سیاست نے اُس وقت کئے تھے جب وہ مسلمان قوم اور مسلمان سپاہ کی تائید و مدد حاصل کرنا چاہتے تھے۔ یہ مطالبہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں ہے بلکہ ملک کی پوری ہندو آبادی اس میں ان کے ساتھ شریک ہے۔ اگر غلط فیصلہ کیا گیا تو اس کے نتائج اچھے نہ ہوں گے۔"[1]

چنانچہ بمبئی کے اجلاس کے فیصلے کے مطابق مسلمانوں کا ایک نمائندہ وفد، اوائل مارچ ۱۹۲۰ء میں انگلستان کے وزیر اعظم لائیڈ جارج سے گفتگو کرنے کے لئے لندن پہنچا۔ امیر وفد مولانا محمد علی جوہر اور باقی ممبران درج ذیل حضرات تھے۔

۱۔ سید سلیمان ندوی
۲۔ ابوالقاسم صاحب
۳۔ سید حسین
۴۔ حسن محمد حیات
۵۔ محمد شعیب قریشی اور
۶۔ عبدالرحمن صاحب صدیقی[2]

مولانا محمد علی جوہر نے بڑی قابلیت اور بے باکی سے وفد کے مطالبات، برطانیہ کے عمائدین اور وزیر اعظم لائیڈ جارج کے سامنے پیش کئے، لیکن وزیر اعظم بڑے رکھائی سے پیش آئے، انہوں نے تمام وعدوں اور یقین دہانیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بڑی ڈھٹائی اور بے حیائی سے کہا۔

"ترکوں کے ساتھ اُن سے مختلف اصولوں پر معاملہ نہیں کیا جاسکتا جو مسیحی ملکوں کے ساتھ برتے گئے ہیں۔ ترکیہ کو ترکی سرزمین پر دنیوی اقتیار برتنے کی اجازت ہوگی مگر وہ علاقے اُس کے قبضے میں نہیں چھوڑے جائیں گے جو ترکی نہیں ہیں۔"[3]

وفد کے ساتھ جو کچھ انگلستان میں ہوا اس سے برعظیم کے مسلمانوں کو بہت زیادہ روحانی اور ذہنی تکلیف ہوئی۔ مجلس خلافت کی اپیل پر ۱۹ر مارچ ۱۹۲۰ء کو "یوم غم" منایا گیا۔ حضرت علامہ اقبال اس وفد کے برطانیہ جانے کے حق میں نہیں تھے، اس کی ناکامی پر انہوں نے مندرجہ ذیل

[1] علی برادران، ص ۶۳۵
[2] علی برادران، ص ۶۳۵
[3] "پاکستان ناگزیر تھا" از سید حسن ریاض، مطبوعہ شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونیورسٹی، کراچی ۱۹۹۲ء۔ اشاعت ششم، ص ۹۱

اشعار بعنوان ''دریوزۂ خلافت'' لکھے جو اس وقت، بانگ درا میں شامل ہیں ۔

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی!

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشائی!

''مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی''

وفد ابھی یورپ ہی کا دورہ کر رہا تھا کہ اتحادیوں کے نمایندے فرانس کے شہر سان رومیو میں جمع ہوئے اور فیصلہ کیا کہ حسب ذیل شرائط پر ترکی سے صلح کی جائے اور خلیفہ ترکی کو طوعاً و کرھاً اس نازیبا اور ذلت آمیز معاہدہ پر دستخط کرنے پڑے۔

(۱) سلطان اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

(۲) اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کر لیں اور یہ بھی کہ ایشیائی ترکی کے کسی حصے پر قابض ہو جائیں۔

(۳) آرمینیہ کی ایک نئی دولت (حکومت) قائم کی جائے گی جس میں مندرجہ ذیل صوبے داخل ہوں گے:
مشرقی اناطولیہ، ارض روم، وان، تبلس، ترابزون اور ارذنجان۔ اس دولت کی حدود ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی مدد سے قائم کی جائیں گی۔

(۴) ترکی، عرب کے متعلق اپنے تمام دعوؤں سے دست بردار ہوگا۔

(۵) شام کی حکمرداری فرانس کو، عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی۔
عدیسہ اٹلی کو، سمرنا اور مغربی اناطولیہ یونان کو عنایت کیا گیا۔ [1]

یہ ذلت آمیز شرائط مئی ۱۹۲۰ء میں مرتب کی گئیں، لیکن اس معاہدہ پر دستخط سلطان ترکی نے بامر مجبوری ۲۰ اگست ۱۹۲۰ء کو سیورے کے مقام پر کئے اور اس طرح یہ معاہدہ ''معاہدہ سیورے'' کے نام سے مشہور ہوا، جب اس معاہدہ کی تفصیلات اخبارات کے ذریعہ ۱۴ مئی کو ہندوستان میں پہنچیں تو مسلمانوں میں غم و غصہ اور اضطراب اور بے چینی کی لہر دوڑ گئی کیونکہ اوائل جنگ میں برطانیہ کے تمام ذمہ دار لیڈر مسلمانوں سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ

''ہم اس لئے نہیں لڑ رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دار السلطنت سے محروم کر

---

[1] علی برادران (مرتب) رئیس احمد جعفری ندوی۔ مطبوعہ اشرف پریس لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۶

دیں یا اسے ایشیائے کوچک اور تھریس کی زرخیز زمینوں سے محروم کر دیں۔ ہم سلطنت ترکی کے قیام و بقا (تحفظ) کو اس کے وطن کو اور اس کے دار الحکومت کو چیلنج نہیں کرتے۔"[1]

"معاہدۂ سیورے" کی دفعات شائع ہونے کے بعد خلافت کمیٹی کا بمبئی میں ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو جلسہ ہوا جس میں طے پایا کہ "مسلمانوں کے مقاصد کی تکمیل کا واحد ذریعہ عدمِ تعاون ہے..... مسٹر گاندھی کو تحریک عدمِ تعاون کا لیڈر قرار دیا گیا۔ تمام تمغے اور خطابات حکومت کو واپس کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا۔"[2]

تحریک عدمِ تعاون یا دوسرے لفظوں میں ترکِ موالات، گاندھی کی راہنمائی میں ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو شروع ہوئی۔ بعد میں سول نافرمانی بھی پروگرام میں شامل کر لی گئی۔ عدالتوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ رضا کار بھرتی کیے گئے۔ پرنس آف ویلز کی آمد پر احتجاجی جلوس نکالے گئے، ہڑتالیں کی گئیں، خطابات اور تمغے واپس کیے گئے اور انتخابات کا بائیکاٹ کیا گیا۔۔ لیکن فروری ۱۹۲۲ء میں پیش آنے والے "چوراچوری" کے سانحہ کو بہانہ بنا کر اس تحریک کے ڈکٹیٹر مسٹر گاندھی نے بیک جنبشِ قلم سب کیے پر پانی پھیر دیا اور تحریک کو اُس وقت بند کرنے کا اعلان کر دیا جب یہ کامیابی سے ہم کنار ہو رہی تھی۔

خلافت کمیٹی ستمبر ۱۹۱۹ء میں لکھنؤ میں قائم ہوئی اور فروری ۱۹۲۲ء میں مسٹر گاندھی کے مذکورہ اعلان کے بعد اس کی سرگرمیاں عملاً ختم ہو گئیں، لیکن دو سالوں میں عصر حاضر کے سب سے بڑے "شاطر" اور "عیار" ہندو کی ذہانت اور مسلمان اکابر کی سادہ لوحی سے جو کچھ مسلمانوں پر بیت گئی وہ ایک دلدوز اور المناک داستان ہے۔ مسلمانوں کے ایک عظیم مذہبی شعار "قربانی" کو مسلمان لیڈروں ہی کی مدد سے بند کرانے کی کوششیں کی گئیں۔ لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے تباہ و برباد ہو گئے، ان کی دولت، عزت، ناموس سب کچھ لیڈروں کی عاقبت نااندیشی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ مسلمانوں کے تعلیمی ادارے تباہ و برباد کر دیئے گئے اور گاندھویت کے زیر اثر اسلام کے اصولوں اور احکام کی قولاً و فعلاً توہین کی گئی، لیکن اس افراتفری کے دور میں بھی چند مردانِ حق ایسے موجود تھے

---

[1] ہسٹری آف دی کانگریس بحوالہ "اقبال کا سیاسی کارنامہ" از محمد احمد خاں، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۴۳

حیات قائداعظم از چودھری محمد سردار محمد خان۔ پبلشرز یونائیٹڈ لاہور۔ طبع ثانی ۱۹۳۹ء، ص ۱۵۰

[2] علی برادران مرتبہ سید رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۲۳۶ (ملخصاً)

جنہوں نے اپنی دینی بصیرت سے کام لے کر مسلمان لیڈروں اور عوام کو بڑے درد اور سوز سے آگاہ کیا کہ جس راستہ پر آپ جا رہے ہیں وہ مکہ کو نہیں بلکہ "گاندھستان" کو جاتا ہے — تاریخ کا یہ باب بڑا تحصیل طلب ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم مسئلہ قربانی، تعلیم، ہجرت اور اسلامی اصولوں واحکام کے خلاف بیانات پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالتے ہیں۔

مسئلہ قربانی

گائے ہندو کے لئے معبود کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اس کے برعکس مسلمان کے لئے اس کی قربانی اور ذبیحہ مذہبی شعار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے جب بھی مسلمان گائے کو ذبح کرتا ہے تو ہندو سمجھتا ہے کہ چھری گائے کے گلے پر نہیں میرے گلے پر چل رہی ہے اور وہ مسلمان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، وہ ذبیحہ کو گائے کشی کے نام سے پکارتا ہے اور زبردستی، منت، خوشامد اور عیاری اور مکاری یعنی ہر حیلے اور بہانے سے مسلمان کے اس مذہبی شعار کو بند کرانے کی کوشش کرتا ہے۔ اُسے اس سے غرض نہیں کہ گائے ہندو کی دل آزاری کے خیال سے چورا ہے پر ذبح کی گئی ہے یا اُس کی دل آزاری سے بچنے کے لئے ایک پوشیدہ اور محفوظ جگہ پر کی گئی ہے۔ اُسے جب بھی اور جیسے بھی موقع ملتا ہے وہ اس سے بھرپور فائدہ اُٹھاتا ہے۔ مثلاً:

شاہ شجاع الملک اور رنجیت سنگھ کے مابین جو معاہدہ ۲۵ رجون ۱۸۳۸ء کو بمقام شملہ طے پایا اس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ

> "جن اوقات میں رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کا لشکر ایک ہی جگہ مقیم ہو وہاں گائے کاٹی نہ جائے گی۔" [۱]

اس شق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رنجیت سنگھ نے شاہ شجاع الملک کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ذبیحہ گاؤ کی ممانعت کی حدود کو کابل تک پھیلا دیا۔

اب اُن کوششوں کا اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے جو اہل ہنود کی طرف سے اور ان کے ہمنوا و ہم زبان بدنام کنندہ نکونامے چند، قسم کے عاقبت نااندیش مسلمان لیڈروں نے تسلسل کے ساتھ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے لے کر تشکیل پاکستان اور اس کے بعد بھی جاری رکھی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ "سرحد اور جدوجہد آزادی" از اللہ بخش یوسفی، مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی ۱۹۸۹ء — اشاعت دوم، ص ۶۰

(۱) ۱۸۸۰ء

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء میں ہندوؤں نے بکمال تدلیس وتلبیس ایک استفتاء مرتب کیا اور اسے فرضی ناموں سے برعظیم کے تمام بڑے بڑے شہروں میں فتویٰ کے لئے علماء کرام کی خدمت میں روانہ کیا۔ علمائے حق جن کا فریضۂ حیات ہی اسلام اور اہل اسلام کی خدمت ہے، ہندوؤں کے ناپاک عزائم اور مقاصد کو بھانپ گئے اور انہوں نے دلائل عقلیہ نقلیہ سے ثابت کیا کہ ذبیحہ گاؤ کے متعلق اہل ہنود کا ادعا اور خدشات باطل اور بے بنیاد ہیں۔ اس سلسلہ میں علامہ محمد فاروق چڑیا کوٹی، مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہم کے فتاوے بڑے جامع اور مدلل ہیں۔ ذیل میں ہم اہل ہنود کی طرف سے جاری کئے اس استفتاء اور مولانا بریلوی کے فتاویٰ کو درج کرتے ہیں۔

استفتاء۔ "کیا فرماتے ہیں علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے، جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا اگر کوئی (شخص) معتقد اباحتِ ذبح ہو مگر کوئی گائے اُس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ اکل (کھانا) اُس کا جائز جانتا ہے، تو اُس کے اسلام میں کوئی (کچھ) فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا۔

گاؤ کشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گناہگار ہوتا ہے یا اگر کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف اباحتِ ذبح کا دل سے معتقد ہو تو وہ گناہگار نہ ہوگا، جہاں بلا وجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثورانِ فتنہ وفساد اور مفضی بہ ضرر اہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری اہل اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصدِ اثارتِ فتنہ وفساد ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا گائے کی؟ بینوا توجروا۔

از مرادآباد شوال ۱۲۹۸ھ" [۱]

اب وہ ایمان افروز جواب ملاحظہ ہو جو مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے دیا گیا۔

(الف) گاؤ کشی اگرچہ بالتخصیص اپنے نفسِ ذات کے لحاظ سے واجب نہیں، نہ

---

[۱] انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ) از امام احمد رضا، مشمولہ رسائل رضویہ جلد دوم (مرتب) عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء، ص ۳۱۵۔ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۴، ص ۵۳۵ اور ۵۵۰

اُس کا تارک باوجود اعتقادِ اباحت بنظر نفسِ ذات فعل گنہگار نہ ہماری شریعت میں کسی خاص شے کا کھانا بالتعیین فرض، مگر ان وجوہ سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ گاؤکشی جاری رکھنا واجب لعینہ اور اُس کا ترک حرام لعینہ نہیں یعنی ان کے نفسِ ذات میں کوئی امر ان کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں، لیکن ہمارے احکام مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات ومحرمات میں منحصر نہیں، بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری وحتمی ہے، یوں ہی واجبات ومحرمات لغیر ہا میں بھی امتثال واجتناب اشد ضروری ہے، جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں اور اُن سے بالجبر باز رکھنے میں بے شک ہماری مذہبی توہین ہے جسے حکامِ وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے۔ ہم ہر مذہب وملّت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزورِ مخالفین، گاؤکشی قطعاً بند کردی جائے اور بلحاظِ ناراضیِ ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلّتِ اسلام متصوّر نہ ہوگی، کیا اس میں خواری ومغلوبیِ مسلمین نہ سمجھی جائے گی، کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب واہلِ مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا۔ کیا بلاوجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنائت (دنایت) وذلّت اختیار کرنا...... ہماری شرعِ مطہر جائز فرماتی ہے؟ حاشا وکلا...... ہرگز نہیں...... نہ یہ متوقع کہ حکامِ وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔ سائل لفظ ترک لکھتا ہے، یہ صرف مغالطہ اور دھوکا ہے، اُس نے 'ترک' اور 'کف' میں فرق نہ کیا، کسی فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور اُس سے بالقصد باز رہنا اور بات۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اس رسم سے جس میں صدہا منافع ہیں، یک قلم امتناع آخر کسی وجہ پر مبنی ہوگا اور وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہنود کی ہٹ پوری کرنا اور مسلمانوں...... کے اسبابِ معیشت میں کمی یا تنگی کردینا۔'' [1]

(ب) باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ ''اس فعل کے ارتکاب سے ثورانِ فتنہ وفساد ہو۔'' ہم کہتے ہیں جن مواضع میں مثل بازار وشارعِ عام وغیرہا گاؤکشی کی قانوناً ممانعت

---

[1] انفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء۔ بار دوم، مشمولہ رسائل رضویہ (جلد دوم) مرتبہ عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری۔ لاہور طبع اول ۱۹۷۶ء، ص ۲۱۸-۲۱۹، فتاوی رضویہ، ج ۱۴، ص ۵۵۳

ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارت فتنہ وفساد اُس کی طرف منسوب ہو سکتی ہے اور وہ قانوناً مجرم قرار پائے گا اور اس امر کو ہماری شرع مطہر بھی روا نہیں رکھتی...... اور جہاں قانوناً ممانعت نہیں وہاں اگر شوران فتنہ وفساد ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا اور جرم اُنہیں کا ہے کہ جہاں ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے...... اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ وفساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہنود کو قطعاً اس رسم کے اُٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی جہاں چاہیں گے فتنہ وفساد برپا کریں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کردے گی اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہبی کو چاہیں گے اپنے فتنہ وفساد کی بنا پر بند کرادیں گے...... بالجملہ خلاصۂ جواب یہ ہے کہ بازار وشارع عام میں جہاں قانوناً ممانعت ہے براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بے شک مسلمانوں کو توہین وذلت کے لئے پیش کرنا ہے کہ شرعاً حرام اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بے جا ہٹ بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اُٹھا دینا ہرگز جائز نہیں۔"[1]

...... یہ بات تو تھی ۱۸۸۰ء کی، اب آگے چلئے۔

(۲) ۱۹۱۱ء

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں ہندوؤں نے ہندوستان سے گاؤ کشی بند کرانے کے لئے ازسر نو کوششیں تیز کردیں، گورنمنٹ کو عرضداشت پیش کی کہ گاؤ کشی سے ہماری دل آزاری ہوتی ہے اس پر قانوناً پابندی لگائی جائے۔ اُن کی اس عرضداشت پر کانگریسی ذہن کے مسلمان لیڈروں نے بھی مہر تصدیق ثبت کردی تو آل انڈیا مسلم لیگ کی بریلی شاخ کے جائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود نے ہندوؤں اور مسلمان نیشنلسٹ لیڈروں کے مشترکہ ناپاک عزائم کو ناکام بنانے کے لئے مسلم لیگ کی طرف سے ایک استفتاء مرتب کیا اور اظہار حق کے لئے علماء کرام کی خدمت میں بھیجا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب، مولانا امجد علی صاحب اعظمی مصنف "بہار شریعت" اور مولانا نواب میرزا خاں کی طرف سے ذبیحہ گاؤ کے مذہبی شعار کی تائید اور غیروں کے ناپاک منصوبوں کے خلاف زوردار فتوے جاری ہوئے۔ ذیل میں مسلم لیگ کا استفتاء اور مولانا بریلوی کا جواب ملاحظہ ہو۔

---

1 رسائل رضویہ جلد دوم (مرتب) عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری، لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۹ء، ص ۲۲۲-۲۲۳
فتاوی رضویہ، جلد ۱۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور ۱۹۹۸ء، ص ۵۵۷-۵۵۸

الحمد للہ

گاؤکشی کے معاملہ میں مفصل تحقیقات اور ہنود کا دفع شبہات

مسمّی بنام تاریخی

اَنفَسُ الفِکَر

فی

قُربَانِ البَقَر

مُصَنّفہ

امام اہلسنت مجدد دین وملت حامی سنت ماحی بدعت اعلیٰحضرت مولنا مولوی مفتی شاہ احمد رضا خاں صاحب

قادری برکاتی نور اللہ مرقدہ

باہتمام واشاعت جناب مولنا مولوی امجد علی صاحب اعظمی قادری

مطبع اہل سنت وجماعت بریلی میں طبع ہوا

ایک ہزار جلد

قیمت ۵ر

بار دوم

سرورق: رسالہ اَنفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا مطبوعہ بریلی اشاعت دوم ۱۹۲۱ء

مسئلہ از مسلم لیگ ضلع بریلی مرسلہ سید عبد الودود جنٹ سکریٹری لیگ ۲۶ جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ
محمد کا تفصیلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل اہل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤکشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انہوں نے ایک بہت بڑی عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لیے تیار کی ہے جس پر کروروں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرضداشت پر ہندوؤں کے کہنے سننے سے دستخط کر رہے ہیں ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے اور اس مذہبی رسم کے جو شعائر اسلام میں سے ہے بند کرانے میں مدد دینے والے گنہگار اور عند اللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں۔ بینوا الجواب بالتفصیل واللہ یہدی من یشاء الی سواء السبیل۔

الجواب

گائے کی قربانی شعائر اسلام سے ہے قال اللہ تعالیٰ والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ اونٹ گائے بیل ہم نے ان کو کیا تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اس معاملہ کے انسداد میں شرکت ناجائز و حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم

(مہر: نواب مرزا ... عبد النبی)

کتبہ عبید النبی نواب مرزا
عفی عنہ بکرم المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

(مہر: محمدی سنی حنفی قادری ... عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں)

استفتاء۔ ”کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤکشی کی رسم موقوف کرا دی جائے اور اس غرض سے اُنہوں نے ایک بہت بڑی عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگانِ ہندوستان کے دستخط کرائے جا رہے ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش (عاقبت نااندیش) مسلمان بھی اس عرضداشت پر ہندوؤں کے کہنے سننے سے دستخط کر رہے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور اس مذہبی رسم کے جو شعائرِ اسلام میں سے ہے بند کرانے میں مدد دینے والے گناہگار اور عنداللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں؟“ [1]

جواب اعلیٰ حضرت بریلوی۔ ”فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید ربّ الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے، اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔“ [2]

(۳) ۱۹۱۳ء

(۱) مشیر حسین قدوائی نے اخبار ”لیڈر“ ۵؍نومبر ۱۹۱۳ء/۵؍ذوی الحجہ ۱۳۳۱ھ میں اپنے ایک مضمون میں لکھا کہ

”مسلمانوں کو از خود اجودھیا میں گائے کی قربانی بند کر دینی چاہئے کیونکہ اجودھیا ہندوؤں کا مقدس تیرتھ ہے اور وہاں گایوں کے ذبح ہونے سے اُن کی سخت دل آزاری ہوتی ہے۔ گائے کے بجائے بکروں کی قربانی کا آسانی سے انتظام کیا جا سکتا ہے اور ایک فنڈ قائم کیا جا سکتا ہے جس سے مسلمانوں کو اس زائد خرچ میں مدد دی جا سکتا ہے جو گایوں کی بجائے بکریوں یا بھیڑوں کی قربانی دینے سے اُن کو برداشت کرنا پڑے گا“۔ [3]

---

[1] انفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا، مطبوعہ مطبع اہل سنت و جماعت بریلی ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء۔ اشاعت دوم، ص ۱۹

[2] انفس الفکر فی قربان البقر از امام احمد رضا، مطبوعہ بریلی ۱۹۲۱ء۔ بار دوم، ص ۱۹

[3] ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام (۱۹۲۰ء) از محمد عبد القدیر، مطبوعہ مطبع مُسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۵ء۔ اشاعت دوم، ص ۱۶، بحوالہ اخبار ہمدرد ۱۶؍نومبر ۱۹۱۳ء۔ نوٹ: محمد مقتدیٰ خاں شروانی (ناشر) کے بقول، اس رسالہ کے حقیقی مصنف جناب عزیز الدین بلگرامی (علی گڑھ) ہیں۔ دیکھئے: فہرست ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسری، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور۔ ۱۹۹۶ء، جلد اوّل، ص ۶۷۲ (ظہور)

ب۔ مسٹر مظہر الحق نے فرمایا:

''میں اس امر سے پورے طور پر متفق ہوں کہ مسلمان کانپور اور اجودھیا میں گائے کی قربانی کرنے سے محترز رہیں۔'' ۱

(۴) ۱۹۱۹ء

ا۔ ''بقر عید (۱۳۳۷ھ) کے موقع پر مولوی فضل الحسن حسرت موہانی نے خود کنار پور جا کر یہ کوشش کی کہ وہاں کے مسلمان ہندوؤں کی خاطر سے گاؤ کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کر دیں۔'' ۲

ب۔ ''دسمبر ۱۹۱۹ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی سعی اور تحریک سے یہ رزولیوشن پاس کیا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کر دیں۔'' ۳

(۵) ۱۹۲۰ء

ا۔ خواجہ حسن نظامی نے ''رسالہ ترک گاؤ کشی'' میں لکھا۔ ''ہندو ہمارے پڑوسی ہیں اور گاؤ کشی سے اُن کی دل آزاری ہوتی ہے لہٰذا ہم گائے کی قربانی نہ کریں اور اس کے عوض دوسرے جانوروں کی قربانی کافی سمجھیں۔'' ۴

ب۔ مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری نے گاؤ کشی بند کرو کے زیر عنوان لکھا کہ

''میں اعلان کرتا ہوں جیسا کہ میں نے پچھلے سال (یعنی ۱۹۲۰ء میں) کیا تھا کہ ہندو بھائیوں کی طرف سے کسی مطالبہ یا مداخلت سے پہلے ہی مسلمانوں کو بجائے گائے کے بکریاں اور بھیڑیں قربانی کرنی چاہئیں۔'' ۵

ج۔ جناب حکیم اجمل خاں صاحب نے امرتسر میں بحیثیت صدر مسلم لیگ اپنے خطبہ میں ارشاد کیا کہ

''گاؤ کشی کا ذکر ہم لوگ عرصہ سے اشاروں اور استعاروں میں کرتے رہے

---

۱ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط مہاتما گاندھی کے نام (۱۹۲۰ء) از محمد عبد القدیر، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء، ص ۱۷

۲ ایضاً، ص ۱۷

۳ ایضاً، ص ۱۷، بحوالہ انڈین ریویو جنوری نمبر، ص ۲۲

۴ رسالہ ترک گاؤ کشی از خواجہ حسن نظامی، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی ۱۹۲۰ء، ص ۲۰

۵ روزانہ پیسہ اخبار لاہور، ۱۰ اگست ۱۹۲۱ء، ص ۴، کالم ۳

ہیں، لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ اس مسئلہ کا زیادہ صفائی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جائے تا کہ ہم کسی معقول نتیجہ تک پہنچ سکیں۔ ہمارے ہندو بھائیوں نے جو طریقے گاؤکشی کے انسداد کے اختیار کئے تھے وہ بعض صورتوں میں بہت زیادہ قابل اعتراض تھے اور وہ قدرتی طور پر حصول مدعا میں ناکامیاب ثابت ہوئے۔ اب کہ ہندو اور مسلمان ایک نئے دور سے گذرے (گزرے) ہیں اور اُن کے اختلافات مٹ مٹا کر اتحاد کی صورتیں اختیار کر رہے ہیں...... ان دونوں قوموں میں وہ اسپرٹ پیدا ہوگئی ہے جو صرف گاؤکشی ہی کے مسئلہ کے لئے نہیں بلکہ بہت سے اختلافی مسائل کے حل کرنے کے لئے ایک مضبوط بنیاد کا کام دے گی......

ہمارے ہندو بھائیوں نے ایک عرصہ سے ہر جگہ اتحاد کا ہاتھ ہماری طرف بڑھانے میں پیش دستی کی ہے جس کے لئے ہم اُن کے شکر گزار ہیں...... اب ہم مسلمان بحیثیت ایک شریف قوم کے اس کا جواب سوائے (سوا) اس کے اور کچھ نہیں دے سکتے کہ زیادہ جوش اور سرگرمی کے ساتھ اپنا ہاتھ اُن کی طرف بڑھائیں...... مجھ سے اگر سوال کیا جائے کہ اس مسئلہ کی طرف عملی قدم کس طرح اٹھانا چاہئے تو میں سب سے پہلے یہ مشورہ دوں گا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں سے جیسے کاشی، اجودھیا، متھرا اور بندرابن ہیں اس کا آغاز کیا جائے اور ان شہروں میں جس قدر جلد ممکن ہو دوسرے جانوروں کی قربانی کو اختیار کیا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے شہروں میں بھی اس کوشش کا آغاز کیا جائے۔'' [1]

اس خطبہ میں حکیم صاحب نے قربانی کی مذہبی حیثیت پر بھی بحث کی ہے اور روا روی میں ایک حدیث پاک میں تحریف تک کر گئے۔ مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ ''اسلام میں گائے کی بجائے بھیڑ کی قربانی زیادہ افضل ہے اور یہ کہ اسلامی احکام میں گائے کی قربانی کہیں بھی صراحتاً لازم نہیں ہے''۔ [2]

حکیم صاحب کے پیش نظر جو ہدف تھا، اس لحاظ سے ان کی حکمت یہی تقاضا کرتی تھی کہ گائے کی قربانی ترک کرنے پر اسلامیان ہند کو آمادہ اور قائل کیا جائے۔ عرب میں عموی طور پر بھیڑ

---

[1] حیات اجمل مرتبہ قاضی محمد عبد الغفار، ص ۲۱۴-۲۱۶

[2] ایضاً ص ۲۱۵

اور دُنبے کی قربانی کا چلن ہے۔ ایک عام مسلمان بھی مالی استعداد رکھتا ہو تو بکرے یا دُنبے کی قربانی کو ترجیح دیتا ہے، لیکن کم حیثیت مسلمانوں کو کم پیسے خرچ کر کے قربانی کا جو موقع مل سکتا ہے، اسے محض ہندو کی خوشنودی کے لیے ترک کرنا، سیاسی قائدین کی مصلحت تو ہو سکتا ہے، دینی احکام کے مطابق نہیں۔

ہمارے نزدیک ظلم یہ ہوا کہ ہندوؤں کی دل جوئی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد میں تحریف تک کر ڈالی۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

"ان النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا رایتم هلال ذی الحجة واراد احدکم ان یضحی فلیمسک عن شعره واظفاره." [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ کرے تو وہ بال کٹوانا اور ناخن تراشنا چھوڑ دے۔

اب اس میں "بالشاۃ" یعنی بھیڑ یا بکری کا اضافہ کرنے کی جسارت حکیم صاحب جیسی شخصیت کو ہرگز زیب نہ دیتا تھا، جس پر مولانا سید سلیمان اشرف تو سکتے میں آگئے، چنانچہ انہوں نے صاحب موصوف سے بذریعہ مراسلہ نہایت نیازمندانہ طور پر سوال کیا کہ حضرت ام سلمہ سے مروی روایت کس کتاب سے آنجناب نے نقل فرمائی، ادھر سے جواب نہ ملنے پر مولانا سلیمان اشرف، حکیم صاحب کے دولت کدہ پر دہلی بہ نفس نفیس دو مرتبہ حاضر ہوئے، لیکن ملاقات کی کوشش بارآور نہ ہوئی۔ ازاں بعد سید صاحب نے بعض حضرات اہل علم جن کا حکیم صاحب کے ہاں آنا جانا تھا ان کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ حدیث شریف میں جو غلطی ہوگئی ہے اُس کی تصحیح کی طرف حکیم صاحب کو توجہ دلایئے، لیکن سید سلیمان اشرف صاحب کی یہ کوشش بھی بے اثر رہی۔ مزید برآں مختلف مواقع پر علماءِ سیاسی سے بالمشافہ عرض کیا گیا کہ ترکِ قربانی گاؤ کی تحریک فتنۂ عظیمہ ہے۔ خدارا ہنود کی خاطر مسلمانی کا گلا نہ گھونٹئے۔ دیکھئے حدیث میں جعل وتحریف تک کی نوبت آگئی، تین مہینے گزر گئے اور کوئی اعلان نہیں کرتا ہے کہ اصل حدیث میں لفظ شاۃ نہیں ہے، غلطی سے لکھا گیا ہے[2]۔ الغرض سید صاحب کی ان کوششوں کا علماءِ مؤسسین اتحاد ہندو مسلم پر کوئی اثر نہ ہوا، انہوں نے اعراض کیا اور مسلسل سکوت اختیار کئے رکھا تو آپ نے مسلمانوں کو امرِ حق سے آگاہ

---

[1] الرشاد۔ از محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء، ص ۳۶

[2] دیکھئے۔ النور از سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۱۸۔۲۰، ۲۱۶ اور ۲۳۳

کرنے کے لیے زیرِ نظر کتاب "النور" کی تصنیف سے پہلے رسالہ "الارشاد" لکھا جس میں یہ واضح کیا کہ ہمارے سیاسی لیڈران قوم "ہندو مسلم اتحاد" کے خیال کو چمکانے اور برادران وطن کی دلنوازی کے لئے کن کن طریقوں سے آج سنتِ ابراہیمی کو مٹانے کے لئے کمربستہ ہو گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی تحریک اور حکیم اجمل خاں صاحب کی سعی سے یہ رزولیوشن پاس کر دیا کہ "ہمیں ہندوؤں کے جذبات کا خیال کر کے گائے کی قربانی یک قلم موقوف کر دینا چاہئے"۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی کسی ایک کتاب میں بھی شاۃ کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ اس لئے "الارشاد" میں مولانا سید سلیمان اشرف نے مسلم شریف، ابن ماجہ، ابوداؤد، نسائی، جامع ترمذی، سنن، مسند احمد بن حنبل میں قربانی سے متعلق روایات کو یکجا کر دیا ہے۔ چنانچہ اس جانب اشارہ کرتے ہوئے "مقام تحریف" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

"مسلم شریف کی ساری روایتیں نقل کر دی گئیں اس میں ہر شخص تلاش کرے کہ بکری کہاں ہے۔" [2]

آگے چل کر سلیمان اشرف رقمطراز ہیں:

"کتب احادیث میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جس قدر روایتیں بیان

---

[1] تحریک خلافت و ترک موالات پر کام کرنے والوں کے لیے اس کا مطالعہ لازمی ہے۔ تاریخ کے اس باب کو محفوظ کرنے کے لیے یہ نایاب رسالہ مکتبہ رضویہ، لاہور نے ۱۹۸۱ء میں سید نور محمد قادری کے پیش لفظ کے ساتھ شائع کر دیا تھا۔ علامہ حکیم محمد حسین عرشی امرتسری (۱۸۹۲ء - ۱۹۸۵ء) نے ماہنامہ فیض الاسلام راولپنڈی، نومبر ۱۹۸۱ء میں الارشاد پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا کہ "مؤلف (سلیمان اشرف صاحب) اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ ہندو ذہن آج بھی وہی ہے جو ۲۱-۱۹۲۰ء میں تھا۔ آج بھی مسلمانوں پر وہی (بلکہ زیادہ) مظالم جاری ہیں اور جاری رہیں گے جب تک کہ مسلمانانِ عالم صحیح معنی میں مسلمان بن کر اپنے حقوق اقوام عالم سے نہ منوا لیں۔ اس رسالے کی اشاعت پورے برصغیر میں ہونی چاہئے، لیکن ہندو اس کلمہ حق کو برداشت نہیں کر سکیں گے"۔

ہمارے موجودہ حکمرانوں نے کانگریسی مُلّاؤں کی ریت زندہ کرتے ہوئے، بھارتی نیتاؤں کی خوشنودی کے لیے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے؟ — کشمیر کے معاملہ میں اپنے دیرینہ جائز موقف سے مسلسل پسپائی اور اقوام متحدہ کی قراردادوں تک سے دست برداری کے باوجود کیا حاصل ہوا۔ اب یہ بات کوئی راز نہیں رہی کہ ہماری سرحدوں کے اندر خلفشار اور مغربی سرحدی علاقہ میں شورش برپا کرنے کے لیے "را" سرگرم عمل ہے اور دہشت گردی کے لیے اسلحہ بھارت سے براستہ افغانستان فراہم ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر مرحوم نے سچ ہی کہا تھا "ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ آج مشرکین ہند سے روابط قائم کر کے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ (ظہور)

[2] الارشاد۔ از محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء، ص ۲۶

فَاتَّبِعُونِي أَهْدِكُمْ سَبِيلَ

الرشاد

نوشتہ

فقیر محمد سلیمان اشرف

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوا ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۰ء

(آدم جی پیر بھائی منزل کالج سے شایع ہوا)

سرورق: رسالہ "الرشاد" از پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء

مذہب کو چھوڑنا اور غیر مفتیٰ بہ قول کو اس اطمینان وسکون سے بیان کرنا کیا
حمایت دین ہے کیا اس سے قربانی کی اہمیت کم کر کے دکھانا مقصود نہیں ہے
حیرت افزا ستم تو یہ ہے کہ ایک حدیث حضرت ام سلمہ سے روایت کی جاتی ہے
اور اس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ عرب میں بکری کی قربانی کا رواج تھا
حدیث پوری نقل نہیں کی گئی اس لئے کہ پھر مدعا کا ثابت ہونا مشکل تھا عوام الناس
بھی کھٹک جاتے کہ یہ الفاظ حدیث نہیں خطبہ صدارت کی عبارت یہ ہے۔

نقل کردہ حدیث کی حیثیت

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا رایتم ھلال ذی الحجۃ و ارادہ احدکم ان یضحی بالشاۃ الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یارشاد فرمایا کہ جب تم عید الضحیٰ کا چاند دیکھو اور تم میں کوئی بکری کی قربانی کرنی چاہے
اس حدیث سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا۔

یہ حدیث جلیل بجز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جماعت کثیر محدثین سے مروی
ہے لیکن کسی روایت میں لفظ بالشاۃ یعنی بکری کا نہیں پایا جاتا۔

(۱) روایت صحیح مسلم

امام مسلم صحیح مسلم شریف میں اسی حدیث جلیل کے لئے ایک باب منعقد کرتے ہیں۔

باب نھی۔ مَنْ دَخَلَ عَلَیْہِ عَشْرُ ذِی الْحِجَّۃِ وَ ھُوَ مُرِیْدُ التَّضْحِیَۃِ اَنْ یَّاْخُذَ
مِنْ شَعْرِہٖ اَوْ اَظْفَارِہٖ شَیْئًا یعنی اس باب میں اس مسئلہ کا بیان ہے کہ عشرہ ذی الحجہ
جب ایسے شخص کو ملے جو قربانی دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے قربانی دینے سے
قبل ناخن تراشنا اور اصلاح بنانا نہ چاہیے۔
اس میں کوئی تخصیص گائے اونٹ اور بھیڑ بکری کی نہیں صاحب قربانی یعنی

کی گئی ہیں اُن سب کو میں نے جمع کر دیا...... لیکن لفظ "بالشاۃ" یعنی بکری جو (حکیم صاحب کے خطبۂ صدارت میں) مایۂ دلیل اور دارومدار برہان ہے اُس کا کہیں نام نہیں۔"[1]

مذکورہ رسالہ میں ستر (۷۰) سے زائد ذیلی عنوانات قائم کر کے مولانا سلیمان اشرف نے عقلی اور نقلی دلائل سے حلال جانوروں (گائے سمیت) کے ذبح و قربانی کو نہایت خوش اسلوبی سے ثابت کر دکھایا ہے اور ذبح گاؤ کے خلاف ہندوؤں کے مسلمانوں پر مظالم بھی کھول کھول کر بیان کیے ہیں اور خود ہنود کی مقدس کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ ان میں ذبح گاؤ کے خلاف کوئی حکم نہیں، بلکہ عہد قدیم میں خود ہندو ذبح گاؤ کے مرتکب ہوتے رہے ہیں۔ "الرشاد" ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء میں مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ اور مطبع خادم التعلیم لاہور سے یکے بعد دیگرے طبع ہوا۔ مولانا سید سلیمان اشرف نے مسلمانانِ ہند کی راہنمائی کے لئے "الرشاد" کے کم و بیش تین ہزار نسخے اپنی جیب خاص سے لیڈرانِ قوم کے علاوہ مختلف شہروں اور قصبات تک میں مفت تقسیم کئے۔ یہ تالیف جہاں مولانا کی ایک اعلیٰ علمی کاوش ہے وہیں اس نازک اور پُر آشوب دور میں ہندو کے دام تزویر کے اسیر علماء کی جانب سے شعائرِ اسلام سے روگردانی کی مہم کے تار و پود بکھیرنے کے لئے اور اسلامی احکام واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ ان مساعی سے اِس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کا یہ دینی رکن اور عظیم شعار ذبح و قربانی گاؤ جسے اہل ہنود نے گاؤ کشی کا نام دے دیا تھا، مصون و محفوظ ہو گیا اور پھر تقسیم برعظیم پاک و ہند کے زمانہ تک یہ فتنہ نہ ابھرا۔

---

[1] الرشاد۔ از محمد سلیمان اشرف، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء، ص ۳۰

تکمیلِ مقدمہ

ظہور الدین خاں امرتسری

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف علیہ الرحمہ (۱۸۷۸ء-۱۹۳۹ء) کا رسالہ "الرشاد" جو ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ اور لاہور سے شائع ہوا تھا، پاکستان میں پہلی بار ۱۹۸۱ء میں سیّد نور محمد قادری مرحوم (۱۳رمئی ۱۹۲۵ء تا ۱۵رنومبر ۱۹۹۶ء) کے گرانقدر "دیباچہ" کے ساتھ طبع ہوا تو قادری صاحب موصوف نے "دیباچہ" کے آخر میں یہ نوید سُنائی کہ مکتبۂ رضویہ، لاہور جناب سیّد سلیمان اشرف کی ایک اور تالیف النور بہت جلد شائع کر رہا ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ ۱۹۶۸ء کے لگ بھگ قاضی عبدالنبی کوکب مرحوم (م-۱۹رجنوری ۱۹۷۸ء) بھی "النور" کو تحریکِ پاکستان کی گم شدہ کڑیاں (یا تحریکِ پاکستان کا ایک فراموش شدہ باب) کے عنوان سے شائع کرنے کا عزم کر چکے تھے۔

"الرشاد" چھپنے کے بعد قادری صاحب مرحوم نے "النور" کا مقدمہ لکھنا شروع کر دیا، اس سلسلہ میں راقم حروف ۱۹۸۲ء میں ان کے دولت کدہ پر بھی حاضر ہوا جو ضلع منڈی بہاءُالدین کے ایک دور افتادہ گاؤں چک ۱۵ اشمالی میں واقع ہے، یہاں پر آپ کا کتب خانہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ برعظیم کی تحریکوں پر قادری صاحب کی گہری نظر تھی۔ النور کے "مقدمہ" کے زیرِ نظر صفحات قادری صاحب کی موضوع پر گرفت اور نظریہ پاکستان کے ساتھ ان کی اٹوٹ وابستگی پر دلیل ہیں۔ مگر افسوس خالق حقیقی کے بلاوے نے انہیں تکمیل کار کی مہلت نہ دی۔

"النور" کی اشاعت کی مزید تاخیر سے بچنے کے لئے حضرت مولانا حکیم محمد موسیٰ صاحب

ل جناب شفیق صدیقی مرحوم کی کتاب حیات علامہ شبیر احمد عثمانی کا دوسرا ایڈیشن احقر کے بسیط مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا جس میں "النور" کے بعض حوالہ جات درج تھے تو مختلف اطراف سے "النور" کا تقاضا ہونے لگا۔ چنانچہ کھلابٹ، ہری پور سے جناب دالیج قادری راقم کے نام اپنے مراسلہ مورخہ ۲۴رجولائی ۲۰۰۳ء میں لکھتے ہیں:-

"حیات شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی" کتاب پر آپ کا تحریر کردہ مقدمہ پڑھا لاجواب و بے مثال ہے ماشاءاللہ ــــ آپ نے علامہ سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "النور" کے حوالہ جات سے کتاب کے مقدمہ کو مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔ خط لکھنے کی ضرورت بھی اس لئے محسوس ہوئی ایک تو اتنی اچھی معلومات دینے پر اور دوسرے علامہ مذکور صاحب کی کتاب "النور" کے لئے ــــ"

امرتسری مرحوم و مغفور (م-۱۹۹۹ء) نے یہ رائے دی تھی کہ ''مقدمہ'' کے انہی صفحات کو قادری صاحب کا تبرک جانیں اور کتاب شائع کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ قربانی کے علاوہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں پیش آنے والے دیگر مسائل جیسے تعلیم، ہجرت اور ہندو مسلم یگانگت کی خاطر اسلامی احکام اور اصولوں کی خلاف ورزیوں کا ذکر قادری صاحب کے ''مقدمہ'' میں نہ آسکا۔

کاش! قادری صاحب اس مقدمہ کی تکمیل کر پاتے اور جملہ امور کا احاطہ انہی کے قلم سے ہو جاتا، لیکن یہ تو اب ممکن نہیں رہا۔ اب یہی راہ عمل باقی رہ جاتی ہے کہ ضروری عنوانات مثلاً تعلیم، ہجرت وغیرہ پر دستیاب مواد کی روشنی میں کچھ عرض کیا جائے۔ قادری صاحب مرحوم کے مقدمہ میں کوئی پیوند لگا کر اُس کے حُسن کو گہنانے کی بجائے ''تکمیل مقدمہ'' کے عنوان سے راقم الحروف اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ اُمید ہے قارئین محترم میری کم مائیگی اور کمزوریوں سے درگزر فرمائیں گے۔

گزشتہ صفحات میں قادری صاحب مرحوم کے قلم سے اگرچہ مسئلہ قربانی (جسے ہندو گاؤ کشی کا نام دیتا ہے) کا ذکر آچکا۔ اس دور کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار (م-۲۰۰۷ء) نے بھی اپنی تالیف ''مولانا ظفر علی خاں، حیات، خدمات و آثار'' میں مسٹر گاندھی کی کتاب ''تلاش حق'' کے حوالہ سے ''گئور کھشا'' کا تذکرہ کیا ہے جیسا کہ خلافت کمیٹی کے اجلاس دہلی منعقدہ ۲۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کی ایک نشست کی صدارت گاندھی جی نے کی تھی۔ اس اجلاس میں سوامی شردھانند اور کچھ اور ہندو رہنما بھی شریک تھے۔ متذکرہ اجلاس میں مسلمان لیڈروں اور علما کی ''فراخدلی'' کا ذکر کرتے ہوئے گاندھی جی ''تلاش حق'' میں لکھتے ہیں۔ ''مولانا عبدالباری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا: ''خواہ ہندو ہماری مدد کریں خواہ نہ کریں، مسلمانوں کو اپنے برادرانِ وطن کے جذبات کا لحاظ کر کے گاؤ کشی ترک کر دینا چاہئے'' اور ایک زمانے میں واقعی یہ حالت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان گاؤ کشی بالکل موقوف کر دیں گے۔[1]'' اس دور کے عینی شاہد اور تحریک پاکستان کے ممتاز راہنما مولانا عبدالحامد بدایونی (م-۱۹۷۰ء) فرماتے ہیں:

''علی برادران اور مسلم زعماء نے ابنائے وطن کے اتحاد کی خاطر اس زمانہ میں جو رواداریاں برتیں وہ اپنی حدود سے بھی متجاوز ہو گئی تھیں۔ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے گاندھی جی کی لیڈری چمکائی گئی۔ مجھے یاد ہے کہ ہمارے یہاں کے پوسٹروں کے

---

[1] ''مولانا ظفر علی خاں، حیات، خدمات و آثار'' از پروفیسر غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر - سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور - طبع اوّل ۱۹۹۳ء، ص ۱۶۳، بحوالہ ''تلاش حق''، جلد دوم (اردو ترجمہ) ڈاکٹر سید عابد حسین، مطبوعہ جامعہ ملیہ دہلی، ص ۳۰۹

عنوانات اس وقت یہ تھے:

''مولانا عبد الباری کا فتویٰ اور گاندھی جی کا حکم'' [1]

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں۔ ''۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے نازک دور میں مسٹر گاندھی نے نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ مسلم علماء کی بھی قیادت کی، سب نے آنکھیں بند کر کے ان کی متابعت کی اور اس طرف سے غافل ہو گئے کہ جن مقاصد کے لئے مسٹر گاندھی کوشاں تھے وہ مسلمانوں کے مقاصد سے مختلف تھے، مگر یہ بات جوش و جذبے کے ماحول میں سمجھ میں آنے والی نہ تھی اس لئے مسٹر گاندھی نے بڑی دانائی اور حکمت سے جذبات کے دھارے کو اس سمت موڑ دیا، جو ان کی منزل کا پتا دیتی تھی، انہوں نے حصول مقاصد کے لئے جو ذرائع اختیار کئے وہ مسلمانوں نے نہایت تشکر و امتنان کے ساتھ قبول کئے اور یہ نہ سمجھا کہ یہ ذرائع جہاں مسٹر گاندھی کو ان کے مقاصد سے قریب تر لے جا رہے ہیں وہاں مسلمانوں کو ان کے مفادات سے دور تر لے جا رہے ہیں'' [2]۔ چنانچہ مسٹر گاندھی کے مقاصد میں سے ایک منشا و مقصد، اسلامی اسکولوں، کالجوں کے تعلیمی بائیکاٹ (Boycott، ترک موالات) کی تعمیل بھی تھی۔ اس لئے پہلے ہم مسئلہ تعلیم پر بات کریں گے اور از اں بعد مسئلہ ہجرت پر۔

مسئلہ تعلیم

بیسویں صدی کے آغاز میں جب مختلف حقوق کے نام پر آزادی اور تحریکِ خلافت وغیرہ کے نام سے تحریکیں چلنے لگیں تو مسلمانوں کی اجتماعی اور دینی زندگی سے متعلق کئی طرح کے مسائل پیدا ہوئے، اس وقت بعض لیڈر نما مولوی وقت کے دھارے میں بہ گئے اور انہوں نے محض سیاسی مصلحتوں کے تابع ہو کر مختلف توجیہیں کیں۔ ان مسائل میں (۱۹۲۰ء میں) مسئلہ ترک موالات سر فہرست تھا۔ فتوے جاری ہوئے کہ مسلمان اپنے بچوں کو اسلامیہ کالجوں وغیرہ میں پڑھانا چھوڑ دیں۔ زیر نظر کتاب اسی دور کی یادگار ہے، جس نے صحیح سمت میں مسلمانوں کی رہنمائی کا کام دیا۔ مذکورہ تحریک کے جذباتی اور ہنگامی دور [3] میں جمعیت العلماءِ ہند کے راہنما اور بعض دوسرے لیڈر

---

[1] خطبہ صدارت پاکستان کانفرنس، منعقدہ ۳۰ راگست ۱۹۴۱ء (بمقام رائے کوٹ ضلع لدھیانہ) از مولانا عبد الحامد قادری بدایونی، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ص ۱۴

[2] مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد، تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور، طبع اول ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۱

[3] حاشیہ کے لئے دیکھئے صفحہ ۳۹

تحریک ترک موالات کو کامیاب بنانے کی غرض سے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو بند کرانا چاہتے تھے، لیکن صرف مسلمانوں کے نظمِ تعلیم کو تہ و بالا کرنے اور سلسلۂ تعلیم کو ملیامیٹ کروانے میں کیا راز پوشیدہ تھا۔ یہ آپ مشتاق حسین فاروقی کی زبانی سنئے۔

''ہندو لیڈران کو یہ بات نہ بھاتی تھی کہ اِکا دُکا مسلمان بھی کسی سرکاری عہدہ پر نظر آئے۔ مگر کچھ بس نہیں چلتا تھا، کہ جس یونیورسٹی کی بدولت مسلمان تعلیم پا کر کچھ اسامیاں پُر کر لیتے تھے، اس کو بند کرا سکیں۔ تحریک ہٰذا میں ان کو یہ موقع مل گیا اور انہوں نے انگریزی تعلیم کے بائیکاٹ پر زور دیا۔ اسکولوں اور کالجوں کے طالب علموں کو تعلیم پانے سے روکنے کی تجویز منظور کی۔ لیکن اس میں کیا راز مضمر تھا، صرف یہی کہ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کو توڑ دیا جائے تا کہ ہندوستان میں کوئی واحد مسلم درس گاہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور باوجودے کہ تعلیمی بائیکاٹ کا حکم عام تھا۔ ہندو یونیورسٹی پر آنچ نہ آنے دی گئی''۔ ؎۱

(حاشیہ صفحہ ۳۸)

؎۳ ''روزانہ پیسہ اخبار'' (لاہور) مجریہ ۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء میں صفحہ اوّل پر 'اہالیان ترک موالات کے معتقدات و عملیات' کے عنوان سے ایک طویل نظم شائع ہوئی جو اسی دور کی یاد دلاتی ہے۔ چند اشعار ہدیہ ناظرین ہیں:-

پوچھا جو تارکینِ موالات سے کہ آپ — کیوں کر بنائے ترک موالات اُٹھائیں گے
کہنے لگے کہ یہ کوئی مشکل عمل نہیں — باتوں ہی باتوں میں ہم اسے کر دکھائیں گے
دو چار ہندوؤں کو بنائیں گے رہنما — گاندھی کو ساتھ لے کے پھر آندھی اُٹھائیں گے
مسجد میں ہندوؤں کو بلا کر سنیں گے پند — منبر پہ دیوتا کو ہم چڑھائیں گے
چھیڑیں گے ابتدا میں خلافت کا مسئلہ — دیکھیں گے مشکلیں تو اسے بھول جائیں گے
چندہ وصول کر کے خلافت کے نام سے — یوروپ کی سیر کر کے مزے ہم اُڑائیں گے
آکر وہاں سے ڈالیں گے ہجرت کا غلغلہ — ہر طرح پٹیاں جہلا کو پڑھائیں گے
پابندیاں طریقہ تعلیم میں جو ہیں — آزاد اس سے قوم کو اپنی بنائیں گے
ہے عام کالجوں میں جو تعلیم کا رواج — چھوڑیں گے اس کو نفع نہ کچھ اس سے پائیں گے
ڈالیں گے ترکِ درس کی اس طرح داغ بیل — شاہی مدد سے پہلے پہل ہاتھ اُٹھائیں گے
مشق عمل کی ہو گی علی گڈھ سے ابتدا — لے کر خدا کا نام گھر اپنا جلائیں گے
پنجاہ سالہ سعی جو ہے ''پیر قوم'' کی — ہم نوجوان خاک میں اس کو ملائیں گے

(حاشیہ صفحہ ہٰذا)

؎۱ ''مسلمان اور کانگریس۔ اتحاد مسلم و مشرک پر شریعت اسلام کا حکم مبین'' (مرتب) مشتاق حسین فاروقی، ایم۔ مطبوعہ مراد آباد و سنہ ندارد، ص ۳

مسلمانانِ ہند کی تعلیمی پس ماندگی کا پس منظر جاننے کے لئے بعض کانگریسی علما کے فتاویٰ پر ایک نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ابوالکلام آزاد کا کلام دیکھئے:

''احکامِ شرعیہ کی رُو سے کسی مسلمان طالب علم کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی سرکاری یا ایسے کالج میں تعلیم حاصل کرے جو سرکار سے امداد قبول کرتا ہو اور سرکاری یونیورسٹی سے ملحق ہو''۔ [1]

مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی نے فرمایا:

''تمام مسلمان عاقل بالغ طلبہ پر خواہ وہ قومی مدرسوں کے طالب علم ہوں یا سرکاری مدرسوں کے، فرض ہے کہ وہ ایسے مدارس سے جن کا تعلق گورنمنٹ کے ساتھ ہے علٰحدہ ہو جائیں اور اس علٰحدگی میں ان کو اپنے والدین کی اجازت لینی ضروری نہیں۔ بلکہ والدین کی ممانعت پر عمل کرنا جائز نہیں۔'' [2]

مولوی احمد سعید، ناظم جمعیۃ علمائے ہند نے فتویٰ ترکِ موالات کی رو سے سرکاری ملازمت کو حرام قرار دیا اور اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی تعلیم کے بائیکاٹ پر زور دیتے ہوئے یوں ارشاد کیا:

''...... تعلیم کو موالات سے مستثنیٰ کرنا سخت ترین حماقت ہے۔ کیونکہ سب سے بڑی معاونت دشمنانِ دین کی ملازمت ہے اور ملازمت سرکار کا اصلی سبب سکولوں اور کالجوں کی تعلیم اور یونیورسٹی کی ڈگریاں ہیں...... مسلمان سرکاری ملازمت سے جب ہی محفوظ رہ سکتے ہیں کہ ان کو اس تعلیم سے بچا لیا جائے کہ جس کی وجہ سے ملازمت کرنے کے قابل ہوں...... میری رائے میں مسلمانوں پر ترکِ موالات فرض ہے۔ اور ان کو اس فریضہ پر عمل کرنے کے لیے فوراً سرکاری تعلیم سے علٰحدہ ہونا قطعاً فرض ہے۔'' [3]

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلامیہ کالج علی گڑھ تو شروع ہی سے (تحریک کے ابتدائی

---

[1] ''ترکِ موالات پر علمائے کرام دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل لکھنؤ، دہلی و بدایوں وغیرہ کے فتاوے'' شائع کردہ شعبہ تبلیغ، پراونشل خلافت کمیٹی، صوبۂ آگرہ، میرٹھ ۱۹۲۰ء ص ۱۱، مشمولہ اخبار خلافت، یکم نومبر ۱۹۲۰ء
''تحریک عدم تعاون اور احکامِ دین مبین'' (فتاویٰ علماء کرام)، مطبوعہ مجلس خلافت پنجاب لاہور ۱۹۲۰ء ص ۱۲

[2] ترکِ موالات پر علمائے کرام دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل لکھنؤ، دہلی و بدایوں وغیرہ کے فتاوے، مطبوعہ سیّد المطابع، میرٹھ ۱۹۲۰ء، ص ۱۱

[3] تحریک عدم تعاون اور احکامِ دین مبین (علماء کرام کے فتاویٰ) شائع کردہ مجلس خلافت پنجاب لاہور ۱۹۲۰ء، ص ۱۱-۱۲

دنوں میں مسلم یونیورسٹی محض کالج تھی لیکن دسمبر ۱۹۲۰ء میں مکمل یونیورسٹی بن گئی) مولوی محمود حسن صاحب اور ان کے ہم نوا علما کی نظر میں بری طرح سے کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس تعلیمی مرکز کو ڈھادیا جائے۔ آخر تحریک ترک موالات کے دوران انہیں یہ موقع میسر آگیا تو انہوں نے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنی دیرینہ خواہش کا یوں اظہار فرمایا:

''علی گڑھ کی ابتدائی حالت میں علماء متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم سے (جو از سرتا پا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے) روکا مگر بدقسمتی کہ وہ رُک نہ سکی۔ اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لئے تو قوم کو اس سے بچانا بابداہتہ ایک ضروری امر ہے طلبہ کے والدین دیکھ بھال کر اور سمجھانے پر بھی اُسی تعلیم پر زور دیں اور مذہبی تعلیم سے مانع ہوں تو طلبہ کو ضروری ہے کہ لوجہ اللہ تعلیم مذہبی اور اسلام کی خدمت گزاری کے لیے سعی کریں۔''[1]

نیز مولانا محمود حسن نے صفر ۱۳۳۹ھ / اکتوبر ۱۹۲۰ء میں مسلم کالج علی گڑھ کے طلبہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''......امید ہے کہ میری معروضات سے آپ کو اپنے سوالات کا جواب مل جائے گا۔ اور علی گڑھ کالج کی عمارتوں اور کتب خانہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کے دل کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کی قیمت کو کیا نسبت ہے۔''[2]

چنانچہ پروفیسر انوار الحسن صاحب شیرکوٹی کے بقول...... طلبہ میں حضرت شیخ الہند کے فتوئی سے بہت جوش پیدا ہوا اور اکثر لڑکوں نے یونیورسٹی کا بائیکاٹ کر دیا''[3]۔ گویا گاندھی جی کے مرتب کردہ پروگرام ترکِ موالات پر عمل درآمد شروع ہو چکا تھا۔ مولانا حسین احمد ''نقشِ حیات'' میں

---

[1] ترک موالات پر علمائے کرام دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل لکھنو، دہلی و بدایوں وغیرہ کے فتاوے، مطبوعہ میرٹھ ۱۹۲۰ء، ص ۴، مشمولہ ''تحریکاتِ ملی تحریکات کے آئینے میں مسلمانانِ پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کی سرگزشت''۔ مجلہ علم و آگہی (خصوصی شمارہ ۸۳-۱۹۸۲ء) کراچی، گورنمنٹ نیشنل کالج، ص ۴۳۶

[2] شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ دیوبندی۔ ایک سیاسی مطالعہ مؤلفہ ابوسلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر۔ مجلس یادگار شیخ الاسلام، کراچی طبع دوم۔ ۱۹۹۴ء، ص ۹۰، مشمولہ ''حضرت شیخ الہند کے فتوے''

[3] انوار الحسن شیرکوٹی، پروفیسر محمد۔ ''خطباتِ عثمانی'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء۔ حاشیہ ص ۳۸

لکھتے ہیں: "مہاتما گاندھی کی رائے قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترک موالات کے متعلق طلباء (طلبہ) یونیورسٹی نے فتویٰ حاصل کر لیا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترک موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی اور تمام مسلمانوں اور طلباء مسلم یونیورسٹی کو زوردار مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں۔" [1]

یاد رہے کہ "ڈاکٹر ضیاء الدین جو اس زمانے کے وائس چانسلر تھے انہوں نے کچھ عرصے کے لئے یونیورسٹی بند کر دی۔ اس اثناء میں طلبہ کے والدین کو وائس چانسلر کی طرف سے خطوط موصول ہوئے کہ اگر آپ کا لڑکا یونیورسٹی میں آ کر تعلیم حاصل کرنا چاہے اور اسٹرائک میں حصہ نہ لے تو آ جائے ورنہ نہیں۔ چنانچہ پھر دوبارہ یونیورسٹی کھل گئی۔" [2]

سید نور محمد قادری مرحوم رقمطراز ہیں:

"مولانا محمود حسن کے فتاوے، ابوالکلام اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی "مجاہدین" کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج پر ہلّہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کا کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل شکست و ریخت سے بچ گیا۔" [3]

اس پس منظر اور تناظر میں جناب محمد علی چراغ لکھتے ہیں:

"تحریک ترک موالات کے دور میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد، علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ اس تحریک کے حوالے سے مولانا محمد علی جوہر نے ڈاکٹر ضیاءُ الدین احمد سے ملاقات کی اور اساتذہ اور طلبہ علی گڑھ یونیورسٹی کو ترک موالات اور کانگرس میں شامل ہونے کا مشورہ دیا اور حکومت کی امداد بند کرانے کی رائے دی۔ "لیکن اس موقع پر ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد نے مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء کو حضرت مولانا احمد رضا خاں کے فتوے کی ایک کاپی دکھائی اور کہا کہ اس فتوے کی موجودگی میں ہم یونیورسٹی اور طلبہ و اساتذہ کے بارے میں یہ اقدام کیسے کر سکتے

---

[1] حسین احمد مدنی، مولانا۔ "نقش حیات" جلد دوم۔ بیت التوحید، کراچی س۔ ن، ص ۲۷۳

[2] محمد انوار الحسن شیرکوٹی (مرتب) "خطبات عثمانی"۔ نذر سنز، لاہور۔ طبع اول ۱۹۷۲ء۔ حاشیہ ص ۳۸

[3] نور محمد قادری، سید۔ "اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت" مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۲۲

ہیں۔ اگر آپ اس فتوے کے جواب میں کوئی مدلل بیان پیش کر دیں تو ہم آپ کے اشارہ (ارشاد) کی تعمیل کے لئے تیار ہیں ورنہ معذور ہیں"۔ لیکن اس فتوے کا جواب ممکن نہ ہو سکا (ممکن نہ ہوا)۔ اس طرح ایک مختصر عرصہ کے لئے مسلمانوں کی جذباتی رو کے باعث علی گڑھ یونیورسٹی معطل رہی لیکن مجموعی طور علی گڑھ یونیورسٹی متحدہ قومیت اور ترک موالات کے سیلاب کی زد میں آنے سے محفوظ رہی اور ڈاکٹر محمد ضیاء الدین احمد ایک مردِ آہن کی طرح اپنے راست موقف پر ڈٹے رہے۔" [۲]

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ مذکورہ دور کے ہندو اور مسلم تعلیمی تناسب کا ذکر کر دیا جائے۔ سید سلیمان اشرف رقمطراز ہیں:

"ہندوستان میں جس قدر کالج یا اسکول سرکاری ہیں اگرچہ نام و تنخواہ کا اُن کا تعلق سرکار سے ہے لیکن دراصل اُن کا فیض ہندوؤں کے لئے مخصوص ہو گیا ہے، اختیارات وغیرہ کہیں بلاواسطہ اور کہیں بواسطہ چوں کہ ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں ہیں اس لئے تمتعات بھی اسی قوم کے حصے میں ہیں۔ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف تین کالج ہیں علی گڑھ، لاہور اور پشاور۔

اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس (۱۲۵) ہے تین مسلمانوں کے اور ایک سو بائیس (۱۲۲) ہندوؤں کے ان میں سے اگر سرکاری کالجوں کو جن کی تعداد کل چونتیس (۳۴) ہے الگ کر لیجئے جب بھی اٹھاسی (۸۸) کالج خاص ہندوؤں کے رہ جاتے ہیں ان میں بائیس (۲۲) کالج ایسے ہیں جس (جن) میں گورنمنٹ کی امداد قطعاً شامل نہیں اور چھیاسٹھ (۶۶) ایسے کالج ہیں جن

---

[۱] یہاں یہ بات سامنے رہنا چاہئے کہ پروفیسر انوار الحسن صاحب نے "خطباتِ عثمانی" میں جہاں شیخ الہند کے مذکورہ بالا فتوے کی ناکامی کا اقرار دبے لفظوں میں کیا ہے وہاں پروفیسر موصوف پر یہ حقیقت بھی آشکارا ہوئی جو اس وقت جمعیت العلماء ہند کے لیڈروں پر منکشف نہ ہو پائی تھی۔ چنانچہ پروفیسر صاحب خطبات کے صفی ۲۱، ۲۲ پر رقمطراز ہیں کہ

"مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کو بند کرنے اس کا بائیکاٹ کرنے کے لئے مولانا محمد علی جوہر نے زور لگایا، لیکن خدا بھلا کرے ڈاکٹر ضیاء الدین مرحوم کا کہ انہوں نے مسلم یونیورسٹی کو سنبھالے رکھا۔ بنارس یونیورسٹی جس کے کرتا دھرتا پنڈت مدن موہن مالوی (مالویہ) تھے انہوں نے کسی کو اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔ ان میں ہندو ذہنیت کام کر رہی تھی۔"

[۲] محمد علی چراغ۔ "اکابرینِ تحریکِ پاکستان"۔ سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ طبع اول ۱۹۹۰ء، ص ۳۶۱

میں گورنمنٹ کی امداد جاری ہے تین اور انھاسی کی نسبت ذرا (زرا) غور سے ملاحظہ کیجئے۔ پھر تعلیم کے ملیامیٹ کر دینے کا فیصلہ کیجئے۔ سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس ہزار چار سو سینتیس (۴۶۴۳۷) ہے جن میں سے مسلمان طلبہ چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں، ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہندو چوبیس (۲۴) کروڑ اور مسلمان سات کروڑ ہیں اس تناسب سے جب کہ مسلمانوں کے تین کالج تھے ہندوؤں کے بارہ ہوتے۔

مسلمان طلبہ کی تعداد کالجوں میں چار ہزار تھی۔ تو ہندو سولہ ہزار ہوتے لیکن جب کہ واقعہ نمونہ عبرت پیش کر رہا ہو تو سلسلہ تعلیم کو تہ و بالا کرنے میں کس کا نقصان ہے۔

جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں اُس قوم کا یہ ادّعا اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں اگر خبط و سودا نہیں تو اور کیا ہے۔" [۱]

"اشور" کے مصنف نے مندرجہ بالا اقتباسات میں اُس دور کے مسلمانانِ ہند کا تعلیمی میدان میں پس ماندگی کا نقشہ جن الفاظ میں کھینچا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمان جو خود تعلیمی لحاظ سے اس قدر پس ماندہ تھے تو ایسے میں انہیں تعلیم کی مشعل سے اپنے راستے کو منور کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟ لیکن علی گڑھ سے ناکامی کے بعد تحریک ترک موالات کے قائدین نے اب لاہور کا رخ کیا۔ یہاں نشانہ 'اسلامیہ کالج' تھا۔ پروفیسر محمد صدیق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ دور اسلامیہ کالج کی تاریخ کا نہایت نازک اور آزمائش کا دور تھا۔ کیونکہ اس تحریک کے پروگرام میں (جیسا کہ ابتدا میں ذکر آ چکا) نہ صرف انگریزی ملازمتوں سے علٰحدگی بلکہ یونیورسٹی سے ملحق تعلیمی درس گاہوں سے بھی مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا اور سرکاری امداد قبول نہ کرنا بھی اس کی ایک شق تھی۔

چنانچہ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور میں بصدارت مولانا عبدالقادر قصوری، صدر خلافت کمیٹی پنجاب ایک بہت بڑا جلسہ ہوا، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، گاندھی جی، سوامی ست دیو، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آغا صفدر، پنڈت رام بھجدت، لالہ دُونی

[۱] سلیمان اشرف، سید محمد۔ "اشور" مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۱۹۶-۱۹۷

چند، شریمتی سرلا دیوی، مولانا سید داؤد غزنوی، ڈاکٹر محمد عالم، ملک لعل خاں اور مولوی غلام محی الدین قصوری نے شرکت کی اور تحریک ترکِ موالات کے حق میں تقریریں کیں۔ انہوں نے اپنی تقریروں میں اس بات پر زور دیا کہ تمام طلبہ کو اسلامیہ کالج سے تعلق توڑ لینا چاہئے یا پھر کالج کو یونیورسٹی سے الحاق توڑ کر گورنمنٹ کی تیس ہزار روپیہ سالانہ گرانٹ سے دست کش ہو جانا چاہئے۔[1]

مذکورہ اجلاس میں جو تقاریر ہوئیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

سوامی ست دیو ایم-اے نے اپنی طویل تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا:

''پنجاب کے لوگو میں تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ ترکِ موالات کا کام پنجاب سے شروع کرو۔'' [2]

مولانا محمد علی جوہر نے اپنے پُر جوش خطاب میں کہا:

''...... کبھی وقت تھا کہ تم تعلیم کی طرف آتے بھی نہ تھے اور آج ایسے محبِ تعلیم بن رہے ہو کہ خدا اور رسول کو بھی اس کی خاطر قربان کرنے کو تیار ہو۔ یہ وہ شرک ہے جس کے بدلے میں تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' [3]

تقریر کے آخر میں مولانا نے یوں اپیل کی:

''ہم بیرسٹروں، وکیلوں، کونسل کے سورماؤں، کالج کے ٹرسٹیوں کو کہتے ہیں کہ وہ تمام اپنی اپنی مصروفیتیں چھوڑ دیں۔ مؤکلین، وکیلوں کو چھوڑ دیں۔ رائے دہندگان کونسلوں کے امیدواروں کو چھوڑ دیں، طلبہ کالج و سکول چھوڑ دیں۔'' [4]

مولانا ابوالکلام آزاد نے جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے، کہتا ہوں کہ ایک مسلمان پر حُبِّ وطن کے لحاظ سے،

---

[1] پروفیسر مولوی حاکم علی رحمہ اللہ۔ از پروفیسر محمد صدیق۔ مکتبہ رضویہ، لاہور۔ طبع اول ۱۹۸۳ء، ص ۹۷

[2] روزنامہ ''زمیندار'' لاہور، ۳۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۴، کالم ۱

[3] تحریکاتِ ملی۔ ''مجلۂ علم و آگہی'' (۱۹۸۲-۸۳ء) کراچی، گورنمنٹ نیشنل کالج، مشمولہ مضمون ''تعلیم اور ترکِ موالات'' از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری، ص ۳۷ بحوالہ تقاریر مولانا محمد علی، حصہ اول، میرٹھ، قومی دار الاشاعت، ۱۹۲۱ء، ص ۴۴

[4] روزنامہ ''زمیندار'' لاہور، ۳۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء۔ ص ۲، کالم ۴

مذہب کے اعتبار سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ ترک موالات کرے۔" ؎۱

گاندھی جی نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے کہا:

"آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے، جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں۔ مولانا (آزاد) نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجو۔" ؎۲

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ایک طویل تقریر کا اختتام ان الفاظ پر کیا:

"اسلامیہ کالج کے طلبہ سے میری یہ التجا ہے کہ اس وقت پنجاب کی عزت ان کے ہاتھ میں ہے۔ انھیں چاہئے کہ اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ اپنے حکام کالج سے کہہ دیں کہ یا (تو) اس کالج کو عدم تعاون کے ماتحت یونیورسٹی سے الگ کر لیجئے اور سرکاری امداد بند کر دیجئے یا ہم کالج چھوڑے دیتے ہیں۔ کالج کو سرکاری نہیں قومی بناؤ۔" ؎۳

پنڈت رام بھجدت نے بھی اس جلسہ سے خطاب کیا اور کہا:

"اسلامیہ کالج والو! اگر آج تمہارے کوئی راہنما تمہارے سرگروہ ہو کر تلوار چلاتے اور جہاد کرتے تو کیا تم مسٹر ہنری مارٹن پرنسپل کے پاس سبق لینے جاتے۔" ؎۴

ان کے علاوہ مولوی غلام محی الدین، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالقادر، بھائی سنت سنگھ اور سردار جسونت سنگھ نے بھی حاضرین جلسہ سے خطاب کیا اور اسلامیہ کالج پر زور دیا کہ وہ تحریک ترک موالات کی حمایت کرے۔

اسلامیہ کالج کے طلبہ نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور مطالبہ کیا کہ یونیورسٹی سے کالج کا الحاق ختم کر دیا جائے اور گورنمنٹ سے ملنے والی سالانہ تیس ہزار روپے کی گرانٹ بند کر دی جائے۔ ہنگامے ہوئے اور کالج بند کر دیا گیا۔ اس زمانہ میں نواب ذوالفقار علی خاں، انجمن حمایت اسلام کے صدر تھے۔ کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن نے سول اینڈ ملٹری گزٹ کی اشاعت مورخہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ایک مراسلہ شائع کروایا اور اس میں کہا کہ "طلبہ سیاسی شورش پسند عناصر کے

؎۱ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، کالم ۲

؎۲ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳، کالم ۱

؎۳ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳، کالم ۳

؎۴ روزنامہ "زمیندار" لاہور ۲۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، کالم ۱

زیرِ اثر اس ہنگامے اور ہیجان میں حصہ لے رہے ہیں۔ اگر شورش پسند ایسا نہ کریں تو ہمارا کالج ان ہنگاموں سے محفوظ رہے۔"[1] پرنسپل کے اس بیان کے ساتھ ہی پروفیسر مولوی حاکم علی بی۔اے نے ایک اہم فتویٰ دیا کہ

"میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے۔"

روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور) نے مورخہ ۲ رنومبر ۱۹۲۰ء کو "ترک موالات فتوے جواز الحاق اسلامیہ کالج بہ یونیورسٹی وحصول امداد و سرکار!" کے عنوان سے اسے نمایاں طور پر شائع کیا۔

مذکورہ کشمکش میں کالج دس روز کے لئے بند رہا۔ کالج کے اربابِ حل وعقد، جو نہ صرف یونیورسٹی سے الحاق کے خواہاں تھے بلکہ سرکاری امداد بھی وصول کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اس حساس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے، نیز اس خیال سے کہ مسلمان طلبہ کا تعلیمی زیاں نہ ہو، انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل (جس کے جنرل سیکریٹری اس وقت علامہ اقبال تھے) نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علما سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور اعلاءِ کلمۃ الحق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب، پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور (جو ۱۸۹۸ء تا ۱۹۰۴ء کالج کے پرنسپل بھی رہ چکے تھے) کے سپرد کیا گیا، انہوں نے مندرجہ ذیل فتویٰ ترتیب دیا جو ۲۵ راکتوبر کو امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی خدمت میں ارسال کیا جس میں یہ سوال کیا گیا کہ

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود ونصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردستی تولّی کے معنی 'معاملت' اور 'ترکِ موالات' کو ترکِ معاملت "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک

---

[1] روزنامہ "زمیندار" لاہور، ۱۲رنومبر ۱۹۲۰ء، ص ۲، کالم ۱

[2] تحریکِ ترکِ موالات کے لیڈروں کے برعکس جن حضرات نے مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی پس ماندگی کے پیشِ نظر اپنی دردمندی، دلسوزی، علمی اور دینی لیاقت اور سیاسی بصیرت سے اسلامیہ کالج لاہور کو بچانے میں کردار ادا کیا ان میں پروفیسر مولوی حاکم علی (۱۸۶۹ء-۱۹۲۵ء) کا نام نمایاں ہے۔ حال ہی میں "اسلامیہ کالج لاہور کی صد سالہ تاریخ" کی دوسری جلد شائع ہوئی ہے، جس میں "اسلامیہ کالج تحریکِ ترکِ موالات کی زد میں" کے زیرِ عنوان (صفحہ ۵۷ تا ۱۰۱) جو کچھ لکھا گیا ہے وہ سب یک طرفہ ہے، دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے پسندیدہ افراد کو ہیرو بنا کر پیش کرنے کے بجائے پروفیسر مولوی حاکم علی کے کارنامہ پر مناسب خراجِ تحسین پیش کیا جاتا۔ (ظہور)

کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر اطلاق یہ کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جاوے (جائے) تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو۔ لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہو گیا۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے، یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جس کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے، جو کہ معاملت کے معنی ہیں۔ مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہے ہیں (رہا ہے)۔ مذکور، مولوی محمود الحسن صاحب (اصلی نام محمود حسن ہے)، مولوی عبدالحی صاحب تو دیوبندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوے اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہٰذا میں فتوے دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔ میرے فتوے کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً مؤید ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قادری صاحب بریلوی علاقہ روہیلکھنڈ اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی و شمالی۔''[1]

اس فتویٰ کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تصدیق و تصحیح کے لئے روانہ کیا:

''... مؤید ملت طاہرہ مولانا و بالفضل اولنا جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب دام ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشت ہٰذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لیے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے (ممکن ہو) یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں۔ انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا

---

[1] احمد رضا خاں، امام۔ المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ)، شائع کردہ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی۔ بار اول ۱۹۲۰ء، ص ۲

مسلمانو! غور سے پڑھو اور اوراق غور و انصاف سے دیکھو کہ یہ تحریک تمہارا ایمان جو بیچتی ہے

بحمدہ تعالےٰ

حالات دائرہ پر دو ضروری فتوے

پہلا فتوےٰ دربارۂ معاملت جو دکھ سوائے مرتد ہر کافر سے جائز ہے

دوسرا فتوےٰ مسمےٰ بنام تاریخی

المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ۱۳۳۹ھ

جس میں دونوں آیہ کریمہ سورۂ ممتحنہ کا نہایت تفصیل جلیل بیان اور اس فتوے کے سوا کہیں نہ ملیگا اور اس بارے میں ائمہ حنفیہ کا مسلک اور یہ کہ موالات مطلقاً ہر کافر سے حرام ہے اور یہ کہ وداد و اتحاد ہنود جو [illegible] اور ان سے استعانت اور انھیں معاہد و حلیف بنانا اور ان کو مساجد میں لیجانا خصوصاً واعظ بنا کر سب حرام قطعی ہیں مسئلہ استعانت کی وہ تحقیق جلیل کہ اسی فتوے کا خاصہ ہے تحریک ترک تعاون و آہنا و مدارس پر اجمالی کلام بحث

ازافادات

مجدد مأتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت عظیم البرکۃ امام اہلسنت متع اللہ المسلمین بطول بقائہم

(باہتمام مولوی حسنین رضا خاں کمال)

مطبع حسنی بریلی میں چھپا اور جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ آنولہ نے صرف کثیر سے شائع کیا

بار اول ... مجلد

قیمت ۲/

سرورق: رسالہ المحجۃ المؤتمنۃ مصنفہ امام احمد رضا مطبوعہ بریلی [illegible]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ مرسلہ مولوی حاکم علی صاحب بی۔ اے حنفی نقشبندی مجددی پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ

اللہ تعالےٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کیساتھ توَلّی سے منع فرمایا ہے مگر ابو الکلام زبردستی تولّی کے معنی معاملت اور ترک موالات کو ترک معاملت "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالےٰ کے کلام پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے مذکور نے ۲۰۔ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کیٹی میں تشریف لاکر اطلاق یہ کر دیا کہ جبتک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کیجائے اور یونیورسٹی سے اسکا قطع الحاق نہ کیا جاوے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوی دیدیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو لہٰذا اسطرح سے کالج میں ایک بےچینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہو گیا علامہ مذکور کا یہ فتوےٰ غلط ہے یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جسکے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے جو کہ معاملت کے معنی ہیں مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہے ہیں مذکور مولوی محمود الحسن صاحب۔ مولوی عبد الحی صاحب تو دیوبندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوے اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے میرے فتوےٰ کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً مجدد ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قادری صاحب بریلوی علاقہ روہیلکھنڈ۔ اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی و شمالی۔

رسالہ المحجۃ المؤتمنہ ۱۳۳۹ھ صفحہ ۲ (مولوی حاکم علی کے تاریخی مرسلہ کا متن)

اجلاس بروز اتوار بتاریخ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۰ء کو منعقد ہونا ہے۔ اُس میں یہ پیش کرنا ہے (کہ) دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے، ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روزحا (روڑا) اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔ للہ عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں اور عنداللہ ماجور ہودیں (ہوں)۔"

نیاز مند دعا گوے
حاکم علی، بی۔ اے، موتی بازار لاہور
۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۰ء" [1]

امام احمد رضا نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ نیز آپ نے مستند دینی حوالوں سے فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے اسلامیہ کالج میں تعلیم جاری رکھیں اور سرکاری ملازمتیں بھی کرتے رہیں، اس فتویٰ کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا۔ مولانا احمد رضا کے فتویٰ سے یہ عظیم درس گاہ اغیار کے دست بُرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی اور سرکاری ملازمتوں پر مامور مسلمان بے روزگار ہونے سے محفوظ رہے اور مسلمانوں کے تعلیمی ادارے تباہ ہونے سے بچ گئے۔ بعد میں مسلم یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج کے نونہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ کیونکہ بقول محمد علی چراغ ...... "ڈاکٹر ضیاء الدین احمد نے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی قیادت میں قائداعظم کے موقف کی تائید کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی کو ندوۃ العلماء، دیوبند اور جامعہ ملیہ کی طرح متحدہ قومیت کی سازش سے بچا کر مسلم لیگ اور قائداعظم کی حمایت کے لئے یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کا رجحان جداگانہ مسلم قومیت (دوقومی نظریہ) کی طرف کرکے تحریکِ پاکستان پر مرکوز کیا۔" [2]

مسئلۂ تعلیم کے بعد مسئلۂ ہجرت پر اظہارِ خیال سے پہلے ہم اس امر کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں کہ بعض قلم کار تحریک ترکِ موالات کے مضر اثرات پر کھل کر کچھ کہنے سے کتراتے ہیں۔ شاید ان کے پیشِ نظر، یہ مصلحت رہتی ہو کہ کچھ "بڑے لوگ" اس تحریک کی حمایت کی غلطی میں

---

[1] المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ۔ از امام احمد رضا، مطبوعہ مطبع حسنی بریلی ۱۹۲۰ء، ص ۲
[2] اکابرین تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۶۱، ۶۲، ۶۳

نمایاں نظر آتے ہیں۔

تحریک خلافت اور ہندو کانگریس میں بیک وقت شامل رکن رکین، چودھری خلیق الزماں مرحوم (۱۸۸۹ء-۱۹۷۳ء) نے اپنی ضخیم تصنیف "شاہراہ پاکستان" میں ان کوششوں کا ذکر تو کہیں نہیں کیا، جن سے مسلم قومیت کو فروغ ملا (جس کا ذکر اوپر آچکا) البتہ فاضل مصنف نے خاص سوچ کے زیراثر جہاں حامیان دین متین کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا ہے وہیں تحریکِ خلافت کے خاتمہ کے دس بارہ برس بعد (یعنی ۳۲-۱۹۳۱ء) تک کے عرصہ کو انہوں نے بھیانک دور سے تشبیہ دیتے ہوئے اس دوران میں کسی تنظیم کی بصیرت تلاش کرنے کو "بے معنی" قرار دیا ہے۔ ایسا بودا استدلال کم از کم ایک وقائع نویس کو زیب نہیں دیتا۔

ظاہر ہے ایسی تحریروں سے عام قاری کوئی واضح نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا اور نہ ہی کما حقہ، ان مساعی سے باخبر ہو سکتا ہے جن کی بدولت اس پرفتن دور میں مسٹر گاندھی اور ان کے رفقاء کی فریب کاری سے مسلمانان ہند کو آگاہی ہوئی اور بعد ازاں یہی شعور تحریک پاکستان کے جذبہ صادقہ میں ڈھل کر نتیجہ خیز بنا۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ بعض وقائع نگار محض ذاتی وجوہ کی بنا پر تاریخ (تحریکِ خلافت و ترک موالات کے اس پُر آشوب دور) کو صحیح رنگ میں پیش نہیں کرتے۔ چنانچہ سید سلیمان ندوی (۱۸۸۴ء-۱۹۵۳ء) نے "یادِ رفتگاں" میں مولانا سید سلیمان اشرف کی تصانیف شمار کراتے وقت عمداً "النور" اور "الرشاد" کا ذکر تک نہیں کیا[1] ہے کیونکہ مولانا ندوی مرحوم کا تب اپنا رجحان غالباً ان تحریکوں کی جانب تھا۔ ندوہ کے فاضل بزرگ محمد فضل قدیر ظفر ندوی (۱۸۹۸ء-۱۹۸۱ء) جو خود بھی مذکورہ تحریکوں میں شامل رہے ہیں، نے اپنے ایک انٹرویو میں جہاں مسلمانوں کی جانب سے ترک موالات کے دوران گاندھی جی کو دیے جانے والے متعدد خطاب والقاب کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مدرسہ دیوبند کی طرح ندوہ (اس وقت اگرچہ سید سلیمان ندوی ندوۃ العلماء کے ناظم تھے) نے بھی گاندھی گردی روکنے اور اس پُر آشوب دور میں ملّی تشخص اجاگر کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ چنانچہ ظفر ندوی مرحوم نے مذکورہ انٹرویو میں تحریک کے دنوں میں دارالعلوم (ندوۃ العلماء لکھنؤ) میں مسٹر گاندھی کی آمد کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ترک موالات کے زمانہ میں "عوام کا بھولا پن تو تھا ہی، لیکن تعجب ہے کہ خواص، جو اندر سے باہر سے قطعی مجسم کھدر بن

---

[1] دیکھئے سلیمان ندوی، سید: "یادِ رفتگاں" مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۱۹۱

گئے، وہ بھی قومی تشخص سے تہی دامن ہو گئے۔" الخ[1]

بہر کیف مسئلۂ ترک موالات کی ماہیت سمجھنے اور تحریک کے اس باب پر کام کرنے والوں کے لئے پیش نظر کتاب کے علاوہ تاریخی رسالہ الحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ (۱۳۳۹ھ) کا مطالعہ لازمی ہے۔ یہ پورا رسالہ محقق سیّد رئیس احمد جعفری ندوی نے اپنی کتاب "اوراق گم گشتہ" مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء میں شامل کر دیا ہے۔

مسئلۂ ہجرت

سنہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستانی مسلمانوں کی ہجرت افغانستان کے حوالہ سے پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل نے اپنے مضمون (تحریک ہجرت) میں لکھا ہے کہ

"ہندوستان میں اسلام کے محفوظ رہنے یا نہ رہنے کا مسئلہ ہمیشہ علماء کے پیش نظر اس وقت سے اہمیت کا حامل رہا ہے جب سے کہ شاہ عبدالعزیز (۱۷۴۶ء-۱۸۲۳ء) نے انگریزوں کے ماتحت ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں اپنا مشہور فتویٰ جاری کیا تھا۔ ان کے خیال میں جب کافر کسی اسلامی ملک پر قابض ہو جائیں اور اس ملک کے مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہے کہ وہ ان کو اس سے باہر نکال سکیں یا ان کو باہر نکالنے کی کوئی امید نہ رہے اور کافروں کی طاقت میں یہاں تک اضافہ ہو جائے کہ وہ اپنی مرضی سے اسلامی قوانین کو جائز یا ناجائز قرار دیں اور کوئی انسان اتنا طاقتور نہ ہو جو کافروں کی مرضی کے بغیر ملک کی مال گزاری پر قبضہ کر سکے اور مسلمان باشندے اس امن و امان سے زندگی بسر نہ کر سکیں جیسا کہ وہ پہلے کرتے تھے تو یہ ملک سیاسی اعتبار سے دارالحرب ہو جائے گا ...... یہ اس دور کے حالات میں ایک عالمانہ نقطۂ نظر تھا جس نے ان لوگوں کے شعور کو بیدار کیا تھا جو غیر اسلامی قوانین کو رائج کرنے والے غیر

---

[1] انٹرویو، فضل قدیر ظفر ندوی مجھ۔ از مقبول جہانگیر، مشمولہ ماہنامہ "سیارہ ڈائجسٹ" لاہور، نومبر ۱۹۷۷ء

نوٹ: محولہ انٹرویو میں فضل قدیر ندوی نے جمعیۃ العلماء ہند کے جلسۂ عام بتاریخ ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ/۲۲ مارچ ۱۹۲۱ء منعقدہ بریلی کا ذکر کیا ہے جو ابوالکلام آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں پروفیسر سید سلیمان اشرف نے ابوالکلام آزاد سے مسئلہ ترک موالات، ذبیحہ گاؤ پر پابندی اور کانگریس سے الحاق و اتحاد کے موضوع پر کھل کر اپنے موقف کا اظہار فرمایا۔ اجلاس کی کارروائی اور سید صاحب کی جلسۂ عام میں کی جانے والی تقریر کا متن اسی دور میں "روداد مناظرہ" کے نام سے قادری پریس بریلی میں چھپ کر جماعت رضائے مصطفےٰ کی جانب سے شائع ہو گیا تھا، یہ اہم دستاویز ۱۹۸۰ء اور ۱۹۹۶ء میں مکتبۂ رضویہ لاہور نے "ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست" کے عنوان سے شائع کر دی۔ (ظہور)

مسلموں کے ماتحت رہنے پر مجبور کر دیئے گئے تھے۔" [1]

یہاں اس بات کا بھی دھیان رہے کہ جس کی جانب ڈاکٹر عقیل صاحب نے (بحوالہ مضمون میں) آگے چل کر قارئین کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ جیسا کہ موصوف لکھتے ہیں:

"انگریزی عہد میں ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے کا مسئلہ[2] علماء میں اختلاف رائے کا مظہر رہا ہے۔ دارالحرب کے مسئلہ کا حل زیادہ تر جہاد یا ہجرت میں تلاش کیا گیا ہے...... شاہ عبدالعزیز نے اگر انگریزوں کے ماتحت ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں اپنا فیصلہ دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندو مرہٹوں کے ماتحت ہندوستان کو دارالاسلام ہی کی حیثیت حاصل تھی۔" [3]

ہندوستانی مسلمانوں نے ۱۹۲۰ء میں ہجرت کی تحریک عین اس وقت شروع کی جب تحریکِ خلافت اپنے عروج پر تھی۔ یہ تحریک ان کے شدید جذباتی ہیجان کا نتیجہ تھی اور اس کے پس پشت یہ احساس موجزن تھا کہ برطانیہ کے ماتحت ہندوستان میں اسلام محفوظ نہیں ہے۔ چنانچہ اس جذباتی کیفیت کے پیش نظر بعض مسلمان علما کے ساتھ ہندوؤں نے بھی یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہندوستان چونکہ ایک طرح کے دارالحرب کا درجہ اختیار کر چکا (حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں تھا) ہے، اس لئے موجودہ حالات میں مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ انہیں اب ہندوستان چھوڑ کر اسلامی ملک افغانستان چلے جانا چاہئے۔ اس ضمن میں علما نے فتوے جاری کئے۔ تحریکِ ترک موالات کے

---

[1] تحریکات ملی، مجلہ علم و آگہی، کراچی (۸۳-۱۹۸۲ء) مرتبین ابو سلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر۔ انصار زاہد، پروفیسر ڈاکٹر۔ فصیح الدین، ڈاکٹر مشمولہ مضمون بعنوان "تحریک ہجرت" از معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ ص ۱۹۸ و ۱۹۹

[2] "بعض علمائے محققین کی اس میں یہ تحقیق ہے کہ ہندوستان من کل الوجوہ نہ دارالحرب ہے نہ دارالاسلام بلکہ بین بین ہے۔۔۔" (اشرف علی تھانوی، مولانا۔ "تحذیر الاخوان عن الربوا فی الہندوستان"۔ اشرف المطابع تھانہ بھون، سنہ ندارد، حاشیہ ص ۹) و نیز شیخ الہند محمود حسن صاحب سے مسٹر برن نامی ایک انگریز نے ہندوستان کی نسبت دریافت کیا "کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ مولانا نے فرمایا کہ علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ مولانا نے فرمایا میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں، اس نے تعجب سے کہا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے، اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں۔ ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے۔" (مدنی، مولوی حسین احمد۔ "سفرنامہ شیخ الہند"، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ، لاہور سنہ ۱۹۷۳ء، ص ۱۲۶)

[3] "تحریکات ملی، تحریکات کے آئینے میں مسلمانان پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کی سرگزشت"۔ مجلہ علم و آگہی کراچی (خصوصی شمارہ ۸۳-۱۹۸۲ء) ص ۱۹۹-۲۰۰، بحوالہ معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ مضمون "تحریک ہجرت"

کارکن جناب ظہیر الاسلام فاروقی اپنی تصنیف "مقصدِ پاکستان" میں تحریک ہجرت کے باب میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک دینی، سیاسی تحریک تھی جو تحریک عدم تعاون یا تحریک ترک موالات ہی کی ایک شاخ تھی، فاروقی صاحب نے مسئلۂ ہجرت کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے "مشہور و معروف فتوی" کا متن بھی نقل کیا ہے جو درج ذیل ہے:

"تمام دلائل شرعیہ، حالات حاضرہ، مصالح اُمت اور مقتضیات پر نظر ڈالنے کے بعد میں پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمانانِ ہند کے لئے بجز ہجرت اور کوئی چارۂ شرعی نہیں۔ اُن تمام مسلمانوں کے لئے جو (اس وقت) ہندوستان میں سب سے زیادہ (بڑا) اسلامی عمل انجام دینا چاہیں ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔ اور جو لوگ یکایک ہجرت نہیں کر سکتے وہ مستعد مہاجرین کی خدمت و اعانت اس طرح انجام دیں گویا وہ خود ہجرت کر رہے ہیں۔ یعنی اصل عمل جواب (شرعاً) درپیش ہے، ہجرت ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں۔" [1]

مزید لکھتے ہیں:

"اس قسم کا فتوی مولانا عبدالباری فرنگی محل کی طرف سے بھی شائع ہوا اور علی برادران نے پورے جوش و خروش سے اس کی تائید کی۔" [2]

مسٹر ایم۔ کے گاندھی، جو تحریک خلافت کے آغاز ہی میں اس میں شامل ہو گئے تھے، تحریک ہجرت کے حامی تھے اور انہوں نے کبھی منظرِ عام پر اس کی مخالفت نہیں کی۔ ہندوؤں کے لئے ترکِ موالات کی طرح تحریکِ ہجرت مفید اور سیاسی طور پر اہم تھی، لیکن مسلمانوں کے لئے نہایت

---

[1] ظہیر الاسلام فاروقی۔ "مقصدِ پاکستان" مجلس اخوۃ اسلامیہ پاکستان، لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۹ بحوالہ مہر، غلام رسول۔ "تبرکاتِ آزاد" ص ۲۰۳-۲۰۴

[2] ظہیر الاسلام فاروقی۔ "مقصدِ پاکستان" لاہور، طبع اوّل ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۹ بحوالہ خلیق الزماں، چودھری۔ "ٹو نیشن تھیوری" ص ۵۶۸

[3] "بعض مصنفین، جیسے راجپوت، اے بی "Muslim League, Yesterday and to day." (لاہور، ۱۹۴۸ء) ص ۳۲ اور برگس، ایف ایس (Briggs, "The Indian hijrat of 1920." F.S.) مشمولہ "The muslim world." اپریل ۱۹۳۰ء ص ۱۶۴، یہ سمجھتے تھے کہ تحریک ہجرت کے محرک دراصل مسٹر گاندھی تھے۔ "اس تحریک میں گاندھی صاحب نے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھونکی تھی۔ اگر مسلمان جا کر واپس نہ آتے تو کم از کم اتنا فائدہ تو ہوتا کہ ان کی آبادی کم ہو جاتی۔" مولوی فیروز الدین "داستانِ پاکستان" (لاہور، ۱۹۴۵ء) ص ۳۰۰" بحوالہ تحریکات ملی۔ مجلۂ علم و آگہی، کراچی (۱۹۸۲-۸۳ء) مشمولہ ڈاکٹر معین الدین عقیل بعنوان "تحریکِ ہجرت" حاشیہ ص ۲۱۸

مضر تھی، کیونکہ اس تحریک کی اسلامی جذباتی تاویل کے باعث سادہ لوگ مسلمان ہجرت کر کے افغانستان جانے لگے۔ ایسے مسلمان مہاجرین نے اونے پونے اپنی املاک ہندو بنیوں کے ہاتھ فروخت کیں اور وہ دشوار گزار راہوں سے ہوتے ہوئے افغانستان پہنچنے لگے۔ کئی مسلمان اپنی نوکریاں، ملازمتیں اور کاروبار بھی چھوڑ گئے، جن پر بالآخر ہندو قوم قابض ہوگئی۔ تحریکِ ہجرت، جسے اپنے حالات کے تقاضوں میں بہرحال ناکام ہونا تھا، صرف چند ماہ کے عرصہ میں اپنے اختتام کو پہنچ گئی۔ چنانچہ روزنامہ پیسہ اخبار (لاہور مورخہ ۱۸؍اپریل ۱۹۲۱ء) نے "معاملہ ہجرت میں صریح ناکامی" کے عنوان سے اداریہ میں لکھا، جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"خلافت کمیٹی کے علم برداروں نے سب سے پہلے ہجرت کا ڈنکہ بجایا۔ ہزاروں سادہ لوح لیکن ایمان کے پکے مسلمانوں نے اپنی جائیدادیں (جائدادیں) فروخت کیں، عورتوں کو طلاق دیئے (دیں)، چھوٹے چھوٹے بال بچوں کو بلکتا چھوڑا، بہتوں کی جانیں پشاور اور کابل کے (کی) سڑک پر تلف ہوگئیں[1]۔ بعض منزل مقصود پر پہنچ کر جاں بحق ہوئے۔ بعض واپسی پر راہ میں تباہ ہوئے۔ اکثر کا روپیہ پیسہ لوٹا گیا، جو بچ کر واپس آئے ان میں سے اکثر گداگری کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طرح خلافت کمیٹی نے ہزاروں کلمہ گو مسلمانوں کی شہادت اور بربادی کا ثواب وصول کیا۔

لیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے"

پروفیسر سید سلیمان اشرف نے بھی پیش نظر کتاب میں "علمائے سیاسی کا ہجرت کے متعلق جاہ کن فتویٰ" کے زیرعنوان انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقم کیا:

"ایک نفیر عام ہجرت کی پکار دی گئی اس بانگ بے ہنگام نے سرحدی علاقے اور خطۂ سندھ میں بہت زیادہ اثر کیا، ہزاروں گھر تباہ ہو گئے، ہزاروں عورتیں بے

---

[1] "ان میں سے ایک خاصی تعداد راستہ ہی میں مختلف امراض اور دیگر وجوہات کے نتیجہ میں جاں بحق بھی ہوئی۔ صوبۂ سرحد سے کابل تک جانے والے راستہ کے اطراف مہاجرین کی قبریں بن گئی تھیں — "The Times" ۳۰ رنومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ ایضاً۔ ایک عینی شاہد کے مطابق درۂ خیبر قبروں سے اٹا پڑا تھا — رشبروک ولیم، تصنیف مذکور، ص ۱۹" (بحوالہ ابوسلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر و دیگر (مرتبین) تحریکات ملی۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کی ۸۳-۱۹۸۲ء کی خصوصی اشاعت (مقالہ "تحریک ہجرت" از ڈاکٹر معین الدین عقیل) ص ۲۳۶ و حاشیہ ص ایضاً

سرپرست رہ گئیں، ہزاروں بچے سایۂ پدری سے محروم کر دیئے گئے، گاؤں کے گاؤں مسلمانوں نے آگ لگا کر خاکستر کر دیئے لاکھوں کی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں کے ہاتھوں بیچ دی گئیں۔ تقریباً ایک لاکھ مسلمان اپنے دیار و وطن املاک و جائداد سے دست بردار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔" [۲]

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے سیّد صاحب فرماتے ہیں:

"جہاد اور ہجرت ان دونوں اہم و اعظم مسئلوں کو جس طرح اس دور کے علماءِ سیاسی نے تباہ کیا ہے، تاریخ اسلام اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، مسلمانانِ ہند کا جو نقصان اس مدلّس و کاذب فتوے نویسی سے ہوا دیکھئے اُس کی اصلاح کیوں کر ہوتی ہے اور کتنا زمانہ چاہتی ہے۔" [۳]

مندرجہ بالا اقتباس میں پروفیسر سید سلیمان اشرف مرحوم نے جہاں مذکورہ ہولناک صورت حال کی جانب توجہ مبذول کروائی تھی وہاں ڈاکٹر معین الدین عقیل صاحب نے تحریکِ ہجرت میں مسلمانوں کی ہجرتِ افغانستان کے اثرات کے بارے میں لکھا کہ "اس تحریک کے داعیوں نے غیر شعوری طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو مزید ابتلا میں ڈال دیا۔ اس تحریک سے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد متاثر ہوئی۔" [۴]

مذکورہ بالا خطرات کے پیش نظر اور برِعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے کے لئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے اسلامیانِ ہند کو بروقت آگاہ کیا۔ جناب محمد علی چراغ لکھتے ہیں۔ "اس نازک صورتِ حال میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مسلمانوں کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور انہیں صحیح اسلامی نقطۂ نظر سے کسی ملک کے دارالحرب ہونے کے بارے میں وقیع اور اہم معلومات فراہم کیں۔" "ان کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق تھا۔ انہوں

---

[۱] تاریخ کی بعض کتب میں افغانستان ہجرت کرنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) رقم ہے جو درست نہیں۔ ضیاء الدین احمد برنی "حیاتِ مولانا محمد علی جوہر" مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ کراچی (صفحہ ۱۸۸) میں لکھتے ہیں۔ "صحیح تعداد ہجرت کرنے والوں کی معلوم نہیں ہو سکی لیکن ۵۰ ہزار اور ۱۲ لاکھ کے درمیان ضرور تھی۔ اس پر علٰحدہ باب میں بحث کی گئی ہے"

[۲] محمد سلیمان اشرف، پروفیسر۔ "النور" مطبوعہ مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۴۳

[۳] محمد سلیمان اشرف، پروفیسر۔ "النور" علی گڑھ۔ اشاعت اول ۱۹۲۱ء، ص ۴۵

[۴] ابوسلمان شاہجہانپوری، ڈاکٹر... (مرتبین) تحریکاتِ ملی۔ گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی کے مجلہ "علم و آگہی" کا ۱۹۸۲-۸۳ء کا خصوصی شمارہ (مقالہ "تحریکِ ہجرت" از ڈاکٹر معین الدین عقیل) ص ۳۳۵

نے ایک ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کی تھی۔"مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مسلمانوں کے اس حق سے دستبردار ہونے کے حق میں نہیں تھے۔اپنے اس موقف کی تائید کے لئے مولانا احمد رضا خاں نے ایک رسالہ "اعلام الاعلام" (اعلام الاعلام بانّ ہندوستان دارالاسلام:۱۳۰۶ھ) بھی لکھا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ ہندوستان "دارالحرب" نہیں ہے بلکہ "دارالسلام" (دارالاسلام) کا درجہ رکھتا ہے۔اس رسالہ کی جو روح ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو غاصبانہ سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتے تھے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کے لئے کوشش کریں۔ملک کو دراصل دارالحرب قرار دے کر ترکِ موالات (ترکِ وطن) کر جانا ایک طرح کا کمزور احتجاجی عمل تھا اور اس طرح ترکِ موالات کر جانے سے مسلمان عملاً اپنے حق سے دست بردار ہو جاتے تھے۔ایسی صورتِ احوال ہندو لیڈروں اور کانگرس کے لئے زیادہ سودمند تھی۔وہ اس طرح حکمران انگریزوں سے کسی طرح کی سودے بازی کر سکتے تھے۔"[1]

پیش نظر کتاب "النور" کے مطالعہ سے یقیناً اس دور کی تمام تحریکوں..... خلافت و ترکِ موالات اور ہجرت کا خاکہ سامنے آ جاتا ہے۔ان تحاریک پر بہت کم لکھا گیا ہے۔خصوصاً ہجرتِ افغانستان کے حوالہ سے تاریخ کی عام کتب میں چند سطور ہی ملتی ہیں۔تاہم ۱۹۸۶ء میں "تحریکِ ہجرت (۱۹۲۰ء) ایک تاریخ-ایک تجزیہ" شرح وبسط کے ساتھ اغلباً پہلی کتاب شائع ہوئی جو جناب راجا رشید محمود کی تالیف ہے، جس کے مطالعہ سے جہاں ہجرت کے مقدس نام پر ترکِ وطن کی ترغیب دینے والے سارے کردار سامنے آ جاتے ہیں وہاں ان تحریکوں پر جذبات کی شدت اور مذہبی غلو نے جو پردے اب تک ڈال رکھے تھے، بھی سرکتے دکھائی دیتے ہیں۔آج کا بیدار مورخ تو یقیناً جادۂ مستقیم پر گامزن رہنے والی بلند پایہ ہستیوں کو خراج عقیدت پیش کرے گا اور ان کوششوں کی تحسین کرے گا، جن کی بدولت مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اسلام کو ہند بدر کرنے کی سازشیں ناکام ہوئیں۔پروفیسر محمد اسلم، سابق صدر شعبۂ تاریخ پنجاب یونیورسٹی، لاہور لکھتے ہیں:

> "تحریکِ ہجرت کے دوران میں ہجرت کا فتویٰ بڑا نامعقول تھا۔ہندو تو یہی چاہتے تھے کہ مسلمان اس ملک کو ہندوؤں کے حوالے کر کے عرب چلے جائیں۔میں سچا پکا دیوبندی ہونے کے باوجود کھلے دل کے ساتھ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس موقع پر مولانا احمد رضا خاں نے بڑی سمجھ بوجھ کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو ہجرت اور عدم تعاون سے باز رکھا۔انہوں نے حاکم علی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور

---

[1] محمد علی چراغ۔اکابرینِ تحریکِ پاکستان۔سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء ص ۲۹۰-۲۹۱

کے استفسار پر بڑے واشگاف الفاظ میں ان کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ

ترکِ موالات اور عدم تعاون کے باوجود انگریزوں سے مدارس کے لئے سرکاری گرانٹ لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ انگریز یہ رقم انگلستان سے لا کر ہمارے سکولوں اور کالجوں کو نہیں دیتے۔ بلکہ ہم سے ہی وصول کردہ ٹیکسوں میں سے گرانٹ دیتے ہیں لہٰذا یہ ہماری ہی رقم ہے، جو ہمیں دی جا رہی ہے۔ یہ ان کا ہم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ یہ ہمارا حق ہے جو ہمیں مل رہا ہے۔" [1]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی طرح قائداعظم نے بھی مذکورہ تحریکوں کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ میاں عبدالرشید نے جو غیر جانبدار مورخ ہیں (روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۸ رمئی ۱۹۷۵ء میں) "برطانوی دور میں برعظیم پاک و بھارت کی مسلم سیاست" کے زیر عنوان تبصرہ کرتے ہوئے علمائے اہلسنت کی دوراندیشی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"...... قائداعظم کی طرح انہوں نے بھی ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت کی مخالفت کی۔ یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا۔ ہم کیوں یہاں سے ہجرت [2] کریں"۔ ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا۔ تحریک ترکِ موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو

---

[1] محمد اسلم، پروفیسر۔ "تحریک پاکستان"۔ ریاض برادرز، لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۹۵ء، ص ۲۰۵-۲۰۶

[2] اس سلسلہ میں عصر حاضر سے مثالیں دی جا سکتی ہیں کہ دارالحرب کا تصور کس قدر غیر اسلامی اور سیاسی بصیرت سے عاری تھا۔ فلسطین پر صیہونیوں کے قبضہ کے بعد فلسطینیوں سے ان کے گھربار بھی چھینے گئے اور فلسطین سے انہیں دھکیلا گیا، لیکن انہوں نے ہجرت کا سہارا لینے کی بجائے بندوق بدست ہو کر فلسطین کی مقدس زمین کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد جاری کر رکھی ہے۔

افغانستان پر جس طرح امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جارحیت کر کے افغانیوں کو مقہور و مجبور کر کے غلام بنانے کی کوشش کی ہے مگر انہوں نے ہجرت کرنے کی بجائے جہاد کا رستہ اختیار کیا ہے۔ اور اب ہمارے سامنے مقدس عراق کی مثال ہے کہ جس بہیمیت اور جارحیت سے سرزمین عراق پر قبضہ کیا گیا اور جس قدر ان کی تذلیل ہو سکتی تھی وہ بھی کی جا رہی ہے، لیکن انہوں نے ہجرت کر کے، ترکِ موالات کرنے کی بجائے جہاد اور فدائین کا رستہ اختیار کیا ہے اور نتیجہ ظاہر ہے کہ ویت نام سے امریکہ کو فرار اختیار کرنے کے لئے راستہ مل گیا تھا، مگر عراق کی سرزمین سے ہزیمت کے ساتھ بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور فلسطین پر قابض یہودیوں اور امریکیوں کا مقدر اہل عراق نے مخدوش کر کے رکھ دیا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں ترکِ موالات کے مجہیر علماء اور عراقی فدائین کے تقابل سے علامہ اقبال کے اس شعر سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ وہ (موالاتی علماء) مسلمان کی موت سے کس قدر خائف تھے ۔

کافر کی موت سے بھی لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر!

سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی۔"

الغرض یہ تحریک ہجرت ہماری ملی تاریخ کے ایک ہنگامی اور جذباتی دور کا ایک سبق آموز واقعہ ہے، جس کی تہ تک پہنچے بغیر ہم اس دور کی صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار صاحب کا خیال ہے کہ تحریک ہجرت کے بارے میں اکثر مصنفین کے ہاں ابھی تک کچھ کنفیوژن پایا جاتا ہے اس لئے موصوف فرماتے ہیں۔"اس ہجرت کے آغاز و انجام پر روشنی ڈالنا اور اس کی حقیقت تک پہنچنا از بس ضروری ہے۔" [1]

اسلامی احکام اور اصولوں کی خلاف ورزی

مولانا سید سلیمان اشرف نے اپنی تصانیف خصوصاً زیر نظر کتاب میں خلافت کی اہمیت کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مسئلہ خلافت کے ساتھ تمام مسلمانوں کو ہمدردی تھی۔ مولانا موصوف اسی موقف پر گامزن تھے، انہوں نے خلافت کی تائید و حمایت صراحت کے ساتھ کی تھی، لیکن ان کو تشویش اس بات پر تھی کہ تحریک خلافت کے دوران کانگریس، ہندو مسلم اتحاد کی تخم ریزی نہایت خطرناک طریقے سے کر رہی تھی۔ تحریک خلافت میں شامل کانگریسی عناصر یہ منصوبے رکھتے تھے کہ خلافت کے ادارہ کو قائم رکھنے کے جوش میں بھرے ہوئے مسلمانوں کو ہلاکت کی ایسی وادیوں میں پھینک دیا جائے کہ ان کی قوت اور سکت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ ترک موالات کی اگلی صفوں میں بھی مسلمانوں کو لانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ بقول ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری، ترک موالات ۱۹۲۰ء کا سب سے اہم ملی مسئلہ تھا۔ نان کوآپریشن کے عنوان سے مولانا سید سلیمان اشرف نے ترک موالات پر پیش نظر کتاب میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، جس سے مسئلہ ترک موالات کی ماہیت سمجھ میں آ جاتی ہے۔ بقول سید محمد فاروق القادری:

"برصغیر کی تاریخ میں تحریک خلافت اور ترک موالات کو اچھی طرح جاننا اور سمجھنا اس دور میں اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ بعد میں قیام پاکستان اس کے اسباب اور عوامل کی ساری عمارت انہی تحریکوں کے فہم و ادراک پر استوار ہوئی ہے۔" [2]

تحریک خلافت مسلمانوں کے لئے خالصتاً مذہبی تحریک تھی، کیونکہ وہ ترکی "خلافتِ عثمانیہ"

---

[1] دیکھئے۔ "تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء، پس منظر و پیش منظر" مولفہ پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار۔ بزم اقبال، لاہور۔ طبع اول ۱۹۹۷ء، ص ۳-۴

[2] ماہنامہ کنز الایمان لاہور، نومبر ۱۹۹۲ء۔ تحریک خلافت و ترک موالات نمبر، ص ۱۶

کو قائم و دائم دیکھنا چاہتے تھے۔ تحریک خلافت بڑے نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی، ان مقاصد میں سلطنت ترکی کی بحالی کے علاوہ مقامات مقدسہ و مآثر شریفہ کی حفاظت بھی شامل تھے۔ ان مقاصد کا تعلق براہ راست مسلمانوں سے تھا۔ برعظیم کی دوسری اقوام کو مذکورہ مقاصد سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اس طرح مسٹر گاندھی کو ترکی خلافت اور ترکی سلطنت سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی۔ تحریک خلافت، تحریک ترک موالات کی اساس تھی۔ تحریک ترک موالات کے دوران میں گاندھی جی کی جانب سے تحریک خلافت کی جس انداز میں حمایت کی گئی، مسلمانوں نے سمجھا کہ گاندھی جی اسلام کے اس ستون کی حمایت کر رہے ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا، جو شخص اسلام ہی کا مخالف ہو وہ خلافت تحریک کی حمایت کیسے کرے گا؟ خلافت کے تحفظ اور عدم تحفظ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اگر ہم یہاں ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی صاحب کی کتاب ''مولانا محمد علیؒ اور جنگ آزادی'' سے ایک اقتباس نقل کرتے چلیں تو یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ تحریک ترک موالات کو ۱۹۲۰ء میں مسٹر گاندھی نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے تحت شروع کیا تھا۔ چنانچہ جناب صدیقی رقم طراز ہیں:

> ''۱۹۲۰ء میں ناگپور میں کانگریس کا اجلاس ہوا۔ اس کے لئے مولانا شوکت علی کے کہنے پر مسودہ گاندھی جی نے ریل میں مرتب کیا تھا۔ لیکن خلافت کانفرنس میں ترکِ موالات کی تجویز منظور ہو چکی تھی۔ جواہر لال نہرو نے لکھا ہے:
>
> > ''۱۹۲۰ء میں سیاسی تحریک اور خلافت کی تحریک نے ساتھ ساتھ قوت پکڑی۔ دونوں ایک ہی راستے پر چلنے لگیں۔ آخر جب کانگریس نے گاندھی جی کا ترکِ موالات کا پُر امن اصول تسلیم کر لیا، تو دونوں بالکل مل گئیں۔ خلافت کمیٹی پہلے ہی یہ اصول تسلیم کر چکی تھی۔''[۱]

آگے جانے سے پہلے میاں عبدالرشید کی رائے ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

> ''پاک و ہند کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو پوری طرح سمجھنے کے لئے مسٹر گاندھی کو سمجھنا ضروری ہے۔ شروع میں مسٹر گاندھی، کانگریس میں صف دوم کے لیڈر شمار ہوتے تھے، مگر انہوں نے مسلمانوں کی خالص اسلامی تحریکِ خلافت میں شامل ہو کر اسے اس طرح استعمال کیا کہ یہاں کے صف اول کے لیڈر بن گئے

---

۱ ظہیر علی صدیقی، ڈاکٹر۔ مولانا محمد علیؒ اور جنگ آزادی، سندھ ساگر اکادمی، لاہور ۱۹۹۹ء، ص ۹۸-۹۹

اور جب تک زندہ رہے یہاں کی سیاست پر چھائے رہے ۔ تحریک خلافت بنیادی لحاظ سے پان اسلامزم کے حق میں تھی اس لئے اصولاً نیشنلزم کے خلاف تھی، مگر گاندھی جی نے بڑی چابکدستی سے اسے یہاں کے مسلمانوں میں نیشنلزم پھیلانے کے لئے استعمال کیا۔ دوسرے انہوں نے اس تحریک کے ذریعہ اگرچہ بظاہر ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگایا، لیکن بباطن اس اتحاد کو پارہ پارہ کیا کیونکہ اس تحریک سے پہلے اگرچہ کانگریس میں مسلمان بھی شامل تھے مگر وہ اپنے آپ کو ہندوؤں ہی کی نمائندہ جماعت کہتی تھی۔ "[1]

ہندوستان کی تاریخ میں ہندو ہمیشہ مسلمانوں اور اسلام کا دشمن رہا ہے اور اس نے مسلمانوں کو مٹانے کے لیے کوئی دقیقہ بھی فروگزاشت نہیں کیا۔ "بالخصوص غیر ملکی غلامی کے تاریک دور میں جب مسلمانوں کی تمام تر سرگرمیاں تقریباً مسجدوں کی چار دیواریوں تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں اور مسلمان توحید و رسالت کی اس امانت کو اپنے سینوں سے لگائے حکمران قوم کے لرزہ خیز مظالم برداشت کر رہے تھے، ہندو کی اسلام دشمنی کا جذبہ اور زیادہ قوی ہو چکا تھا۔ وہ اجتماعی سطح پر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اسلام کو ہندبدر کرنے کے لئے صبح و شام طرح طرح کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے تھے، سیاسی سطح پر انہوں نے متحدہ قومیت کا ڈھونگ، کانگرس کی مدد سے اپنے تمام وسائل سے شروع کیا اور مسلمانوں میں یہ تاثر پھیلانا شروع کیا کہ درحقیقت مسلمان اور ہندو ایک ہی قوم ہیں اور ہندوستان میں صرف ایک قوم آباد ہے جسے ہندوستانی کہتے ہیں۔ یہ ہندو سامراجیت کی نہایت گہری سازش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بحیثیت قوم ختم ہو جائیں اور ہندو اکثریت کا ایک بے اثر ضمیمہ بن کر رہ جائیں۔ "[2] مولانا سید سلیمان اشرف نے النور کے ابتدائی صفحات میں جہاں ۱۸۵۷ء سے اپنے دور تک کی، ہندو لیڈروں کی شاطرانہ سیاست کا سرسری جائزہ لیا ہے وہیں اہل ہنود کی بعض اسلام دشمن کارروائیوں اور مسلمانوں پر ان کے مظالم اور جفاکاریوں کی جانب بھی اشارہ کیا ہے، لیکن اہل ہنود کی ان ناپاک کوششوں کا کس حد تک اسلامیان ہند پر اثر مرتب ہوا، مولانا موصوف نے لکھا:

"اشارات صدر سے صرف اس قدر ثابت کرنا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے شعار دین

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، کالم نور بصیرت

[2] ماہنامہ "مسلم" (مجلۃ المکتبۃ العلمیہ لاہور) نظریۂ پاکستان نمبر (خصوصی شمارہ جون تا اگست ۱۹۷۰ء) ص ۲، مشمولہ مضمون از عنایت عارف بعنوان "نظریۂ پاکستان کے تاریخی پس منظر پر ایک نظر"

کی توہین اور ارکانِ مذہبی کے نیست و نابود کرنے میں اپنی پوری جسمانی، مالی اور دماغی قوت گوناگوں طور پر صرف کرنے میں پچاس برس سے مسلسل ساعی و کوشاں ہیں، لیکن علمائے کرام اور عامۂ مسلمین آج تک اُن کے دامنوں میں پناہ لینے سے اظہارِ بیزاری کرتے رہے۔'' [1]

نیز بقول عنایت عارف...... ''مسلمان سوادِ اعظم نے اسلام کا پرچم ہمیشہ بلند رکھا کیونکہ یہ حقیقت کسی تشریح کی محتاج نہیں تھی کہ ہندوستان جیسے وسیع و عریض ملک میں اسلام ہی مسلمانوں کی بقاء و سلامتی کا ضامن ہو سکتا تھا۔ اسلام کی عظمت عظمیٰ سے محروم ہو کر ان کے لئے پورے ہندوستان میں کہیں کوئی جائے پناہ باقی نہ رہتی۔'' لیکن تاریخ آزادیٔ ہند کا یہ دردناک پہلو ہے کہ ۱۹۱۹ء میں متذکرہ صورت حال یکسر بدل چکی تھی جب تحریکِ خلافت کے دوران ہندو مسلم اتفاق کے جوش میں اسلامی خصائص کو مٹایا جانے لگا، اسلام کی بنیادی تعلیمات سے انحراف شروع ہو گیا اور کفر کی بیباکی سے حمایت کی جانے لگی، اس دور میں مسلمانوں کی عصبیت اس طرح فنا کر دی گئی کہ معاشرتی و تمدنی امور کا کیا ذکر دینی امور میں کفار کی تقلید کمال ارادت و عقیدت سے ہونے لگی یہاں تک کہ ہندوؤں کے متعلق احادیث و آیاتِ قرآنیہ پیش کی جانے لگیں جن سے مسلمانوں کے کان کبھی آشنا نہ ہوئے تھے۔ اسلامی اصولوں اور احکام کی خلاف ورزی کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں آپ دیکھیں گے کہ ایسی ہندو پرستی کا سُراغ تو اکبری دور میں بھی نہیں ملتا۔

۱۔ کفارِ ہند کو اہلِ کتاب قرار دیا گیا۔

۲۔ اپنے ناموں کے ساتھ پنڈت لکھوایا، مجمعوں میں اپنے مسلمان ہونے کا انکار کیا اور یہ دعا کی گئی کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذہب میں داخل ہوں۔

۳۔ مسلمانوں نے ہندوؤں کی نکٹیاں کاندھوں پر اُٹھائیں، ارتھیوں کو کندھا دیا اور ان کے ساتھ ''رام رام ست'' کہتے ہوئے مرگھٹ تک گئے۔

۴۔ ہنود سے یک رنگی کے لئے پیشانیوں پر قشقے لگائے۔

ع قشقہ بھی کیا ترک مُسلمانی کی

۵۔ سیوا سمتی کے پرتے گلوں میں ڈالے۔

۶۔ دسہرے میں شریک ہوئے، سنکھ (ناقوس) بجائے۔

---

[1] محمد سلیمان اشرف، سید۔ النور، اشاعت اول علی گڑھ ۱۹۲۱ء، ص ۳

۷- ہندوؤں کی جانب سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ مسلمان، رام چندر جی کی لیلا رچائیں اور ہندو محرم منائیں، مسلمان رضاکاروں نے رام لیلا کا بندوبست کیا۔

۸- گنگا و جمنا (عبادت گاہ مشرکین) کی زمین کو مقدس زمین کہا گیا اور

۹- اس سرزمین پر ترک چڑھ آئیں تو ہم اُن پر بھی تلوار اُٹھالیں۔

ع ''گر ترک آیند تیغ گیریم بدست''۔

۱۰- دینِ الٰہی کی طرح ایسا نیا دین نکالنے کی فکر کی گئی جو مسلم اور ہندو کا امتیاز اُٹھادے اور جس میں سنگم و پریاگ[۱] (معابد مشرکین) ایک مقدس علامت قرار پائے۔

۱۱- مشرکین کی موت پر سوگ منایا گیا۔

۱۲- مشرک میت کے لئے مسجدوں میں دعائے مغفرت[۲] کی گئی۔

۱۳- مسجدوں میں مشرکوں کی تعزیت کے لئے جلسوں کا انعقاد کیا گیا۔

۱۴- مسلمان مقرر، ویدوں کے منتروں سے تقریر کا آغاز کرتے اور ہندو بزرگوں کی تعریف کرتے۔

۱۵- تین نعرے بیک زبان پکارے جاتے، نعرۂ تکبیر ہندوؤں کی زبان پر جاری ہوتا، بندے ماترم مسلمان پکارتے، ست سری اکال کی طویل اور گمبھیر گونج میں تینوں قوموں (ہندو، مسلمان اور سکھ) کی آوازیں شامل ہوتیں۔

۱۶- نیز مسلمان اور ہندو یہ نعرہ بلند کرتے

مندر میں اذاں دلوادیں گے مسجد میں ناقوس بجادیں گے

۱۷- مسلمانوں نے مندروں میں دعائیں مانگیں۔ مسلمان خود مندروں میں گئے، مساجد چھوڑ کر وہاں نمازیں پڑھیں۔

---

[۱] الٰہ آباد کے نزدیک وہ مقام جہاں دریائے گنگا و جمنا ملتے ہیں، تیسرے دریائے سرسوتی کا سنگم زمین کے نیچے مخفی طور پر ہے اور ہندو اس جگہ کو متبرک و مقدس سمجھتے ہیں۔ ہر بارہ سال کے بعد وہاں زبردست میلہ لگتا ہے جس کو کنبھ کا میلہ کہا جاتا ہے (حاشیہ ''تنقیدات و تعاقبات'' ص ۱۱۰، ''ہندی اُردو لغت'' ص ۱۷۸ اور ۲۰۵)

[۲] بال گنگا دھر تلک کی موت کے غم میں بروز دسواں جامع مسجد میں ننگے سر جمع ہو کر اس کے لئے دعاء و فاتحہ اور مغفرت کے لئے اشتہار تقسیم کیا گیا۔ مدیر معارف سید سلیمان ندوی نے مسٹر تلک کے انتقال پر شذرات میں تعزیت کی ہے اور اس کو افسوس ناک قرار دیا ہے (دیکھئے۔ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۰ بحوالہ معارف (اعظم گڑھ) ستمبر ۱۹۲۰ء ص ۱۶۲ اور محمد جمیل الرحمٰن: پاسبان مذہب و ملت (تحقیقات قادریہ) مطبوعہ دہلی ۱۹۲۰ء ص ۳۱)

۱۸- ہندوؤں نے مسلمانوں کو چندن کا ٹیکہ لگایا۔
۱۹- ہندو اور مسلمان ایک ہی مٹکے سے پانی پیتے کہ بعض جگہ ایک دوسرے کا جھوٹا پانی پیا۔
۲۰- ستیہ گرہ کے دن مسلمانوں نے مہاتما گاندھی کے حکم سے روزہ رکھا۔
۲۱- قرآن کریم کی توہین کی گئی، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا۔
۲۲- قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جا کر دونوں کی پوجا کرائی گئی۔
۲۳- اللہ عزوجل کو رام اور خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی کہنا جائز بتایا گیا۔
۲۴- ایک ڈولہ (جسے "سنگاسن" کہتے ہیں) میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے، جس میں بھجن گاتے، ڈھول وجھانجھ بجاتے مسلمان شریک ہوئے۔
۲۵- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا۔
۲۶- مسلمانوں نے ہولی کھیلی۔
۲۷- ہولی کے سوانگ میں، ہندوؤں سے اتحاد بنائے رکھنے کی خاطر، معظمانِ اسلام کی توہین و تحقیر سُنی گئی۔ گنگا پر پھول اور بتاشے چڑھائے گئے۔ رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا، بتوں پر ریوڑیاں چڑھائی گئیں، ہار پھولوں سے انہیں آراستہ کیا گیا۔
۲۸- ہندو لیڈروں کو مختلف مساجد میں لے گئے، منبروں پر بٹھایا۔[۱]
۲۹- دہلی کی جامع مسجد میں سوامی شردھانند[۲] جیسے دشمنِ اسلام کو منبرِ رسول پر بٹھا کر تقریر کرائی گئی[۳]

---

[۱] "خاص خانہ اور توحید کے مکان (یعنی مساجد) میں مبلغ کی حیثیت سے ہنود کو سربلندی بخشنا اس صدی (گزشتہ صدی) کے مدعیانِ اسلام کا خاصہ ہے۔" (محمد سلیمان اشرف، سید۔ "الرشاد" مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۰ء، ص ۱۶)

[۲] یہ وہی شخص ہے جس نے ارتداد کی مہم چلائی اور بالآخر دہلی میں ایک مسلمان عبدالرشید نے اس کو قتل کر دیا۔

[۳] "یہ اپنی نوعیت کا غیر معمولی اور نادر واقع تھا۔ جامع مسجد میں بھگوے کپڑوں میں ملبوس کسی (غیر مسلم) سنیاسی کا مسلمانوں سے خطاب کرنا...... ایسا نہ کبھی اس سے قبل دیکھنے سُننے میں آیا تھا، نہ اس کے بعد کبھی ایسا ہوا"۔ (مالک رام۔ "کچھ ابوالکلام آزاد کے بارے میں" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۲ء، ص ۱۰۴)

کہا جاتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ بھارت کے مشہور صحافی اور کالم نگار جناب خوشونت سنگھ لکھتے ہیں۔ "اس وقت کی یاد تو ابھی (اب) بھی تازہ ہی ہے۔ جب مسلمانوں نے سوامی شردھانند جیسے ہندوؤں کو جامع مسجد (دہلی) کے اندر سے اپنی تقریبات کو خطاب کرنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ ایک وقت تھا۔ جب مسجدوں کے پاس سے ہندو اور سکھوں کا جلوس نکلتا تھا، تو سد بھاؤنا کا اظہار کرنے کے لئے مسلمان ان کو مالائیں پہناتے تھے۔ میں نے گورونانک کے جنم دن پر ایک ایسا جلوس بھی دیکھا ہے۔ جس کی قیادت سب کی سب مسلمان لڑکیوں کے ایک جتھے سے کی گئی تھی"۔ (روزنامہ "ہند سماچار" جالندھر، ۱۱/ اکتوبر ۱۹۸۶ء۔ ص ۳، کالم ۱-۲)

وہاں اس کی تصویریں کھنچوائیں جس کے فوٹو لے کر ہندو مبلغ یو۔ پی کے طول وعرض میں پھیل
گئے اور دور افتادہ علاقوں میں جا کر ہزاروں مسلمانوں کو یہ دھوکا دیا کہ دیکھو سوامی جی مسجد
کے منبر پر اس لئے بیٹھے ہیں کہ تمام مسلمان ہندو ہو گئے ہیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر بہت سے
مسلمان اسلام سے منحرف ہو گئے۔

۳۰۔ گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھر پر آویزاں کیا گیا۔

۳۱۔ ہنود کو خوش کرنے کی خاطر گائے کی بجائے بکری کی قربانی کا فتویٰ دیا گیا۔

۳۲۔ گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہرایا گیا اور کھانے والوں کو کمینہ بتایا گیا۔

۳۳۔ گائے کی قربانی کو مثل سؤر کہا گیا۔

۳۴۔ قربانی نہ چھوڑنے والے مسلمانوں کی ناحق تکفیر کی گئی اور ان کے ذبیحہ کو ممنوع قرار دیا گیا۔

۳۵۔ گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے اونٹوں کی پشت پر سے تقسیم کئے گئے۔

۳۶۔ ہزاروں مسلمانوں نے قربانی گاؤ سے احتراز کیا۔ مسلمانوں نے مسلمانوں سے گائیں چھین
کر ہندوؤں کو دے دیں۔ قصابوں کو ذبیحہ گاؤ سے روکا گیا۔ رضا کاروں نے چھری کے نیچے
سے قربانی کی گایوں کو چھڑایا اور اگر ہو چکی تو اس کو بے کار کر دیا۔

۳۷۔ نیز قربانی کی گایوں کو زبردستی چھین کر ان کو گئوشالہ پہنچایا گیا۔

۳۸۔ ہندوؤں کی خوشنودی کو (معاذ اللہ) رضاءِ الٰہی سے تعبیر کیا گیا۔

۳۹۔ جن مشرکوں نے گائے کے پیچھے مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کیا جلایا، اتحادِ ہنود منانے
کے لئے اُن کی رہائی کے لئے درخواستیں دی گئیں، اُن کی رہائی کے لئے رزولیشن پاس
کئے گئے۔

۴۰۔ مسلمانوں کو ناحق قتل کرنے والوں کو مسلمان لیڈروں نے سزا سے بچایا۔

۴۱۔ مہاتما گاندھی کی جے پکاری گئی، گئو ماتا کی جے بلند کی گئی۔

۴۲۔ یہ بھی کہا گیا کہ "زبانی جے پکارنے" سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ ہندو بھائیوں کی رضا میں خدا کی
رضا بتایا گیا۔

۴۳۔ گاندھی کو یقینی بھائی بتایا گیا اور اس عمل کو نیکی میں شمار کیا گیا۔

۴۴۔ جہاں قرآن وحدیث میں بسر کی ہوئی عمر کو بت پرستی پر نثار کیا گیا وہیں مسٹر گاندھی کو پیش رو
تسلیم کر کے اپنے کو ایک کافر کا پس رو بتایا گیا۔ چنانچہ ایک جلیل القدر عالم نے کہا ۔

عمر یکہ بآیات واحادیث گزشت رفتے وثار بت پرستی کردی

۴۵- مسٹر گاندھی کو "مہاتما"[1] کا خطاب دیا گیا۔ خدمتِ دین کی بدولت گاندھی کے مرتبہ کو تسلیم کیا گیا۔

وہ مرتبہ گاندھی کو ملا خدمتِ دیں سے مُسلم کو بھی ہے رشک کہ کافر نہ ہوا تھا[2]

۴۶- گاندھی کو روحانی فرشتہ قرار دیا گیا۔

۴۷- بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت کو ضروری سمجھا گیا۔

ع "بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر"

۴۸- جہاں تحریکِ ترکِ موالات کو سیاسی مفتیوں کی جانب سے ایمانیات کا درجہ دیا گیا وہاں جمعیت العلما کی جانب سے ان کی بات نہ سُننے والوں کو کافر، منکر و منافق، یزیدی، ملعون اور جہنمی تک کے خطابات سے نوازا گیا۔

۴۹- اسلامی درس گاہوں کی بندش کا مقابلہ کرنے والوں کو بدنام کرنے کی غرض سے بعض مسلم راہنماؤں پر قادیانی ہونے کی تہمت لگائی گئی۔

۵۰- ترکِ موالات کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے اخبار و رسائل میں جھوٹی خبروں کی اشاعت کرائی گئی تھی کہ ملّتِ اسلامیہ کے بہی خواہ رہنماؤں کی جانب سے من گھڑت مراسلے شائع کروائے۔

۵۱- فتویٔ ترکِ موالات کی ضبطی پر علمانے مہاتما گاندھی سے مشورہ واستصواب کیا کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟

ع آگے تمہارے رنگ کسی کا نہیں جما

۵۲- بار بار اس بات کا اعلان کیا گیا کہ "گاندھی مستحق نبوت تھا" اور

۵۳- یہ کہا گیا کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا۔"

۵۴- یہ بھی کہا گیا کہ امام مہدی کی جگہ امام آخر الزماں امام گاندھی کا ظہور ہوا ہے۔

---

[1] مہاتما کے معنی ہیں "روحِ اعظم" جو خاص لقب سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ہے۔ مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفت خدا اور رسول ہے۔

[2] روزنامہ زمیندار، لاہور ۱۷ نومبر ۱۹۲۰ء
گاندھی سے عقیدت نے آنکھ پر ایسی ٹھیکری رکھی کہ اسلام اور کفر کا امتیاز تک نظر سے اوجھل ہو گیا۔ اور اخبارات کے صفحاتِ اول پر ایسے شرمناک اشعار چھپنے لگے۔ (ظہور)

۵۵- مزید کہا گیا کہ خدا نے مسٹر گاندھی کو مسلمانوں کے لئے مذکر بنا کر بھیجا، قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا مذکر کر کے بھیجا ہے۔

۵۶- گاندھی کو مسیحا دلوں کا حاکم اور مردہ قوم کو جلانے والا، آب حیواں (آب حیات) پلانے والا، بے کسوں کا حامی اور یاور، گمراہوں کا رہبر، رحمت داور اور پاک دل کہہ کر اس کی مدح کی گئی۔

۵۷- نیز انہیں مرد پختہ کار، حق اندیش، باصفا، مرد میداں اور درویش خو کے القاب دیے گئے۔

۵۸- جمعہ کے خطبہ اردو میں خلفاءِ راشدین اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بجائے گاندھی کو ''مقدس ذات''، ''پاکیزہ خیالات''، ''ستودہ صفات'' قرار دے کر اس کی تعریف کی گئی۔

۵۹- حتی اُس کی تعریف کو مثل ثناءِ الٰہی ٹھہرایا گیا کہ ''خاموشی از ثناءِ توحدِ ثناءِ تست''۔

۶۰- خلافت ترک کے منکر کو کافر و خارج از اسلام کہا گیا، لیکن خلافتِ صدیق و فاروق کے منکروں کو مسلمان جانا۔

۶۱- یہ بھی کہا گیا کہ حبل اللہ (خدا کی رسی) کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے سے اگر دین نہیں تو دنیا ہمیں ضرور مل جائے گی۔ [1]

بات تحریکِ خلافت سے چلی اور کہاں تک پہنچی؟ــــ مسٹر گاندھی کی سیاست کی ساحری نے مسلمانوں کو کس حد تک مسحور کر دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی سوچنے کی قوت ہمیشہ کے لئے سلب ہو چکی ہے اور اس وقت مسلمانوں میں ایک قسم کا جنوں سا پھیل گیا تھا، اس نے خود ہندوؤں کو بھی حیرت و استعجاب میں ڈال دیا کیونکہ بقول موہن لعل بھٹناگر، ایڈیٹر درپن (لاہور) ''مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھلایا کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ مہاتما جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے رہبر بن گئے۔'' چودھری سردار محمد خاں لکھتے ہیں۔ ''اگر گاندھی جی تحریکِ خلافت کی قیادت نہ کرتے تو کانگریس مضبوط کیسے ہوتی۔ مسلم لیگ کی ساکھ کیسے بگڑتی۔ ان کے سامنے تو یہ پروگرام تھا جس میں انہیں پوری کامیابی ہوئی۔ مسلمان کے سامنے اب کوئی سیاسی نصب العین نہ تھا اس کے سامنے کوئی منزل نہ تھی۔ وہ منتشر لوگوں کا ایک آوارہ گروہ تھا، جو اپنی قومی وحدت کھو چکا تھا۔ وہ صرف ہندوؤں کے رحم و کرم پر تھا۔ درحقیقت گاندھی جی نے ہندوؤں کے لئے وہ کام کیا جو

---

[1] فہم اسلام کی ''شان'' ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے قول پر شک و شبہ کا اظہار کر رہے ہیں اور ''ایمان'' پھر بھی قائم ہے۔ (مسعود)

[2] ماہنامہ ''درپن'' لاہور۔ کانگریس نمبر دسمبر ۱۹۲۲ء، جلد ۱ شمارہ ۷، ص ۲۲۶

ان کے ہزاروں رہنما بھی نہ کر سکے، نہ صرف یہ بلکہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کی مرکزیت کو فنا کروایا، مسلمان کی قومی وحدت اور ملی تشخص پارہ پارہ ہوا، یہ وہ زمانہ ہے جہاں سے ہمارے لاتعداد بھائی کعبہ سے منہ موڑ کر سمائے وارد ھا کے الہامات پر یقین کر کے اسلام اور کفر کے غیر فطری امتزاج سے رسوائے عالم متحدہ قومیت کا خمیر تیار کرتے نظر آتے ہیں۔ مسلمانانِ ہند کے سب سے بڑے دانا دشمن مسٹر موہن داس کرم چند گاندھی نے ان کے جسد قومی میں ایسا زہر بھرا جس کا اثر ابھی تک (آج تک) مکمل طور پر زائل نہیں ہو سکا۔[1] کیوں کہ ڈاکٹر معین الدین کے بقول...... ہندوستانی مسلمانوں میں اپنی قومیت کے تعلق سے شکوک وشبہات اسی وقت کی یادگار ہیں اور بقول چودھری خلیق الزمان ...... تحریکِ خلافت کے خاتمہ کے بعد کچھ لوگ کانگریس کی طرف اس عقیدہ کے ساتھ ڈھل آئے کہ مسلمانوں کا ہندوستان میں تحفظ صرف نیشنلزم میں ہے، نیز ڈاکٹر وحید قریشی کے بقول ...... بعض کانگریس کے تصورِ وطنیت کو اپنا کر نیشنلسٹ مسلمان کہلانے میں فخر محسوس کرتے تھے...... معاشرتی زندگی کا یہ تضاد مسلمانوں کو عجیب وغریب صورت حال سے دوچار کر چکا تھا، تعلیم یافتہ مسلمان دو حصوں میں بٹ چکے تھے۔

تحریکِ خلافت جس نہج پر چل نکلی تھی اس کا نتیجہ یقینی طور پر مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت نقصان کا باعث تھا۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر سات سو (۷۰۰) سے زائد سال تک حکمرانی کی تھی۔ ہزاروں علماء اس خاکِ ہند سے پیدا ہوئے، لیکن ان طویل مہ وسال میں ایسی کوئی مثال ڈھونڈے سے نہیں ملتی کہ علماء نے ہندوؤں کو مسلمانوں کا رہبر بنا دیا ہو۔ کوئی بتائے کہ کس صدی کے علماء نے کفارِ ہند کو اہلِ کتاب قرار دیا؟ یہ ہندو پرستی تو انہی مدعیانِ علم کے لیے مخصوص تھی جنہوں نے مذکورہ دور میں مشرکینِ ہند سے یگانگت کی خاطر، اسلامی خصوصیات وامتیازات کو مٹا ڈالا، طرح طرح کی خرافات اپنائیں اور اسلامی شعائر کو بند کرنے کی کوششیں کیں، جمعیۃ العلماء کے جری فاضلوں نے ہندوؤں سے ودادو اتحاد کے جواز پر آیات چسپاں کرنا شروع کر دیں، خلافتِ اسلامیہ قائم کرنے کے لیے کانگرس سے امیدیں وابستہ کیں اور ہندو کی حمایت کو اپنا شعار بنا لیا، اور اس طرح مسلمانوں کو بحیثیت قوم برباد کر کے رکھ دیا۔ مسلمان، اُنہیں بطور مسلم راہنما، اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے۔ اگر ہندو ان کا واسطہ اختیار نہ کرتے تو مسلمان ہرگز اُن کے جال میں نہ پھنستے۔ ان پر اعتماد اور بھروسا ہی مسلمانوں کو لے ڈوبا۔ ترکی کی حمایت اور حرمین طیبین کی اعانت

---

[1] سردار محمد خاں، چودھری۔ حیاتِ قائد اعظمؒ مطبوعہ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۶۸-۱۸۱ (ملخصاً)

کے نمائشی مرثیے پڑھ پڑھ کر یہ لوگ خیر خواہی اسلام اور درد ملت کا یقین دلاتے اور اُن کے اعتبار کا خون کر کے ہندوؤں کی خواہشیں پوری کرتے رہے۔[1]

الغرض ہندو مسلم اتحاد کے پردے میں، گاندھی کی نقاب پوش سیاست نے جو گل کھلائے اس کے نتیجے میں مسلم لیڈروں کا "کفر و کافر میں ادغام" عمل میں آیا، یہ تھا گاندھی جی کے اتحاد کا نتیجہ جس کے متعلق وہ کہتے تھے کہ ایسا موقع شاید ایک صدی میں بھی ہاتھ نہ آئے گا۔ گاندھی نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ وہ اتحاد کو ادغام میں بدل کر متحدہ قومیت کا خمیر تیار کر چکے تھے۔ بعض مسلمان زعما، عملاً ہندو تہذیب کی غلامی کے راستے پر گامزن ہو چکے تھے اور مسلم عوام اس سیلاب میں بہہ نکلے — "گاندھی بھگت ہو کر تقوی و دیانت، حیا و غیرت، عقل و انسانیت سب گنگا بُرد ہو گئے"۔

مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو سیاسی، دینی اور تہذیبی اعتبار سے قلاش کر کے رکھ دینے کے جو منصوبے تیار کیے، اس میں نام تو خلافت کا تھا اور کام سوراج کا تھا۔ گاندھی نے کس دور اندیشی سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا گرویدہ بنا لیا۔ بہت کم زعما، اس دور میں چلائی جانے والی تحریکات کے مضمرات اور ہندو قیادت کے اصل ارادوں سے بروقت آگاہ ہو سکے۔

مولانا سلیمان اشرف نے نہ صرف تحریراً بلکہ تقریراً بھی مسلمانانِ ہند کی رہنمائی کا فریضہ بطریق احسن سرانجام دیا اور مذکورہ طوفانی اور ہیجانی دور میں اس انجام سے بچانے کی پوری سعی کی، جس سے گاندھی کی گہری سیاست انہیں دوچار کرنا چاہتی تھی۔ دریں حالات بخصوص مسلمانوں پر یہ واضح کیا جانا ضروری تھا کہ "متحدہ قومیت" کا تصور محض سیدھا سادہ تصور نہ تھا، اس کی جڑیں بہت گہری تھیں — دراصل دو فلسفوں کا کھلا تصادم تھا — "شرار بولہبی" "چراغ مصطفوی" سے آمادۂ پیکار تھا — ایک طرف "فلسفۂ گاندھی" تھا تو دوسری طرف "فلسفۂ محمدی" (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) —

ایسے میں مولانا سید سلیمان اشرف نے مسٹر گاندھی کی "مہاتمایت" کا طلسم توڑ کر، مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچایا، ان کے ایمانوں کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھا۔ وہ زیرِ نظر کتاب میں اسلام اور مسلمانوں کی زبوں حالی پر ماتم فرماتے ہیں، جس سے ان کے قلبی کرب کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز جمعیۃ العلما کے سیاسی مفتیوں، اکابر اور لیڈران، جو ہندوؤں سے

---

[1] دیکھیے۔ حامد رضا خاں قادری، مفتی اعظم، خطبہ صدارت جمعیت عالیہ آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ مطبع اہلسنت بریلی۔ بار اول ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء

محبت اور دوستی کا دم بھرتے تھے، کے بیسیوں اقوال و افعال (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) پر طنز کے بھرپور وار کرتے ہیں۔ ذیل میں "النور" سے کچھ اقتباسات دیکھئے:

"اے سرمستان بادۂ لیڈری ذرہ (ذرا) ہوش میں آ کر ہمیں بتاؤ کہ تم سوراج[1] کے لئے اٹھائے گئے تھے یا خلافت کے لئے تم نے ہندؤں (ہندوؤں) کو آمادہ کیا تھا، تم اسلام کے نشر و تبلیغ کا علم لے کر بڑھے تھے یا کفر و شرک کی حکومت قائم کرنے کی غرض سے یہ لشکر آرائی کی گئی تھی، اسلام کی حقانیت اور ارکان اسلام کا غیر مسلم کو گرویدہ بنانا تمہارا نصب العین تھا یا خود کفر و شرک کے جال میں پھنس کر، آزادی ہند کا ترانہ سنانا مقصود و مطلوب تھا۔"[2]

آگے چل کر، مسٹر گاندھی کی مکر آمیز پالیسی اور تحریک خلافت کے مسلم لیڈروں کی اپنی منزل مقصود سے بے خبری پر مولانا سلیمان اشرف یوں نوحہ کناں ہیں:

"لا الٰہ الا اللہ، گاندھی نے کس حسن تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا غلام بنا لیا۔ ایک برس بھی گزرنے نہ پایا، جو حمایت خلافت سے نہ صرف ہندو دست کش ہو گئے بلکہ اس عیارانہ چال سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں نے مسئلہ خلافت کو دھکے دے کر پس پشت ڈال دیا۔ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی جگہ گاندھی کو دی گئی، اب یہ مدعیان اسلام اسی کی کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے گاندھی کی محبت و عظمت سے کوئی قلب مومن خالی نہ رہنے پائے۔

کوئی امام مہدی علیہ السلام کا مثیل کہتا ہے، کوئی یہ کہتا ہے کہ نبوت اگر ختم نہ ہو گئی ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا، یعنی نبوت کے ماتحت جو سب سے بڑا رتبہ و منصب ہو سکتا ہے وہ گاندھی کا ہے، کوئی اپنے کو پسرِ گاندھی کا کہتا ہے اور اسلام کی نجات اسی کے ہاتھوں سے یقین رکھتا ہے۔

مسلمان اپنی (اپنے) کانوں سے سنتے ہیں، آنکھوں سے اخبارات میں یہ مضامین دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں، پھر بھی عالم وجد و تواجد میں آ کر واہ ہمارے

---

1. سوراج یا سوراجیہ۔ اپنا راج۔ حکومت خود اختیاری۔ ہوم رول۔ (قائد ملفوظات، ص ۵۹۵)
گاندھی جی کو اس اصطلاح پر بے حد اصرار تھا۔ (مسعود)
2. محمد سلیمان اشرف۔ النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء، ص ۳۶

لیڈرو، شاباش ہمارے لیڈروں کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔''[1]

اس کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف، مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے، ان کی توجہ اس جانب مبذول کرواتے ہیں کہ ان کے لیڈروں نے کس طرح اپنے طرز عمل سے، کانگریس جو پہلے ایک بے جان جسم کی مانند تھی، ہنود کو تحریکِ خلافت میں شامل کر کے، کانگریس میں جان ڈال دی کیونکہ مسلمانوں کے مذہبی ولولے نے کانگرس کی عدم تعاون کی تحریک کو اتنی قوت دی کہ ''کانگرس نے ایک سال میں وہ کچھ کر دکھایا، جو ہندو کانگرس چالیس سال میں بھی نہیں کر سکی تھی۔'' چنانچہ آپ مذکورہ صورت حال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فرزندانِ اسلام!...... ہندوؤں نے تمہارے لیڈروں کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر کس سہولت و نرمی سے آہستہ آہستہ اُنہیں اپنے نقطۂ خیال پر اُتار لیا، لفظ سوراج جس سے لاکھوں کان آج تک نا آشنا تھے، خلافت کے عوض کس جوش سے وہ ہر ایک زبان پر جاری ہے۔ گاندھی جس کا نام تک پانچ برس قبل ہندوستان کے کسی مسلمان کے علم میں بھی نہ تھا، خلیفۃ المسلمین کی جگہ آج اُس کے تقدس و عظمت کے فسانے کس کمال عقیدت سے مستورات تک میں کہے جاتے ہیں۔''[2]

مولانا سلیمان اشرف نے زیر نظر کتاب میں جہاں خلافت کمیٹی کے زعماء اور اس دور میں چلنے والی تحریکوں (خلافت و ترک موالات) کے سربر آوردہ حضرات کے منفی کردار کا ذکر کیا ہے۔ وہیں جمعیۃ العلماء، (مسلمانوں کے علماء کی جمعیت) کے فضلائے یگانہ، جنہیں اپنی مجالس کو کفار و مشرکین سے پاک کر کے اسلامی احکام پر عمل پیرا ہو کر اصول اسلام کی پاسداری کرنی تھی اور مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ سر انجام دینا تھا، انہوں نے بوجوہ مذکورہ محرمات و کفریات کے ارتکاب پر سکوت اختیار کیا اور اس جانب توجہ مبذول کروانے کے باوجود ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ ہندو پریس نے اپنی مطلب بر آری اور ''متحدہ ہندی قومیت'' کے پرچار کے لئے جمعیۃ العلماء کے سرکردہ حضرات کو بھاری بھرکم خطابات سے نواز کر اندھا کر دیا جبکہ وہ سیاسی بصیرت اور فراست مومنانہ سے تو وہ پہلے ہی یکسر خالی تھے۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان اشرف ''علمائے سُو کی ہندو پرستی'' کے زیر عنوان تحریر فرماتے ہیں کہ

---

[1] الشور ص ۴۶-۴۷

[2] الشور ص ۴۷-۴۸

''ان علماء کا کیا ذکر خود اُس عالم کو لیجئے جسے لیڈروں نے شیخ الہند کا لقب دے کر ایک عجیب وغریب ہستی ثابت کیا ہے۔ اُس کے قلم میں بھی یہ قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اُن افعال خبیثہ کی شناعت ومعصیت بتا سکے...... قشقہ لگایا گیا، علماءِ سیاسی خاموش رہے، کافر کی ٹکٹکی اُٹھائی گئی، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ کافر کا ماتم سر و پا برہنہ ہو کر کیا گیا، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ رام چھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ گاندھی کی جے پکاری گئی، گئو ماتا کی جے بلند کی گئی، علماءِ سیاسی خاموش رہے۔ حدّ یہ کہ گاندھی کو کہا گیا کہ 'اگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا'، علماءِ سیاسی اب بھی خاموش رہے۔ اس خاموشی سے شیخ الہند بھی مستثنیٰ نہ ہو سکے۔ اگرچہ خادمانِ اسلام تقریراً وتحریراً انہیں اعمال کفریہ پر بیدار بھی کرتے رہے، لیکن پھر بھی کسی عالم سیاسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی، جو وہ چالیس اعمال واقوال کفریہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی اپنے قلم کو جنبش دیتا، تا آنکہ بماہ نومبر (۱۹ تا ۲۱ نومبر) ۱۹۲۰ء دہلی میں جلسہ جمعیۃ العلماء منعقد ہوا، وہاں یہ مسائل کسی نے پیش بھی کئے، لیکن یہ کہہ کر کہ مصلحت وقت اس کی مقتضی نہیں بات ٹال دی گئی، حالاں کہ اُس اجلاس کی کرسیِ صدارت ایک عالم ہی کی نشست کا فخر رکھتی تھی۔''[1]

الغرض مولانا سید سلیمان اشرف نے مسلمانوں کے دلوں میں گاندھی کی عظمت ومحبت پیدا کرنے والے لیڈروں کا بھرپور تعاقب کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ مذہب کی حقیقت اور وقعت ان کے نزدیک کس قدر تھی، دین ومذہب کا نام کیوں لیا جاتا تھا، ہنود کے ساتھ انہیں کیسی عقیدت و ارادت تھی۔ چونکہ علما کا یہ انبوہ حقیقت پسندی کی جانب مائل نہ ہوا اور شریعتِ اسلام کا حکم سُنانے اور جادۂ مستقیم پر گامزن رہنے والوں پر نوع نوع کی الزام تراشی پر اتر آیا، جب اس سے بھی نہ بن آئی، تو پھر اپنی حرکات وسکنات پر گرفت کرنے والوں پر 'تکفیر' کا حربہ آزمایا۔ چنانچہ درج ذیل اقتباس میں مولانا موصوف نے ''النور'' میں جہاں واقعات وکیفیات کی تصویر کشی کر کے مستقبل کی تاریخ سے سوال کیا ہے وہیں مسلمانوں کو ناحق کافر ٹھہرانے والوں کی خبر لی ہے۔ ایک ایک لفظ سے مولانا کی دردمندی اور ملی حمیت جھلکتی نظر آتی ہے۔

''...... ایمان سے کہئے یہ جمعیۃ العلماء ہے یا اُمتِ گاندھی کا حلقہ، یہ اسلام اور

---

[1] سلیمان اشرف، سید محمد۔ النور، ص ۱۵۱-۱۵۲

شارع علیہ السلام کی طرف اللہ کے بندوں کو دعوت دے رہی ہے یا گاندھی کی
نبوت تسلیم کرا رہی ہے۔ یہ حضرات اسلام کی دردمندی میں انگریزوں سے لڑنا
چاہتے ہیں یا دین گاندھی کے (کی) حمایت میں۔ پھر اگر کسی نے ان کی بات نہ سُنی
تو کافر، منافق، یزیدی، ملعون اور جہنمی کیوں کر ہوا۔

لیڈرانِ قوم آج اخبار و جرائد تمہارے ہاتھوں میں ہیں جسے چاہو گالیاں دو،
کافر کہو، حق کو باطل اور باطل کو حق کہو اور چھاپ کر شائع کرو۔ اس وقت تو تمہاری
بات بن آئی ہے، مخلوق اندھی ہوگئی ہے، لیکن ایک وقت آئے گا اور ساری حقیقت
عریاں ہوجائے گی۔" [1]

سید سلیمان اشرف نے اپنی تحاریر و تقاریر سے جس نازک اور پُر فتن دور میں اسلامیانِ ہند
کی راہنمائی کا فریضہ سر انجام دیا، ان کو بلا خوف لومۃ لائم مشرکینِ ہند (کانگریس) کے ساتھ
مسلمانوں کے اختلاط و اتحاد کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا اور علماء کو ان کی ملی ذمہ داریوں کا
احساس دلایا، وہ ان کی بالغ نظری، علمی ثقاہت اور سیاسی بصیرت کا بیّن ثبوت ہے۔ قومیں محض حال
مست یا مستقبل کے خوابوں میں زندہ نہیں رہتیں، ان کا ماضی ان کی پہچان اور راہ نمائی کا ایک مؤثر
ذریعہ ہوتا ہے۔ خوددار و بیدار قومیں اپنے ماضی کی سنہری روایات کو از بر رکھتی ہیں اور نسل جدید کی
جانب منتقل کرتی رہتی ہیں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۸۹۶ء-۱۹۷۷ء) سابق صدر شعبۂ اردو، علی
گڑھ مسلم یونیورسٹی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "گنجہائے گرانمایہ" میں تحریکِ ترکِ موالات میں
مولانا سلیمان اشرف کے مُرتسم انمٹ نقوش کا ذکر بڑے دل نشیں پیرایہ میں کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کوآپریشن (Non-Cooperation) کا سیلاب
اپنی پوری طاقت پر ہے، 'گائے کی قربانی'، اور 'موالات' پر بڑے بڑے جید اور مستند
لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اُس زمانہ کے اخبارات، تقاریر،
تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہوگیا۔
اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے، وہی سب کچھ
ہے، یہی باتیں ٹھیک ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو نہیں سکتی۔ کالج میں
عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ مرحوم مطعون ہو رہے تھے، لیکن نہ چہرہ پر کوئی اثر تھا اور

---

[1] سلیمان اشرف، سید محمد۔ النور، ص ۲۲۷

نہ معمولات میں کوئی فرق...... کہتے تھے۔ رشید! دیکھو، علما کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا کیسا گھر گھروندا بنا رکھا ہے۔ میری سمجھ میں اُس وقت ساری باتیں نہیں آتی تھیں......

بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اُٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہے۔ اکثر مجھے بٹھا کر سناتے اور رائے طلب کرتے۔ میں کہتا۔ 'مولانا میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں محاکمہ کر سکوں۔ آپ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی کہتے ہوں گے'۔ کہتے۔ 'یہ بات نہیں ہے۔ تم پر اس ہڑ گم کا اثر نہیں ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ سیکڑوں علما جو کہتے ہیں، وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی یوں ہی کہتا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے، ہم تم زندہ ہیں تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر!'

سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا، وہ بھی ہوا، لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علما سیلاب کی زد میں آ چکے تھے، صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔ اِس کا اعتراف کسی نے نہ کیا اور نہ کبھی مولانا نے کہا کہ ہم نے، آپ نے مولانا کی اس خدمت اور قابلیت کا اعتراف کیوں نہیں کیا۔" [1]

ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد کے نتائج کے بارے میں جو کچھ مرحوم نے فرمایا تھا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی۔ سید صاحب کو حق تعالیٰ نے اس بصیرت قلبی سے نوازا تھا جس سے بہت سے رہبر محروم تھے۔

تحریکِ ترکِ موالات کو آج پون صدی سے زائد کا عرصہ بیت چکا، الثور اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ تحریکِ خلافت و ترکِ موالات کے دور میں تصنیف ہوئی اور ایک طوفان بلاخیز کے مقابل بروقت کلمۂ حق کی زوردار صدا بلند ہوئی، اس کی بدولت ہمارا دینی تصلّب قائم رہا، اور اس نے مسلمانانِ برعظیم پاک و ہند کا اسلامی تشخص اجاگر کرنے میں مدد دی، اس طرح مولانا سلیمان اشرف نے "جو اسلامی اسپرٹ پیدا کی، اس نے آگے چل کر تحریکِ اسلامی کو قوت بخشی اور وہ اس قابل ہوئی کہ غیر اسلامی اور لادینی تحریکوں کا مقابلہ کر سکے"۔

---

[1] رشید احمد صدیقی، پروفیسر "گنج ہائے گراں مایہ"۔ طبع دارالنوادر، لاہور ۲۰۰۶ء، ص ۲۰ و ۲۱

محمد علی جناح اور علامہ اقبال اگرچہ ترکِ موالات اور تحریک ہجرت ایسی جذباتی تحریکوں کے مخالف تھے اور ان کو مسلمانوں کے لیے ہلاکت خیز اور تباہ کن سمجھتے تھے، لیکن اُس وقت گاندھی کے طوفان کے آگے بند باندھنا ہر کسی کے بس میں نہ تھا۔ پروفیسر غلام حسین ذوالفقار نے لکھا ہے کہ گاندھی کے سامنے اب کس کا چراغ جل سکتا تھا؟ لسان العصر اکبر تک کہہ اُٹھے۔

ہے ہو تمہاری، اے مرے گاندھی مہاتما [1]
آگے تمہارے رنگ کسی کا نہیں جما

جذبات کے ایسے ہنگامہ خیز زمانہ میں کوئی شخص گاندھی جی اور علی برادران کے خلاف ایک حرف بھی کہنے کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ ۲۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کو آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ناگپور (جس میں خلافت کمیٹی کے ارکان کے علاوہ محمد علی جناح اور کانگریسی مسلمان بھی شریک تھے) میں جناح کی جانب سے شوکت علی کو 'مولانا' نہ کہنے اور گاندھی کو 'مسٹر' کہنے اور 'مہاتما' نہ کہنے پر شیم شیم اور غیرت غیرت کے آوازے سُننے پڑے۔ ہندو اور مسلمانوں کے اس "بے معنی اور پُر جوش مجمع" نے مسٹر جناح کو اس بات پر ناچار کر دیا کہ وہ 'مسٹر' کے الفاظ واپس لے کر گاندھی کو 'مہاتما' کے لقب سے پکاریں۔ اِن ایّام میں حالات کو ناساز گار (کہ یہ دور نہایت پُر خطر اور آتش فشاں سے کم نہ تھا) دیکھ کر مدبّرین پس منظر میں چلے گئے، علّامہ اقبال بھی اُس وقت خاموش رہے۔ [2] ڈاکٹر معین الدین عقیل لکھتے ہیں: "اس نہایت اور مؤثر تحریک میں مُسلم ہندوستان کے دو بڑے نام قائد اعظم محمد علی جناح اور اقبال اور ان کی جدوجُہد کا پہلو نمایاں نہیں ہے۔" [3] نیز بقول خواجہ رضی حیدر ـــــ "محمد علی جناح نے اِس عرصہ میں کوئی بیان نہیں دیا، بلکہ وہ اپنی بیوی اور نومولود بچی کے ہمراہ سیر و تفریح کی نیت سے لندن چلے گئے جہاں انہوں نے بڑی پُر سکون زندگی گزاری۔ ایک اندازہ کے مطابق خلافت تحریک کا وفد جب انگلستان گیا تو محمد علی جناح بھی لندن میں موجود تھے، لیکن انہوں نے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی۔" [4]

قطع نظر ان تمام باتوں کے ۲۰-۱۹۱۹ء سے ۲۶-۱۹۲۵ء تک کا زمانہ تحریکِ خلافت، ترکِ موالات، ہجرت اور فتنہ ارتداد جیسے طوفانوں کا زمانہ تھا اور یہی وہ دور تھا جس میں ملّتِ مسلمہ اور

---

[1] غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر۔ "جدوجہد آزادی میں پنجاب کا کردار" مطبوعہ لاہور ۱۹۹۶ء، ص ۲۳۲
[2] مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد۔ "تحریکِ آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم"۔ طبع اوّل ۱۹۷۷ء، ص ۱۳۷
[3] معین الدین عقیل، ڈاکٹر۔ "اقبال اور جدید دُنیائے اسلام"۔ مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۲۰۸
[4] رضی حیدر، خواجہ۔ "قائداعظم کے ۷۲ سال"۔ مطبوعہ کراچی ۱۹۷۶ء، ص ۱۵۸

ہندوؤں کے درمیان مسلم قومیت اور ہندوستانی قومیت کی نظریاتی جنگ لڑی گئی، مولانا سلیمان اشرف اور علمائے احناف نے اس جنگ میں اپنا وزن دوقومی نظریے کے پلڑے میں ڈالا اور اس طرح انہوں نے کمال بصیرت سے کام لیتے ہوئے تحریکِ پاکستان کے لیے راستہ صاف کیا۔[1] ملتِ مُسلمہ کی سربلندی کے لیے ۱۹۲۰ء میں کی جانے والی مساعی جمیلہ کی بازگشت آج بھی سُنی جا سکتی ہے۔ ایک حقیقت پسند مورّخ اس دور کا تذکرہ کن الفاظ میں کرتا ہے۔ اس کی ایک مثال ممتاز قانون دان کے۔ایل۔گابا کی کتاب ''مجبور آوازیں'' کے اس اقتباس میں دیکھیے۔

> ''دوقومی نظریہ'' جس پر بڑے بڑے بحث مباحثے ہوتے رہتے ہیں، آل انڈیا مُسلم لیگ یا آل انڈیا مُسلم کانفرنس یا دیو بند یا جامعہ ملّیہ کی تخلیق نہیں تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس نظریے کے مصنف نہ تو محمد علی جناح تھے اور نہ علامہ اقبال۔
>
> دوقومی نظریہ تو ۱۹۲۰ء میں ایک مشہور اور مُسلّمہ نظریہ بن چکا تھا۔ اس وقت جناح صاحب کانگریس کے رہنما اور بقول سروجنی نائیڈو ''ہندو مسلم اتحاد'' کے سفیر تھے۔''
>
> (''مجبور آوازیں'' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۱۰)

حرفِ آخر

زیرِ نظر کتاب یقیناً اپنے عہد کی صحیح تصویر کشی اور حقائق کو محفوظ کرنے کا ذریعہ بنی۔ فاضل مؤلف نے ایک دردمند مسلمان صاحبِ علم ہونے کا حق ادا کر دیا۔ دوقومی نظریہ کو اسلامیانِ ہند کی زبردست پزیرائی نے کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کیا اور پاکستان اللہ کے فضل و کرم سے ایک شاعر کے خواب سے حقیقت ثابتہ کے طور پر منصۂ شہود پر آیا۔

آگ اور خون کا دریا عبور کرنے اور بے پناہ قربانیوں کے بعد حاصل ہونے والی اس مملکت خداداد کی ہم نے کیسی قدر و منزلت کی؟ اس نعمت غیر مترقبہ کی کیسی پاسبانی کی؟ اللہ اور اُس کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باندھے گئے عہد کی کتنی شرم رکھی؟ ــــ اس کا ایک ثبوت تو وہ المناک سانحہ ہے، جس کی بدولت ملک دولخت ہوا اور اندرا گاندھی کو نظریہ پاکستان کے خلاف دریدہ دہنی کا موقع ملا۔

بدقسمتی سے مسلمان تحریکِ پاکستان کے معاملہ میں متحد و متفق نہ تھے اور کانگریسی مُلّاؤں کی

---

[1] کوکب، قاضی عبدالنبی۔ ''تحریکِ پاکستان اور علمائے اہلسنّت''۔ مطبوعہ خانیوال ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء، ص ۱۱

زیر قیادت ایک بڑا گروہ ہندو کا ہمنوا اور ہمدم تھا۔ یہ لوگ قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے نظریہ پر قائم رہے اور پاکستانی سیاست میں سرگرم رہنے اور مفادات کی بندر بانٹ میں حصہ وافر ہونے کے باوجود یہ دعویٰ دہرانے پر بھی نہیں شرمائے کہ "خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے"۔

یہ لوگ آج بھی بھارتی نیتاؤں کے ساتھ اپنے روابط کی آبیاری کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی آئے دن کی بھارتی یاترا، وہاں کے ہندو راہنماؤں کے ساتھ پیار کی پینگیں اور اپنے دینی مدارس میں ان مہاشوں کو بطور مہمان خصوصی بلانے کے واقعات تو تازہ ترین اخبارات میں موجود ہیں۔ سونیا گاندھی اور دوسرے بھارتی راہنما دارالعلوم دیوبند کی ایک قومی نظریہ کے لیے خدمات کو آج بھی سراہتے اور دھنواد کرتے ہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ سوادِ اعظم کے علماء و مشائخ کی اس عظیم تحریک کے وارث کہاں ہیں، جن کی بے مثال جدوجہد نے تحریکِ پاکستان کے چراغ کو روشن کرنے کے لیے اپنے لہو کا تیل فراہم کیا تھا؟ —— عامۃ الناس اس لیے مورد الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے کہ راہنمائی اور راہبری کا فریضہ بہرحال انہی کا کام ہے، جو اس منصب پر فائز ہیں۔ یہ ایک تلخ اور انتہائی تکلیف دہ حقیقت ہے کہ بلند و بالا شخصیات کی عظیم مسندوں پر بونے اور کوتاہ بین فروکش ہیں جو اپنے مفادات اور جاہ وجلال سے آگے دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بقول حکیم الامت علامہ اقبال ؎

زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کے نشیمن!

متاعِ کارواں لٹ رہی ہے اور وہ خوابِ خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ لوگ بے راہ ہو رہے ہیں۔ اوراد و وظائف، تسبیح و جاپ اپنی جگہ لیکن عمل سے کنارہ کش قوم کسی مثبت نتیجہ کی توقع کیوں کر سکتی ہے۔ ہمارے اہل قلم نے تاریخ کے ساتھ ہونے والی انتہائی زیادتی کا بھی کماحقہ ادراک نہیں کیا۔ جعفر و صادق کو بڑی بے شرمی کے ساتھ سراج الدولہ اور ٹیپو ثابت کیا جا رہا ہے، مگر ہمارے لکھنے والے اس چوری اور سینہ زوری پر صدائے احتجاج بھی بلند نہیں کرتے۔ انور اور اس کے فاضل مؤلف آج بھی زبانِ حال سے تقاضا کرتے ہیں کہ عافیت اور مصلحت کے حجروں سے نکل کر رسم شبیری ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

شاید کہ اُتر جائے ترے دل میں مری بات

یہدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجہم من الظلمات الی

النور

یعنی

حالاتِ حاضرہ پر ایک مصلحانہ نظر

از

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ

خدادا [illegible] غرض چیت

وعلم اللہ حسبی من سوالی

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی

در مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڈھ ۱۳۳۹ھ ۱۹۲۱ء میں طبع ہوا

([illegible] سے شائع ہوا)

[بار اول] (قیمت [illegible])

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
انسدادِ گاؤکشی کی سابقہ کوششیں	۱	جمعیت کا پہلا اجلاس اور فقیر کا التماس	۲۰
قرآن و مساجد کی بے حرمتی	۳	الرشاد در اعتراض کا جواب	۲۱
کانگریس اور مسلم لیگ کا معاہدہ و مابعد	۴	جنگ بلقان اور موقع مناسب کا اتلاف	۲۲
اتحادیوں اور ہندوؤں کا اتحاد	〃	واقعۂ پنجاب اور دریاء خلافت	۲۳
اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل	۵	خلافت کا نام اور سوراج کا کام	۲۴
ستم ظریفی	۶	ہڑتال کی ایجاد	۲۵
موجودہ ہادیانِ قوم	۷	نان کو آپریشن	〃
مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا پہلا دور	۸	ایک مغالطہ کا ازالہ	۲۷
تقلیدِ جامد اور اتباعِ کورانہ	۹	مسلمانوں کی ہیچ میرز لفاظیاں	۲۸
پہلی منزل	〃	ہڑتال اور مسٹر گاندھی کی فیلسوفی	۲۹
تالیفِ قلوب کا سنگِ بنیاد	۱۰	کانگریس سے مسلمانوں کے اعراض کی وجہ	۳۰
خلافت کمیٹی کا سنگِ بنیاد	۱۱	ہندوؤں کی رفتارِ ترقی کی سمتیں	۳۱
قومی مجالس کا انعقاد	۱۲	سلف گورنمنٹ کا نذرانہ	۳۲
واقعات اور نتیجہ	۱۴	سحر سامری کا کرشمہ	۳۳
کانگریس کے دو اصول	۱۵	حصولِ غلبہ کی ایک مجرب تدبیر	۳۴
علمائے سیاسی سے ایک استفسار	۱۶	ذوقِ شہادت	۳۵
تعلیم و تلقین کا اہل	۱۸	خلافت کا رخ سوراج کی طرف	۳۶
سیلابِ مغالطات و تحریفِ حدیث	〃	عاجزانہ التماس	۳۷

مضمون	صفحہ
سیاسی علما کا درس فتویٰ	۳۸
علمائے سیاسی اور لفظ جہاد کی تحقیق	۳۹
تعیین جہاد	۴۰
علمائے سیاسی اور مسئلہ جہاد کی توہین	۴۱
جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر ایثار	۴۳
علمائے سیاسی کا ہجرت کے متعلق تباہ کن فتویٰ	۴۴
قبل ازیں لفظ جہاد کا اثر	۴۵
مسلم لیڈروں کا کفرہ کافریں ادغام	۴۶
رہبر کی اقسام	۴۷
بالعکس معاملہ	۴۸
وما ظنکم برب العالمین	۴۹
نان کوآپریشن کا ملمع جامہ	۵۰
مفہوم نان کوآپریشن کا تدریجی تبدل	۵۱
نان کوآپریشن کے مختلف ترجمے	//
نان کوآپریشن کے لئے شرعی لباس	//
نان کوآپریشن	//
ملاء اعلیٰ سے علمائے سیاسی کا استغاثہ	۵۲
ملاء اعلیٰ کا حکم اور علمائے سیاسی کا سر تسلیم خم	۵۳
کفار مشرکین اور کفار اہل کتاب میں فرق مراتب	//
علمائے سیاسی کا اضطرار اور ایک مغالطہ کی ایجاد	//
تقریر مغالطہ	۵۴
مغالطہ کا خطرناک نتیجہ	۵۵
ایک التماس	۵۶
اسلام کامل و مکمل ہے	//
سیرۃ خاتم النبیین کا ایک صفحہ	۵۷
عہد نبوۃ کا آغاز اور اس کا قبائل پر اثر	//
کفار کی ایذا رسانی	۵۸
مدینہ طیبہ میں مخالفتوں کا ہجوم	۵۹
تمام ممکن حالات سے مبلغ اسلام و مسلمین کا مقابلہ	//
سلاطین سے خطاب	۶۰
حیات اقدس کا دوسرا رُخ	//
تبلیغ کی بے نظیر شان	۶۱
ہدایت کا ایک بے مثل واقعہ	//
حقیقی سجدہ	۶۲
پیغمبر کی حیات مقدس ہر حالت میں سبق آموز نمونہ ہے	۶۳
لفظ ولا کے معنی کی تحقیق	۶۴
موالات فی العمل اور موالات صوری کا فرق	۶۵
غیر مسلم سے موالات ہر حال میں ممنوع ہے	۶۶
علمائے سوء کی ایک عیاری	۶۷
تفسیر جلالین	۶۹
تنویر	//

مضمون	صفحہ
تفسیر بیضاوی	۷۰
تفسیر مدارک	۷۲
تفسیر البحر المحیط ابوحیان اندلسی	۷۳
تفسیر خازن	۷۴
تفسیر کبیر	۷۷
تفسیر ابن جریر	۷۹
حضرت حاطب کا واقعہ	۸۲
تنویر	۸۴
آیۃ لاینھاکم اللہ کی شانِ نزول	۸۷
تفسیر ابن جریر	۸۹
ابن جریر کی ناتمام عبارت سے حکیم صاحب کا استدلال	۹۴
تریدون زینۃ الحیوٰۃ الدنیا	۱۰۶
یہودیوں سے معاہدہ	۱۰۷
مشرکین مکہ سے صلح	۱۰۸

مضمون	صفحہ
اجارہ	۱۰۸ ۱۰۹
کافر کا کام انجام دے کر اجرت لینا	〃
کافر کو نوکر رکھنا	〃
کافر سے قرض لینا	〃
کافر کا علاج کرنا دوا بھیجنا	۱۱۰
ہدیہ دینا اور مشرک سے ہدیہ طلب کرنا	۱۱۱
کافر کا ہدیہ قبول کرنا	〃
دوسری روایت	۱۱۲
تیسری روایت	〃
نفع مسلمین کے خیال سے کافر کو مال دینا	۱۱۳
کافر کے ساتھ رفق و مدارات	۱۱۴
مدارات کی دوسری روایت	۱۱۵
فقہائے کرام کی تحقیقات	۱۱۶
دشمن کے ملک میں بغرض تجارت جانا	〃
دار الحرب میں کس قسم کی بیع حیوان کی اجازت ہے	〃
دار الحرب سے کس قسم کے اجناس کے بیع کی اجازت ہے	〃
گھوڑا اور ہتھیار دار الحرب میں لیجانا منع ہے	۱۱۷
دشمن کو ہدیہ بھیجنا	〃
دشمن کا ہدیہ مرسل الیہ کس حال میں تقسیم کریگا اور کس حال میں اس کا خاص ہوگا	〃

مضمون	صفحہ
کافر کا نوکر رکھنا	۱۱۸
کافر کی نوکری کرنا	〃
کافر کو امور کفار کے لئے مقرر کرنا	〃
مفتیان سیاسی کی خیانت	〃
مفتیان سیاسی کی فریب دہی	۱۱۹
کفار کا عمل بائیکاٹ	۱۲۱
روایت اوّل	〃
دارالندوہ میں بائیکاٹ کی تحریک	〃
جنگ بدر	۱۲۳
کافر کے ساتھ وفا اور انصاف	۱۲۷
دوسری روایت	〃
تیسری روایت	۱۲۸
چوتھی روایت	〃
چوتھی روایت کی مزید تفصیل	۱۲۹
کافر کو معلم بنانا	〃
اقساط کی کھلی مثال	〃
فتح مکہ سے نظیر	۱۳۱
حضرت عکرمہ کا واقعہ	۱۳۲
حضرت عثمان بن طلحہ کا واقعہ	۱۳۳
انقلاب عالم کے ارکان ثلاثہ	۱۴۲
سلطنت کا اثر	۱۴۴
تہور کا اثر	〃
علم کا اثر	۱۴۵

مضمون	صفحہ
خلافت سے جنگ، انگریزوں سے موالات	۱۴۷
واقعہ کربلا سے مثال	۱۴۹
علمائے سوء کی ہندو پرستی	۱۵۰
عصبیت اسلامی کی تخریب	۱۵۳
نبوت و سلطنت کا فرق	۱۵۵
عود الی المقصود	۱۶۰
حکومت سے عام گلہ	۱۶۱
مسلمانوں کا مخصوص گلہ	۱۶۴
مسئلۂ خلافت	۱۶۸
مباح کا فرض ہوجانا	۱۶۹
ترمیم کے پانچ وجوہ	۱۸۱
مسئلۂ تعلیم	۱۸۴
معترضین کی فرض ناشناسی	۱۸۷
تعلیمی امداد کا مسئلہ	۱۹۰
علوم مغربیہ اور مسلمان	۱۹۲
تعلیمی تناسب کا اثر	۱۹۵
مشرقی تعلیم کی کس مپرسی	۱۹۷
قومی قوت کے ارکان	۲۰۰
تلخیص ابحاث و مابہ الاختلاف	۲۰۹
لیڈروں کے جوش کی حقیقی علت	۲۱۲
لیڈر کے اقسام	۲۱۳

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

ھُوَ الحق

انسداد گاؤ کشی کی سابقہ کوششیں

سن ستاون کا ہنگامہ اور ستارۂ صلاح و فلاح مسلمانان ہند کا غروب بمفہوم مرادف ہند مسلمانوں کے اس تنزل سے اُن کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہلِ ہنود کے دستِ تصرف میں آگئے۔

ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب اُنھوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفاکاری کا ایک کوہ آتش فشاں تھا جس سے انواع و اقسام کے شعلے پھٹ کر نکلتے اور جابجا مسلمانوں کی غیرت و حمیت کر اُن کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔

یوں تو مسلمانوں کا ہر رکن مذہبی اہلِ ہنود کو چراغ پا کردینے کا کافی بہانہ تھا لیکن بقرعید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا اُس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے لیکن غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قایم رکھنے میں ہمیشہ استقلال و ہمت سے اُن کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔

محض سفاکی و بے رحمی کو چند سال کے تجربہ نے جب کہ ناکافی ثابت کیا تو اہلِ ہنود تدابیر و حیل کی آمیزش اپنی جفاکاری میں ضروری سمجھ کر تدلیس و تلبیس سے بھی کام لینے لگے۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ ہجری میں اہلِ ہنود نے ایک عبارت استفتا مرتب کرکے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے متعدد علمائے کرام کی خدمت میں روانہ کی۔

استفتا میں اس امر پر زور دیا گیا تھا کہ موقع بقرعید پر گائے کی قربانی جب کہ موجب فتنہ و فساد ہے اور امن عامہ میں اس کی وجہ سے خلل آتا ہے اگر مسلمان گائے کی قربانی موقوف کردیں تو کیا مضائقہ ہے۔

حضرات علمائے نہایت مدلل طریقہ پر اس کا یہی جواب تحریر فرمایا کہ شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے اُس سے فائدہ اُٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے خوف فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہیے بہ پاس خاطر ہنود یا خوفِ ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں۔

دو تین برس بعد پھر اسی قسم کا استفتا جاری ہوا اور پھر دربارِ شریعت سے یہی فتویٰ صادر ہوا۔ مولٰنا المفتی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا رسالہ انفس الفکر فی قربان البقر ۱۲۹۸ھ ہجری کا تصنیف ہے اُسے ملاحظہ فرمائیے، اور مجموعۂ فتاویٰ مولوی عبدالحی صاحب مرحوم مطالعہ کیجیے۔ ساری حقیقت واضح ہوجائیگی۔ اس کے بعد ۱۳۱۲ھ ہجری اور ۱۳۲۹ھ ہجری میں پھر اسی سوال کا اعادہ کیا گیا اور دارالافتا سے اُسی اگلے جواب کا افاضہ فرمایا گیا۔

گویا اور نٹو میں جب کہ ہندوؤں نے ایک شرِ عظیم بپا کیا اور بعد قتل و غارت گری اور بے حرمتی

مساجد اس کوشش میں سرگرم ہوئے کہ حکام کچہری پر یہ ثابت کریں کہ قربانی گاؤ سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے اور گائے کی قربانی حسبِ اجازت مذہبِ اسلام نہیں اُس وقت علامہ چریا کوٹی مولانا محمد فاروق صاحب عباسی نے ایک رسالہ چھپوا کر شایع فرمایا جس میں دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ سے اچھی طرح ثابت فرما دیا کہ اہلِ ہنود کا ادعائے باطل محض بے بنیاد ہے۔ نیز واقعہ مئو کی مستند تاریخ ایک مسدس میں نظم فرمائی جو ہندوؤں کے مظالم اور مسلمانوں کی مظلومیت و استقامت کی ہوبہو تصویر ہے۔ یہ دونوں رسالے چھپ کر ملک میں شایع ہو چکے ہیں۔

اشاراتِ مندرجہ سے صرف اِس قدر ثابت کرنا ہے کہ ہنود مسلمانوں کے شعارِ دین کی توہین اور ارکانِ مذہبی کے نیست و نابود کرنے میں اپنی پوری جسمانی مالی اور دماغی قوت کو ناگون طور پر صرف کرنے میں پچاس برس سے مسلسل ساعی و کوشاں ہیں لیکن علمائے کرام اور عامۂ مسلمین آج تک اُن کے دامنوں میں پناہ لینے سے اظہارِ بیزاری کرتے رہے۔

قرآن و مساجد کی بے حرمتی

ہندوؤں نے جوشِ وحشت میں آ کر قرآن مجید کے ساتھ بارہا بے ادبی کی ہے مساجد کی بے حرمتی میں ہمیشہ اُنھوں نے ظالمانہ ہاتھ بڑھایا ہے مسلمانوں کی جانوں اور عصمتوں کو نہایت بیباکی سے اُنھوں نے تباہ و برباد کیا ہے۔ غرض اُن کے اختیار و قوت میں جس قدر مسلمانوں کے دین پر حملہ کرنا ممکن تھا اُس سے یہ کبھی باز نہ رہے۔ اہلِ ہنود کے وہ مناظرِ خونیں جو مواقعِ محرم الحرام یا اذان وغیرہ پر ہوا کیے ہیں اُن کی فہرست مظالم بقر عید سے علاوہ ہے۔

کیا یہ واقعہ اور حقیقت نہیں کیا یہ امر محتاجِ دلیل ہے کہ ہندوؤں میں اس کی طاقت کہاں تھی جو قسطنطنیہ پر حملہ کرتے اس کی قوت ان میں کب تھی جو عراق و شام پر یہ فوج کشی کرتے۔ ایسے سامان انھیں میسر کہاں تھے جس سے مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ پر یہ اپنا تصرف کرتے یا جزیرۃ العرب کو اپنے دائرۂ حکومت میں داخل کرتے۔ ان کی انتہائی قوت بس اسی قدر تھی کہ مسلمانانِ ہند پر بزدلانہ

لفظوں سے اپنی اس سپاس گذاری اور منت پذیری کا ثبوت دیں جو احسان مسلمانوں نے اپنے ایام سلطنت میں ان کے ساتھ مری رکھے۔

کانگریس اور مسلم لیگ کا مفاہمہ و مابعد

سنہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ نے بعد مفاہمہ اتحاد کا آوازہ بلند کیا اس وقت مسلمانوں کی خلافت مقدسہ دول یورپ کے نرغہ میں پھنسی ہوئی تھی اس لیے مناسب یہی تھا کہ مسلمانان ہند مقامی اور وطنی نزاعات کو صلح اور آشتی کے ساتھ طے کریں اور پوری توجہ سے خلافت اور مقامات مقدسہ کی حفاظت پر تدابیر سوچ کر عمل آرا ہوں۔ لیکن ہندو مسلمانوں کے اس عالم پریشانی سے بغیر فائدہ حاصل کیے کیونکر رہ سکتے تھے۔ ایک دو بڑے ہندو لیڈروں نے تو محو آمیز افسوں خوانی لیڈران مسلم کے کانوں میں بصیغہ راز شروع کی اور ماقیہ نے ملکر ایک قیامت آرہ اور شاہ آباد میں بپا کی دوسرے سال کٹارپور میں اپنی عداوت کا نہ مٹنے والا ثبوت پیش کیا۔

عین ایسے موقع پر جب کہ مسلمان انتہائے اضطرار و بےچینی کے عالم میں مبتلا تھے۔ ان دونوں مقامات پر یکے بعد دیگرے آتش فساد مشتعل کرنے سے ہندوؤں کا یہی مقصد تھا کہ مسلمانان ہند اپنے مصائب میں پھنس کر خدمت خلافت سے محروم رہ جاویں اور یورپ کی وہ سلطنتیں جو اسلامی مرکز پر حملہ آور ہیں ہندوؤں کے اس فتنہ و فساد سے مظاہرہ و اعانت کا فائدہ حاصل کریں۔ الہ آباد و بریلی وغیرہ میں عشرۂ محرم الحرام کے موقع پر جو فساد ہندوؤں نے کیا وہ اس کے علاوہ ہی۔

اتحادیوں اور ہندوؤں کا اتحاد

اتحادیوں میں فوج کشی اور ملک گیری کی قوت تھی اس لیے وہ اپنی اس قوت سے کام لے رہے تھے اور ہندوؤں میں یہ طاقت تھی کہ ایسی نازک حالت میں مسلمانان ہند کو مقامی آفات میں الجھا کر ارض مقدس کی خدمت سے باز رکھیں اس لیے وہ اپنی اسی طاقت کو عمل میں لا رہے تھے۔ غرض اس انتہائی ایام مصیبت میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں اتحادی

سلطنتیں اور اُن کے ملکی بھائی دونوں برابر کے شریک وسہیم تھے۔ ملکی بھائیوں نے بعد اتفاق و اتحاد ذرہ برابر بھی غارت گری اور درندگی میں کمی و کوتاہی روا نہ رکھی اور اپنے اُس ظلم کو جسے پچاس برس سے پرورش کر رہے تھے آرہ شاہ آباد اور کٹار پور کے مسلمانوں کے خون سے پھر ایک بار سینچا۔

اِس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

ہندوؤں کے اس برتاؤ اور برادرانہ سلوک کے مقابل میں اگر مسلمانوں کا طرزِ عمل دیکھا جائے تو اچھی طرح فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ حقِ ہمسائگی کی رعایت کس نے ہمیشہ ملحوظ رکھی ہے۔

بہت سے رسوم شرک و کفر ہندو اس طرح انجام دیتے ہیں کہ اُن کے طرز و ادا پر مسلمانوں کو اُن کا مذہب اُس کے استیصال اور ممانعت کا حکم دیتا ہے لیکن کوئی واقعہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں دور و دراز کے مسلمانوں نے اجتماعی حالت سے کہیں ہندوؤں پر حملہ آوری کی ہو۔

رام لیلا، گنیش، اور ہولی وغیرہ ہندوؤں کے ایسے تہوار ہیں جن میں بارہا ہنود کی جانب سے اشتعال انگیزی ہوا کی ہے۔ لیکن ناگزیر و مفرط حالتوں میں بھی بجز مقامی مسلمانوں کے کوئی قوت و جمعیت دیگر اضلاع سے پہنچ کر مدافعت کے لیے کبھی مجتمع نہوئی۔

انتہائے برادر نوازی اور حق ہمسائگی کی تازہ ترین مثال واقعہ کٹار پور ہے ہندوؤں نے تو مسلمانوں کو بند مکان میں آگ لگا کر جلایا اور اُن کی جان مال اور آبرو کو نہایت بیدردی و بے رحمی سے تباہ کیا لیکن جب مقدمہ حکومت کے ہاتھوں میں پہونچا تو باوجود اس کے کہ عمائد ہنود ان خونریز ہندوؤں کے حمایت میں ہر طرف سے ہر طرح کی امداد پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے لیڈروں نے بجائے معاونت اور حقیقی غمگساری یہ تلقین شروع کی کہ مسلمانانِ کٹار پور درخواستیں دیں عرضیاں بھیجیں کہ ہم اپنا دعویٰ واپس لیتے ہیں۔ گورنمنٹ ان مجرموں کو رہا کر دے۔ پھر جب کہ فیصلہ پھانسی کا

مایوسیوں سے بدلنے لگے اور اُمید کا چہرہ بالکل ہی تاریک پڑ گیا مجبور ہو کر قوم کی طرف اپنی عنایتوں کا رُخ ان حضرات کو پھیرنا پڑا اسی کے ساتھ بعض نفس آرا خود نما ہنگامہ افزا اشخاص کے ساتھ ملنے پر مجبور ہوئے۔ مذہب و ملت کے سچے ہمدرد اُسی وقت کھٹک گئے تھے کہ یہ عنایت اور یہ باہمی آمیزش مسلمانوں کے کسی وطنی و مذہبی حق کو بغیر سلب کئے نہ رہیگی۔ چنانچہ یہ نتیجہ آج اُسی عنایت اور قران کا ہے جو گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھوڑائی جاتی ہے موحدین کی پیشانیوں پر قشقہ جو شعار کفر ہے کھینچا جاتا ہے مساجد اہل ہنود کی تفریح گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے۔ ہولی شعار اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہل ہنود کے ہاتھوں سے جب کہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں عجب دلکش عبادت ہے۔ بتوں پر پوڑیاں چڑھانا ہار پھولوں سے اُنھیں آراستہ کرنا پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے یہ سارے مسائل ان صورتوں میں اس لیے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دلنوازی اور استرضاے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ۔

مسلمانوں کی سیاسی زندگی کا پہلا دور

ہندوستان میں جب ہی سہی علامتیں اپنی سلطنت کی مٹ گئیں اور برٹش حکومت ہر پہلو سے مضبوط ہو گئی اُس وقت مسلمانوں کے لیڈروں نے مرتبہ افزائی میں آکر اس سلطنت کے برکات اور اس حکومت کے فیوضات کا خطبہ جو پڑھنا شروع کیا تو یہ معلوم ہوا کہ تلاوتِ کلامِ پاک سے بھی زیادہ ثواب اس وقت اس میں ہے کہ حکومت کی حمد و ثنا سے زبان تر رکھی جائے انگریزوں کے حقوق اور مسلمانوں کی وفا شعاری اور اطاعت گزاری پر جو رسائل لکھے گئے اُن سے یہی سمجھا جاتا تھا کہ نزول قران اور تعلیم اسلام کا خلاصہ اور جوہر یہ ہے کہ انگریزوں میں اس طرح اپنے کو مل کر فنا کر دو کہ نہ تو غیری نہ من غیرم کی شکل پیدا ہو جائے۔ پھر کوئی بڑے سے بڑا مبصر بھی یہ نہ بتا سکے کہ اصل کون ہے اور نقل کون۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے لیڈروں نے قوم کو بڑھنے کا اشارہ کیا۔

تقلید جامد اور اتباع کورانہ

ایک عرصہ تک اس تقلید جامد اور کورانہ اتباع کے لطائف میں لیڈروں کو مدح خواں اور ثنا گستر بھی پایا گیا لیکن امتداد زمانہ نے جب کہ اس کیف و تُرش میں حالت مساوات پیدا کر دی تو اب یہ فیصلہ ہوا کہ غلامی سے کسی زندگی کا بہتر ہونا اور وہ بھی مسلمانوں کیلئے یہ تو ناممکن اور امر محال ہے لیکن حکومت اور سلطنت کی غلامی اپنے منسوب الیہ کے اعتبار سے ایک علو و بلندی رکھتی ہے اب تک مسلمان جو برکات غلامی سے محروم رہے وہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کی غلامی نسبت عالی رکھتی ہے وقت آگیا اور ضرورت اس کی عیاں ہو چکی کہ مسلمان اپنے اُس قوم ہمسایہ کی جس پر کسی عہد میں اُنھوں نے صدیوں تک حکومت کی تھی بکمال عقیدت غلامی اختیار کریں تاکہ ثمرات غلامی سے بدرجہ اتم و اکمل بہرہ مند ہو سکیں اسی نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہوئے لیڈروں نے قوم کی رفتار دوسری جانب موڑنے کی کوشش کی۔

پہلی منزل

مسٹر مانٹیگو کے سامنے دہلی میں جس وقت اعیان ہند کے وفود پیش ہو رہے تھے جب آل انڈیا مسلم لیگ کی پیشی کی نوبت آئی تو اس جماعت کا جو ایڈریس تھا اُس میں یہ گزارش بھی پرزور الفاظ میں کی گئی تھی کہ ہندوستان سے گائے کا ذبح کرنا موقوف کیا جائے جدید آقا کے دربار میں جو نذور عبودیت و عقیدت کے ہاتھوں پیشکش ہونے والے تھے اُن میں سب زیادہ پسندیدہ یہی نذر تھی جس کا سامان اس طرح انجام دیا جانا قرار پایا تھا یہ وفد بوجوہ پیش نہ ہو سکا لہذا اُنے سرکار میں اس ایثار کی کچھ نمایاں قدر دانی بھی نہ ہو سکی۔

قربانی کا مسئلہ چونکہ سارے ہندوستان کے مسلمانوں سے متعلق تھا اس لئے محض لیڈروں کے ہاتھوں کا نذرانہ قابل قبول سرکار ہنود ہرگز ہو نہیں سکتا تھا اس کیلئے لیڈر حضرات کو کوئی ایسا حیلہ ایجاد کرنا ضرور تھا جس کی وساطت سے قلوب عوام پر اس طرح قابض و متصرف ہو جائیں کہ عامیان

ملت و مذہب کے ہدایت کی گنجائش باقی نہ رہی۔

مسلمانوں کے لیڈر اسی خیال میں تھے کہ کانگریس کا جلسہ دہلی میں منعقد ہوا صدر مجلس کانگریس مسٹر مدن موہن مالویا بالقابہ اپنی آخر نشست میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "مسلمان ہندوؤں کی دل آزاری سے باز رہیں اور ان کی طرف برادرانہ محبت سے ہاتھ بڑھائیں"۔

اس دل آزاری اور محبت کی تفسیر بھی براہ مہربانی خود ہی صدر نے مابعد میں فرمادی کہ "اگر مسلمانوں کے مذہبی نقطۂ خیال سے گائے کی قربانی نہایت ضروری ہے تو باوجود اس تکلیف کے جو مجھے اس معاملہ میں ہوگی میں قربانی کو خود اپنی آنکھ سے دیکھنے کے لیے تیار ہوں"۔ قابل غور یہ نکتہ ہے کہ مسلمان لیڈر جبکہ جوش محبت ہنود میں خود ہی بغیر تحریک ظاہری ہنود کٹارپور جیسے مقام پر جہاں اس شدت و بیرحمی سے ہندوؤں نے قربانی گاؤ پر ہجوم اور حملہ آوری کی تھی جس حملۂ ہجوم نے مسلمانان کٹارپور پر گائے کی قربانی واجب کردی تحریک ترک کی بانواع گوناگوں کر رہے ہیں پھر گورنمنٹ سے بواسطہ مسٹر مانٹیگو اپنے ایڈریس میں یہ چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند کوئی ایسا قانون وضع کرے جس سے ہندوستان میں گائے کا ذبح کرنا قانوناً جرم قرار پاجائے ایسی حالت میں مدن موہن مالویا جیسا خیر خواہ ہندوستان کانگریس جیسے ذیشان جلسہ میں خود اپنے منہ سے یہ کہے کہ مسلمان ہندوؤں کی دل آزاری سے باز آئیں یہ سمند شوق و آرزو پر ایسا تازیانہ ہے کہ ایک لمحہ کا سکون و قرار بھی تعجب سے خالی نہیں اس پر بھی لیڈروں نے کامل ایک سال تک انتہائے ضبط و خودداری سے کام لیا اور اس عرصہ میں وہ اجزا و عناصر فراہم کئے گئے جس سے تحریک ترک قربانی گاؤ ہمہ گیر ہوجائے۔

تالیف قلوب کا سنگ بنیاد ۱۹۱۸ء میں مسلم لیگ کا جلسہ بھی دہلی میں ہی منعقد ہوا تھا

مجلس استقبالیہ کے صدر نے جو اپنا خطبہ اُس وقت پڑھا ہے اُس میں مسئلہ خلافت کے مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہوئے ترکوں کی حمایت میں صدائے احتجاج بلند کی ہی برسوں کا بھولا ہوا سبق جو آج یاد آیا ہے یہی عامۂ مسلمین کے تالیف قلوب کا پہلا سنگ بنیاد ہے جسے ڈاکٹر انصاری صاحب نے بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ مسلم لیگ اپنے ہاتھوں سے رکھا۔

اس سال کی قومی و ملکی مجالس میں صرف اسی قدر کارروائی ہوئی کہ مدن موہن مالویہ صاحب نے مسلمانوں کو دل آزاری ہنود سے منع فرمایا اور ڈاکٹر انصاری صاحب نے حمایت خلافت کا علم بلند فرمایا۔

علماء سیاسی نے بھی وقت شناسی سے کام لے کر اس موقع پر اپنے فتوے کا اعلان ضروری سمجھا۔

خلافت کمیٹی کا سنگ بنیاد

اسی کے ساتھ یہ گزارش بھی سُن لیجئے کہ انھیں ایام میں مسٹر گاندھی نے دوران سفر میں بعض ایسے لیڈروں سے ملاقات کرتے ہیں جو قومی اور ملکی مجالس میں اپنی معذوریوں سے شریک نہیں ہو سکتے تھے پھر اسی کے ساتھ ستیاگرہ اور ہڑتال عام اور رفع امتیاز مسجد و مندر جس کے محرک مسٹر گاندھی ہیں اسے بھی منضم کر لیجئے جب یہ متفرق اعمال جن میں بظاہر کوئی سلسلہ معلوم نہیں ہوتا اپنے اپنے محل و موقع پر انجام پا چکے تو اب ۱۹۱۹ء میں بتاریخ ء، ار نومبر بمقام دہلی خلافت کمیٹی کا سنگ بنیاد پڑتا ہے اس موقع پر ہندو بھی ایک کافی تعداد میں بحیثیت نمائندہ شریک ہوئے جن میں خصوصیت کے ساتھ مسٹر گاندھی کا نام قابل ذکر ہی جنھوں نے اس خالص مذہبی جلسہ کی ایک اجلاس میں صدارت بھی فرمائی تھی اور علماء سیاسی نے آپ کے تشکر و امتنان میں وہ سب کچھ ارشاد فرمایا جس کا جذبہ عقیدت اور جوش اتباع و تقلید مقتضی تھا۔

اظہار تشکر کے ذیل میں مولانا صاحب نے اس کا بیان کرنا بھی ضروری سمجھا کہ مسٹر گاندھی صاحب کے اخلاق اور گفتگو سے میں یہاں تک متاثر ہو چکا ہوں کہ گائے کی قربانی میں نے ترک کردی جلسہ خلافت کے مقاصد اور اصول عمل اسلامی و دینی سے ترک قربانی گاؤ کا تعلق کچھ ہو یا نہ ہو لیکن یہی جملہ جو بطور حکایت بیان ہوا اور جو الفاظ سرسری طور پر اثنائے تشکر و امتنان میں آگئے فی الحقیقت یہ ایک زبردست دیباچہ اور مقدمہ تھا اس کتاب کا جو آیندہ ماہ دسمبر میں اسی سال علامہ مسلمین کے لئے تصنیف ہونے والی تھی اسی کے ساتھ خلافت کے نام سے جو ایک ہڑتال ہوئی اُسے تمہید کتاب سمجھ لیجئے۔

قومی مجالس کا انعقاد

اب دسمبر کا مہینہ آتا ہے اور قومی مجالس کا انعقاد امرتسر میں ہو رہا ہے مسلم لیگ کے صدر مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی اپنا خطبہ صدارت پڑھتے ہیں جس کی بیشمار کاپیاں ملک میں تقسیم ہو چکی ہیں تقریباً چار صفحوں میں صدر مسلم لیگ نے مسئلہ قربانی سے بحث فرمائی ہے ابتدائی جملہ یہ ہے۔

"گاؤ کشی کا ذکر ہم لوگ ایک عرصہ سے اشاروں اور استعاروں میں کرتے رہے ہیں لیکن اب وقت آگیا ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق زیادہ صفائی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر کیا جائے"۔ صفحہ ۳۳ میں نہایت سوز و گداز کے ساتھ ہندوؤں کی عنایت و کرم کا اظہار فرمایا گیا ہے اور صفحہ ۳۴ پر مذہبی نقطہ نظر سے اس مسئلہ سے بحث کرتے ہوئے یوں ارشاد ہوتا ہے۔ "ہندوستان کو چھوڑ کر تمام عرب شام مصر طرابلس اور ایشیائے ترکی وغیرہ کے مسلمانوں کو دیکھئے جن میں کروڑوں کی تعداد نے زندگی بھر اس سنت کو بغیر گائے کی قربانی کے ادا کیا ہے"۔ عوام بیچارے اس پر پیچ تاریخی جملے سے یہ سمجھے کہ گائے کو قربانی کے لئے تمام بلاد اسلامیہ کے مسلمان چھوتے بھی نہیں لیکن خفیف سایہ شبہ عوام کو رہ جاتا تھا کہ شاید اس دور سے پیشتر عہد رسالت

صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں گائے قربانی ہوتی ہو یا ہوئی ہو اس شبہ کو مٹا دینے کے لئے حکیم صاحب نہایت شد و مد سے ایک حدیث میں کچھ اپنی طرف سے اضافہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ "اس حدیث سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں علی العموم بکری کی قربانی کا رواج تھا۔"

مسلم لیگ میں جب رزولیوشن پیش ہونے لگے تو ڈاکٹر انصاری صاحب نے ترک قربانی گاؤ کا رزولیوشن پیش فرمایا جو تھوڑی خوش بیانیوں کے بعد منظور ہو گیا۔ مولانا عبد الباری صاحب فرنگی محل نے قومی و ملکی مجالس سے مراجعت فرماتے ہوئے سہارنپور میں ایک تقریر فرمائی جس میں مسئلہ قربانی کے متعلق جو کارروائی مسلم لیگ نے انجام دی تھی اس کی تائید و تحسین میں کافی زور دار الفاظ ارشاد فرمائے۔

مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی کا مسلمانان کرتارپور کے پاس صحیفہ متعلق ترک قربانی گاؤ بھیجنا۔ ڈاکٹر انصاری صاحب کا خلافت کی حمایت میں ایک سال قبل صدائے احتجاج بلند فرمانا۔ پھر نومبر میں جلسہ خلافت کا انعقاد اور گاندھی صاحب کی ایک جلسہ میں صدارت اور مولانا عبد الباری صاحب کا اثنائے تشکر و امتنان میں ترک قربانی گاؤ کا سرسری تذکرہ پھر دوسرے ہی مہینے میں چند ہفتوں بعد مسلم لیگ کا جلسہ اور اس میں انہیں ارکان ثلٰثہ کا یکے بعد دیگرے اس مسئلہ کو اس طرح طے کر ڈالنا کہ مستغنی عن الالقاب عالی جناب حکیم صاحب خطبۂ صدارت میں ملکی سیاسی اور مذہبی پہلو سے ترک قربانی گاؤ پر زور دیتے ہیں ڈاکٹر انصاری صاحب رزولیوشن کی شکل میں پیش فرماتے ہیں جو منظور ہو جاتا ہے۔ مولانا عبد الباری صاحب سہارنپور ہو کر تحسین و تائید فرماتے ہیں اب وہ نذرانہ اور گراں بہا تحفہ جو سرکار ہنود میں پیش ہونے والا تھا جس کے لئے سارے اہل دربار ہمہ تن چشم براہ تھے۔ جس کا ذکر سٹر ہارنیگو کے

سامنے پیش ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے وفد نے اپنے ایڈریس میں کیا تھا نیز جس کے
متعلق ہو صہ سے اشاروں اور استعاروں میں ذکر ہوا کرتا تھا اب وہ اس قابل ہو گیا کہ سارے
ہندوستان کے مسلمانوں کا ہاتھ اس نذر و ہدیہ میں شامل ہو۔

واقعات اور نتیجہ واقعات صدر کو ذہن میں رکھکر ہر سمجھدار اور ذی فہم اپنے طور پر اس کا
فیصلہ کرے کہ ترک قربانی گاؤ کا فیصلہ لیڈروں نے کب سے کر لیا تھا۔

توقف کی ساعتیں محض اس تدبیر میں بسر ہوئیں کہ ایسے اسباب و وسائل مہیا ہو جائیں
جن کی وساطت سے عوام اسے حق تلفی نہ سمجھیں بلکہ مذہبی اعانت سمجھکر دفعتہً لبیک کہہ اٹھیں اگر
واقعات کے تسلسل اور افعال کی کڑیوں کو یکجا ترتیب دینے سے کوئی نتیجہ صحیح پیدا ہو سکتا ہے
تو پھر واقعات مذکورۂ بالا کے تسلسل سے اس صحیح نتیجہ پر پہونچے کہ یہ دلفریب اور لبھانے والی
باتیں محض کہنے کے لئے ہیں کہ مقاصد خلافت کی اہمیت اور بقائے خلافت کی شرعی ضرورت
ہمیں مجبور کرتی ہے کہ گائے کی قربانی کو خلافت پر سے قربان کر دیا جائے۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اگر ہندو ترک قربانی گاؤ کی تحریک کرتے تو عامۂ مسلمین ہرگز
ہرگز اس کو تسلیم نہ کرتے۔ لیڈر صاحبان بھی اگر اس کی اپیل سیاسی اور ملکی پہلو سے پیش فرماتے
تو ناکامیاب رہنے کا ظن غالب تھا اس جیسے مسئلہ کے لئے اسی کی ضرورت تھی کہ شرعی اور مذہبی
لباس میں اسے مسلمانوں کے سامنے لایا جائے یہ نپولین کی پالیسی تھی کہ وہ مذہب کا نام
نہایت گرمجوشی سے لیتا اور مذہبی بننے میں کمال مبالغہ سے کام لیتا تھا یہاں تک کہ بعضوں کو
اس کے اسلام و مسلمان ہونے کا دعوکا ہو جاتا تھا کہ تالیف قلوب کا یہی ایسا وحید
ذریعہ ہے جسے ہمہ گیری کا حق حاصل ہے۔ نپولین کی اسی پالیسی کو مدنظر رکھکر اس وقت لیڈروں
نے بھی مقاصد کانگریس کی تکمیل کے لئے جو مجلس منعقد فرمائی ہے اسے دلکش و دلگیر بنانے کے لئے

خلافت کمیٹی کا لقب دیا ہی تاکہ نہایت سہولت سے مسلمانان ہندوستان کی گردنیں ہندؤں کی غلامی و اطاعت میں سربسجود ہوجائیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور۔

کانگریس کے دو اصول

مقاصد کانگریس کے دو اصول کہیئے یا ان کے تحت میں سارے جزئیات داخل ہیں ایک کا تعلق حکومت سے ہے اور دوسرے کا مسلمانوں سے۔

مطالبات و اختیارات ملکی کا تعلق حکومت ہند سے ہی جس کے لیے ہندوؤں نے ہر طرح کی کوششیں کیں۔ بندہ ماترم کا پرجوش نعرہ ایجاد کیا۔ سدیشی کی تحریک کی یورپ کو بائیکاٹ کرنے کی قوم میں اپیلیں شائع کیں۔ ہڑتال عام کی بنیاد رکھی۔ انتہا یہ کہ بم بنانا سیکھا اور متعدد مواقع پر اپنے استعمال کی مشاقی بھی ظاہر کی۔ لارڈ ہارڈنگ کا واقعہ صفحات تاریخ میں بہت نمایاں مقام رکھتا ہی جس کے پہلو میں کوئی دوسرا واقعہ لکھا نہیں جا سکتا۔ غرض جد وجہد کے جس قدر راستے ممکن تھے اُن سب پر یہ چلے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ بہت کچھ کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن

مقصد کانگریس کا دوسرا حصہ جس کا تعلق مسلمانوں سے تھا اس کے اُس خاص شعبہ میں تو ہندوؤں کو کامیابی ضرور حاصل ہوئی جس کا تعلق دفاتر ملازمت اور ممبری کونسل میونسپل و لوکل بورڈ وغیرہ سے تھا۔ لیکن اہم ترین جز یعنی امور مذہبی میں ذرہ برابر بھی انھیں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ مسلم بسبب ظلم و ستم سے یا بغیر حق شرعی ہلاک کیا جائے تو وہ مرتبہ شہادت سے فائز ہوتا ہی۔ یہی ذوق شہادت تھا جس نے مسلمانوں کو جادہ استقامت سے ہٹنے نہ دیا۔ ہندو کے ہر طرح کے مظالم کے مقابلہ میں سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوگئے اور اپنی روحانی قوت اور ایمانی طاقت سے ہندوؤں کے جم غفیر کو خس و خاشاک ثابت کر دکھایا۔

وہ پریشان کن مہلک تدبیریں جن کی وساطت سے ہندوؤں نے سلطنت سے بہت کچھ

حاصل کرلیا مسلمانوں کے مقابل میں سب کی سب بے سود ثابت ہوئیں لیکن آج ہنود کے انھیں مطلوبات اور مقاصد کی تحصیل جلسہ خلافت کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے پھر اسے اگر کوئی کانگریس کا مرادف کہے تو یہ غلط کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہندو گائے کی قربانی میں پچاس برس سے مزاحمت کر رہے ہیں ظلم و درندگی کی کوئی قسم ایسی نہیں جسے نہایت بیباکی سے مسلمانوں کے ساتھ ہندو نے برتا ہو لیکن آج سیاسی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اگر ہنود گائے کی قربانی چھوڑنے کی تحریک کریں یا اس پر مزاحم ہوں تو صورت مسئلہ کی بدل جاتی ہے۔ مباح و مستحب مسلمانوں پر واجب ہو جائے گا۔ اس قضیہ شرطیہ کے سمجھنے کے لئے جس خاص دماغ کی حاجت ہے وہ علماء سیاست داں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مئو۔ گوپا۔ باڑھ۔ بہار۔ اجودھیا۔ آرہ۔ شاہ آباد اور کٹار پور میں جو واقعات ہوئے شاید ان ہنگاموں اور خوں ریزیوں کی علت قربانی گاؤ پر ہندوؤں کا مزاحم اور حملہ آور ہونا نہ ہوگا۔ بلکہ ہندو گائے لا کر مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے تھے کہ تم انھیں گاؤں کی قربانی کرو۔ جو ہماری پرورده و مملوکہ ہیں اور جسے ہم برادرانہ حیثیت سے تمھیں ہدیۃً پیش کرتے ہیں اور مسلمان ان گاؤں کی قربانی کرنے سے نخشنا کی و تندی انکار کرتے تھے۔ آخر بات بڑھی اور فساد ہو پڑا۔

علمائے سیاسی سے ایک استفسار

براہ مہربانی سیاسی علماء اسے واضح طور پر بیان فرمائیں کہ یہ سارے جاں ستاں واقعات جبکہ ان کے نزدیک نہ منع کرنا ہے نہ روکنا ہے نہ مزاحمت ہے حد یہ کہ ان واقعات کا مرتبہ درخواست کا بھی نہیں تو آخر ہنود مسلمانوں کے ساتھ اور کونسا طریقہ ظلم اختیار کرتے جسے آپ مزاحمت سمجھتے اور یہ فتویٰ دیتے کہ مسلمانان ہند پر گائے کی قربانی اب واجب ہو گئی اس لئے کہ ہندوؤں کی جانب سے مزاحمت اور منع پایا گیا۔

لیڈر ترک قربانی گاؤ کے لئے جن افسوسناک طریقوں کو عمل میں لا رہے ہیں

نہیں آتا کہ ایسی بیبا کی پر باوجود مسلمان ہونے کے اُنھیں جرأت کیوں کر ہوئی۔ عام طور پر مسلمانوں کے سامنے یہی پیش کیا گیا کہ ہم خلافت اور مقامات مقدسہ کے لئے انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور اُن کے مظالم کا عوض لیتے ہیں ہندو ہمارا ساتھ دیتے ہیں تم بیت اللہ اور حرم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم) کو بچالوگے اگر گائے کی قربانی موقوف کردو۔

خاص دہلی میں عشرہ ذی الحجہ کے موقع پر اُونٹوں کا گشت جن پر جلی قلموں میں اس طرح کے فقرات تختیوں پر چسپاں جن سے ہر مومن کا دل کانپ اُٹھتا تھا کھڑ خوب خوب تشہیر ہوئے پھر نہایت سختی سے بعض مجبور کرنے والی تدابیر سے بھی انسداد کافی کیا گیا۔ بمبئی کے مسلمانوں پر بھی خلافت کمیٹی نے قربانی گاؤ پر ستم کرنے میں کچھ کمی نہیں کی۔ خلافت کمیٹیاں کیا ہوئیں کہ گائے کی قربانی کرنے والوں پر ایک آفت وبلا ہوئی۔ اس سے قبل جو حصّہ ظلم کا ہندوؤں سے باقی رہ گیا تھا اسے فدائیان ہنود نے اسلام کا نام لے کر مسلمانوں پر تمام کردینے کا عزم بالجزم کرلیا ہے۔ یا ارحم الراحمین ہم مسلمانوں پر رحم فرما اور اس آئے ہوئے فتنہ کو ہمارے سروں سے دُور کر بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔ طُرفگی یہ کہ اگر کوئی بر سبیل خیر خواہی و نصیحت دینی ان لیڈروں کے طرز میں کچھ اصلاح پیش کرے یا ترمیم کا خواستگار ہو تو اُسے کافر بیدین قوم فروش غدار وغیرہ کہکر مجمع و محفل میں فضیحت کر ڈالیں عوام کی فوج ان کے ہاتھوں میں ہے انھیں جس پر چاہیں بھڑکا دیا لہکا دیا اہلِ حق اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے ہیں اور اپنی مظلومیت کی مولیٰ تبارک وتعالیٰ سے فریادیں کرتے ہیں نجات کی دعائیں مانگتے ہیں یہ ظلمہ اپنے نشۂ ظلم میں سرشار و غافل اُمّت کی تباہی میں سرگرم ہیں۔ وہ ساعت دُور نہیں جبکہ رحمت الٰہی مظلوموں کی فریاد پر لبیک جلدی فرمائے۔

مسٹر گاندھی اور ان کے چار پانچ مسلمان متبعین اس وقت اس طرح غوغا و ہنگامہ برپا کررہے ہیں

حاصل کرلیا مسلمانوں کے مقابل میں سب کی سب بے سود ثابت ہوئیں لیکن آج ہنود کے انھیں مطلوبات اور مقاصد کی تحصیل جلسہ خلافت کے ہاتھوں سے ہو رہی ہے پھر اسے اگر کوئی کانگریس کا مرادف کہے تو یہ غلط کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ہندو گائے کی قربانی میں پچاس برس سے مزاحمت کر رہے ہیں ظلم و درندگی کی کوئی قسم ایسی نہیں جسے نہایت بیباکی سے مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں نے برتا ہو لیکن آج سیاسی علما یہ فرماتے ہیں کہ اگر ہنود گائے کی قربانی چھوڑنے کی تحریک کریں یا اس پر مزاحم ہوں تو صورت مسئلہ کی بدل جاتی ہے۔ مباح و مستحب مسلمانوں پر واجب ہو جائے گا۔ اس قضیہ شرطیہ کے سمجھنے کے لئے جس خاص دماغ کی حاجت ہے وہ علماء سیاست داں کے ساتھ مخصوص ہے۔ مؤ۔ گوپا۔ باڑھ۔ بہار۔ اجودھیا۔ آرہ۔ شاہ آباد اور کٹار پور میں جو واقعات ہوئے شاید ان ہنگاموں اور خوں ریزیوں کی علت قربانی گاؤ پر ہندوؤں کا مزاحم اور حملہ آور ہونا نہ ہوگا۔ بلکہ ہندو گائے لاکر مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے تھے کہ تم انھیں گاؤں کی قربانی کرو۔ جو ہماری پروردہ و مملوکہ ہیں اور جسے ہم برادرانہ حیثیت سے تمھیں ہدیۃً پیش کرتے ہیں اور مسلمان ان گاؤں کی قربانی کرنے سے بخشمناکی و تندی انکار کرتے تھے۔ آخر بات بڑھی اور فساد ہو پڑا۔

علمائے سیاسی سے ایک استفسار

براہ مہربانی سیاسی علما اسے واضح طور پر بیان فرمائیں کہ یہ سارے جاں ستاں واقعات جبکہ ان کے نزدیک نہ منع کرنا ہے نہ روکنا ہے نہ مزاحمت ہے حد یہ کہ ان واقعات کا مرتبہ درخواست کا بھی نہیں تو آخر ہنود مسلمانوں کے ساتھ اور کون طریقہ ظلم اختیار کرتے جسے آپ مزاحمت سمجھتے اور یہ فتویٰ دیتے کہ مسلمانانِ ہند پر گائے کی قربانی اب واجب ہو گئی اس لئے کہ ہندوؤں کی جانب سے مزاحمت اور منع پایا گیا۔

لیڈر ترک قربانی گاؤ کے لئے جن افسوسناک طریقوں کو عمل میں لائے سمجھ میں

نہیں آتا کہ ایسی بیباکی پر باوجود مسلمان ہونے کے انھیں جرأت کیوں کر ہوئی۔ عام طور پر مسلمانوں کے سامنے یہی پیش کیا گیا کہ ہم خلافت اور مقامات مقدسہ کے لئے انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور اُن کے مظالم کا عوض لیتے ہیں ہندو ہمارا ساتھ دیتے ہیں تم بیت اللہ اور حرم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وبارک وسلم) کو بچالوگے اگر گائے کی قربانی موقوف کر دو۔

خاص دہلی میں عشرہ ذی الحجہ کے موقع پر اُونٹوں کا گشت جن پر جلی قلموں سے اس طرح کے فقرات تختوں پر چسپاں جن سے ہر مومن کا دل کانپ اُٹھتا تھا لکھکر خوب مشتہر ہوئے پھر نہایت سختی سے بعض مجبور کرنے والی تدابیر سے بھی انسداد کافی کیا گیا۔ بمبئی کے مسلمانوں پر بھی خلافت کمیٹی نے قربانی گاؤ پر ستم کرنے میں کچھ کمی نہیں کی۔ خلافت کمیٹیاں کیا ہوئیں کہ گائے کی قربانی کرنے والوں پر ایک آفت وبلا ہوئی۔ اب جو حصہ ظلم کا ہندوؤں سے باقی رہ گیا تھا اُسے فدائیان ہنود نے اسلام کا نام لے کر مسلمانوں پر تمام کر دینے کا عزم بالجزم کر لیا ہے۔ یا ارحم الراحمین ہم مسلمانوں پر رحم فرما اور اس آئے ہوئے فتنہ کو ہمارے سروں سے دُور کر بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد۔ طرفگی یہ کہ اگر کوئی برسبیل خیرخواہی ونصیحت دینی ان لیڈروں کے طرز میں کچھ اصلاح پیش کرے یا ترمیم کا خواستگار ہو تو اُسے کافر بیدین قوم فروش غدار وغیرہ کہکر مجمع ومحفل میں فضیحت کر ڈالیں عوام کی فوج ان کے ہاتھوں میں ہے انہیں جس پر چاہا بھڑکا دیا لہکا دیا اہل حق اپنے گھروں میں خاموش بیٹھے ہیں اور اپنی مظلومیت کی مولیٰ تبارک وتعالیٰ سے فریادیں کرتے ہیں نجات کی دعائیں مانگتے ہیں یہ خلیہ اپنے نشۂ ظلم میں سرشار و غافل اُمت کی تباہی میں سرگرم ہیں۔ وہ ساعت دُور نہیں جبکہ رحمت الٰہی مظلوموں کی فریاد پر لبیک جلدی فرمائے۔

مسٹر گاندھی اور ان کے چار پانچ مسلمان متبعین اس وقت اس طرح غوغا وہنگامہ برپا کر رہے ہیں

کہ حق کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ آج کفر کا فتویٰ اُن کی بارگاہ سے صادر ہو رہا ہے جو خود حقیقت کفر و شرک اور ایمان و اسلام دونوں سے نا آشنا ہیں۔

تعلیم و تلقین کا اہل

اسلامی تاریخوں پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ فتنہ کچھ انوکھا اور عجیب نہیں ہے گمراہ کرنے کے لیے بہت تھوڑا سا سامان اور قلیل مہلت چاہیے ہاں ہدایت ایک امر اہم ہے جس کے لیے حق سبحانہ نے ایک خاص سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری فرمایا جو ہمارے پیغمبر پر آکر ختم ہو گیا پیغمبر روحی فداہ کے بعد وہی سچی ہدایت کر سکتا ہے جس کا قدم منہاج نبوۃ پر ہو اور جس کی تعلیم و تلقین تحت وحی الٰہی و احادیث مصطفوی ہو۔ دوستو! عوام کی فوج جس سرعت عقیدت کے ساتھ دوڑ کر آتی ہے اُس سے بہت زیادہ تیزی سے دوڑ کر بھاگ بھی جاتی ہے۔ پھر انھیں معتقد بنانے کے لیے عقائد اسلامیہ کو کیوں تباہ کرتے ہو ان کی ارادت و خوش عقیدگی کیوں کر تمہاری زندگی میں حلاوت بخشے گی جب کہ تمہارا مولیٰ عزوجل تم سے ناراض ہو گیا۔ ان کے انکار و اکراہ سے ڈرتے کیوں ہو جبکہ تمہارے کاموں کو تمہارا رب العزۃ پیار و رحم کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے ؎

از پے رد و قبول عامہ خود را اخر مکن ۔۔۔ زانکہ نبود کار عامہ خرخری و فرفری

گاؤ را دارند باور در خدائی عامیاں ۔۔۔ نوح را باور ندارند از پے پیغمبری

سیلاب مغالطات و تحریف حدیث

جلسہ خلافت کی بنیاد ۱۹۱۹ء کی ۲۰ ارنومبر کو بمقام دہلی جبکہ ہندو اور مسلمانوں نے مل کر رکھی اور پھر اس کی کارروائیاں اخبار و جرائد میں مطبوع ہوئیں حیرت ہوتی تھی کہ الٰہی یہ مسلمانوں کی عقل کو ہو کیا گیا ہے جواب عالم الغیب قادر مطلق سمیع و بصیر سے بھی پالیسی کرنے لگے اسی حیرت میں تھا کہ لیگ کا جلسہ ہوا اور حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کا خطبہ صدارت دیکھنے میں آیا وہاں بھی وہی رنگ مغالطہ سر تا سر

پایا گیا بلکہ حکیم صاحب نے ایک قدم بڑھکر یہ جرأت بھی فرمائی کہ حدیث شریف کا ایک جملہ نقل کرتے ہوئے ایک لفظ بڑھا دیا اور الخ لکھکر ترجمہ اور نتیجہ بیان فرمایا وہی لفظ جس کا اضافہ فرمایا گیا دار و مدار دلیل اُسی کی وجہ سے چند سطور کی تحریر الخ لکھکر نقل ناتمام چھوڑنے سے یہ فائدہ کہ ناظرین کا ذہن اس بے ربط اضافہ سے متوحش نہ ہونے پائے چند روز تک سمجھ میں نہ آیا کہ اس طرح جعل اور تحریف سے کیا مدعا مقصود ہے آخر ایک خط لکھا جس میں نہایت نیازمندانہ طور پر یہ سوال تھا کہ حضرت ام سلمہ سے مروی روایت کس کتاب سے آنجناب نے نقل فرمائی جواب میں سکوت رہا شاید خط ضائع ہوا۔ فقیر خود دہلی گیا یہ رجب کی اوائل تاریخوں کا ذکر ہے مسلم یونیورسٹی کا وفد اُس وقت دہلی گیا ہوا تھا۔ در دولت پر جا کر معلوم ہوا کہ طبیعت ناساز ہے پاؤں میں کچھ شکایت ہو گئی ہے دوسرے دن پھر پہونچا معلوم ہوا کہ مدن موہن مالویا صاحب سے کچھ مشورہ ہو رہا ہے۔ بعض حضرات اہلِ علم جن کی آمدورفت جناب حکیم صاحب کے یہاں جاری ہے اُن کی خدمت میں پیام بھیجا کہ حدیث شریف میں جو غلطی ہو گئی ہے اُس کی تصحیح کی طرف حکیم صاحب کو توجہ دلائیے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کوشش بھی بے اثر ثابت ہوئی۔

چوتھی رجب کو سرکار اجمیر آستانہ غریب نواز پر حاضر ہوا۔ ایک دن بعض علماء سیاسی سے ملاقات ہوئی عرض کیا کہ یہ فتنہ عظیم ہے ہنود کی خاطر مسلمانوں کا گلا نہ گھونٹئے۔ دیکھئے حدیث میں جعل و تحریف تک کی نوبت آگئی تین مہینے گزر گئے اور کوئی اعلان نہیں کرتا ہے کہ اصل حدیث میں لفظ شاۃ نہیں ہے غلطی سے لکھا گیا ہے۔

ہر ایک شخص جس کے پاس خطبۂ صدارت مسلم لیگ ہو اس مقام خاص کی تصحیح کر لے نیز علماء مؤیدین اتحاد ہندو مسلم کا یہ فرض ہے کہ اتحاد کے حدود متعین فرمائیں عوام کو فتنہ

لگانے اور مندروں میں جا کر ریوڑیاں بتوں پر چڑھانے سے منع کریں اور ان افعال کی شناعت کھلے لفظوں میں بیان فرمائیں ورنہ ایمان کی بربادی کا خطرہ ہے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ فقیر کی اس التماس کی علماء سیاسی کی خدمت میں بھی ذرہ برابر شنوائی نہ ہوئی آج تک وہی سکوت ہے وہی اعراض ہے وہی چشم پوشی ہے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ رہے سہے اعمال قبیحہ مسلمانوں نے تلک آنجہانی کی مصنوعی لاش کے موقع پر ادا کیے اور علماء سیاسی نے پھر اپنے سکوت سے ان امور کے جواز و استحسان پر تازہ مہر ثبت فرما دی۔

جمعیت کا پہلا اجلاس اور فقیر کی التماس

کانپور میں بماہ رجب ایک بڑے پیمانہ پر علماء کا جلسہ ہوتا ہے کہ وہاں کے بعض کارکن علماء سے یہ استدعا پیش کی گئی کہ مسلمانوں کو اعمال شرک و کفر میں شریک ہونے سے باز رکھیے اور قربانی گاؤ کے متعلق غلطی تسلیم کر لیجیے لیکن جواب وہاں سے بھی سکوت ہی پایا ملا ہر طرف سے مایوس ہو کر انتہائے بیقراری میں فقیر نے رسالہ الارشاد لکھا اور مسلمانوں کو امر حق سے آگاہ کیا اس رسالہ کی اشاعت اوّل عشرۂ رمضان المبارک میں ہوئی لیڈران قوم کے پاس ٹکٹ چسپاں کر کے نسخے بھیجے گئے تین ماہ کے عرصہ میں تقریباً تین ہزار نسخے مختلف امصار و قصبات میں تقسیم ہوئے اب آ کر جبکہ خطبۂ صدارت مسلم لیگ کو آٹھ مہینے اور الارشاد کی اشاعت کو کامل تین مہینے گذر چکے حکیم صاحب اپنی غلطی کا اعتراف پیچ در پیچ اعتراض و سوال و اپیل کے لپیٹ میں تحریر فرماتے ہیں حالانکہ مذہبی نقطۂ نظر سے یہ ایسی خطائے فاحش تھی جس کا اعلان بلا جواز توقف حکیم صاحب کو بذریعۂ تار مختلف و متعدد اخبارات و جرائد میں اب سے بہت قبل کرنا تھا ساتویں ذی الحجہ کا اخبار البشیر جو بیرونجات میں عین بقرعید کے روز پہونچا ہوگا اُس میں اس طرح اعتراف کرنے سے یہ مقصد و مطلب ہے کہ مسلمانوں کو اقرار کا علم بھی اُس وقت ہو جب کہ سب مراحل قربانی کے طے

پا جائیں اسی کے ساتھ حق پسندی کی داد مل جائے گی۔

خیر یہ تو اپنا اپنا ذوق مذہبی ہے جس کے دل میں حدیث مصطفوی کی عظمت ہے وہی یہ بھی جان سکتا ہے کہ اس طرح کی خطا کا کفارہ کیوں کر ادا ہو تا ہے مجھے تو حکیم صاحب کے ایک سوال کا جواب دینا ہے جسے صاحب موصوف نے اپنی غلطی کا اعتراف فرماتے ہوئے آخر میں پیش فرمایا ہے حکیم صاحب تحریر فرماتے ہیں "میرے اوپر ایک یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حدیث اذا اراد اللہ بکم ان یقضی بالشاہ میں آخری لفظ شاہ کا کسی کتاب میں نہیں ہے میں اس اعتراض کو قبول کرتا ہوں اور یہ بات ظاہر کرنی ضروری خیال کرتا ہوں کہ یہ لفظ محض غلطی کی وجہ سے لکھا گیا در اصل یہ کسی حدیث کا جزو نہیں ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ اعتراض کرنے والے بزرگ اس سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں"

ارشاد پر اعتراض کا جواب

فقیر نے حکیم صاحب پر اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ ایک تحقیقی اور واقعی امر کا اظہار تھا رہا فائدہ وہ حکیم صاحب ہی بیان فرمائیں کہ کون سا مقصد حاصل کرنا تھا جس کے لئے حدیث میں اضافہ کی حاجت ہوئی اور اب کہ غلطی کا اعتراف ہے ان پانچ سطروں کا خطبۂ صدارت میں کیا فائدہ ہے۔

فقیر کا اس کشفِ حقیقت سے صرف یہی مدعا تھا کہ عالی جناب حکیم صاحب اپنی غلطی پر متنبہ ہو جائیں اور مسلمانوں کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ ایک لفظ اپنی طرف سے بڑھانا اور اسی اضافہ کو مقام استشہاد میں لانا اس خطبۂ صدارت میں صرف اسی ایک جگہ ہوا ہے جہاں حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے بقیہ حوالے اعیان و وزرائے انگلستان کے صحیح ہیں کسی طرح کے شک و شبہ کو اس میں دخل نہ دینا چاہیئے اس کے سوا نہ کوئی مدعا نہ کچھ اور فائدہ۔

ارباب بصیرت جن کی آنکھیں نورِ ایمان سے منور ہیں انہوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ آیا اسلام

اور اسلامی خلافت کی حمایت کی جا رہی ہے یا کفر و شرک کا طغیان ہے جو مسلمانان ہند پر لایا جا رہا ہے:-

جنگ بلقان اور موقع مناسب کا اتلاف

شاید مسلمانوں نے ابھی وہ عہد فراموش نہ کیا ہو جب کہ جنگ طرابلس شروع ہوئی اور اس کے ختم ہونے سے پیشتر بلقان کی لڑائی چھڑ گئی اُس وقت خلافت کی ہمدردی میں جو جوش مخلصانہ مسلمانوں میں پیدا ہوا تھا وہ موجودہ حمایت خلافت سے اپنی شکل و صورت اور طرز و انداز جداگانہ ہی رکھتا تھا اُس میں نہ تو کسی ہندو کی لیڈری تھی نہ مسلمانوں کو ان کی غمگساری کی حاجت وہ ایک ایسا موقع بیداری کا مسلمانوں کے لئے آیا تھا کہ رہنمایان قوم اگر چاہتے تو مسلمانوں کی آنکھوں سے نیند کا خمار بھی دفع ہو جاتا لیکن ہزار افسوس اس بدنصیب قوم پر جسے بیداری کے بعد پھر خواب آور دوا پلادی گئی۔

وفد طبیہ کا قسطنطنیہ سے واپس آنا تھا کہ اسلامی جذبات خالص سیاسیات ہند کی طرف پھیر دیئے گئے میدان جنگ میں ایک لمحہ کے لئے خاموشی کیا ہوئی کہ لیڈروں نے بھی خلافت کی خدمت گذاری کسی آئندہ موقع کے لئے اُٹھا کر رکھدی۔

حوادث پیہم و مسلسل وقوع پذیر ہوتے رہے مہینہ پر مہینہ گزرتا رہا برس پر برس ختم ہو گئے لیکن نہ کوئی چندہ حرمین شریفین کے لئے جمع کیا گیا نہ مسلمانوں کے سامنے خلافت کی ضرورت پیش کی گئی نہ کوئی خالص مذہبی تحریک محض اسلامی نقطۂ نظر سے سامنے لائی گئی گویا ساری تحریکیں موسمی تھیں جن کا وجود تغیر موسم کے ساتھ نیست ہو گیا اس عرصہ میں انجمنیں ہوتی رہیں جلسوں میں بھی گرما گرمی رہی لیکن مذہب و ملت کی کس مپرسی علی حالہ رہی اس بیکسی کی طرف کسی نے ایک نگاہ بھی نہ ڈالی لیڈروں کی اب یہ کوشش تھی کہ مادر وطن جس کی خدمت گذاری

کی سعادت سے مدتوں محرومی رہی اُس کے حقوق ادا کرنے کا وقت آگیا رہے مذہب کے حقوق (البتہ بلکہ اُن کا وجود تسلیم بھی کر لیا جائے) پھر دیکھا جائے گا کہ ملکی بھائیوں کی غمگساری اور پشت پناہی کے مقابل میں دینی بھائیوں کی امداد کا ذکر بھی گناہ ہے لہذا اُن سے اعراض و چشم پوشی ہی چاہیے۔

یہ سارا عہد سکوت اسی میں بسر ہوا کہ مسلمان لیڈر کانگریس اور لیڈران کانگریس میں مدغم ہو جانے کے لئے ہر طرح کی سعی کرتے رہے یہاں تک کہ رولٹ بل کا وقت آیا اور ستیاگرہ کی ایجاد ہوئی اُس وقت عجیب عجیب طرح سے مسلمانوں نے دین کی توہین کی تاکہ اہل ہنود کو یہ یقین ہو جائے کہ تمہاری اطاعت کے سامنے مذہب کی اطاعت یوں قربان کیجا سکتی ہے۔

واقعۂ پنجاب اور یاد خلافت

پنجاب میں ستیاگرہ کے موقع پر کچھ ایسی پیچیدگیاں پڑ گئیں کہ معاملہ مارشلائی تک پہونچا یہ زخم ہندوؤں کے دل پر ایسا گہرا لگا کہ اُس کا اندمال کب ہوگا اور کیوں کر ہوگا اسے کوئی بتا نہیں سکتا اب اُنھیں ضرورت ہوئی کہ مسلمانوں میں بھی کوئی عام اشتغال ہوتا تو اس گرما گرمی میں اُس مقصد کی راہ جس کی طرف آر بند وگھوش نے رہنمائی کی اور جس سوا راج کی دلربا تصویر اُس نے دکھائی تھی بہت جلد طے ہو جاتی ہے۔

ہندوؤں میں اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ جاں نثاروں نے فوراً خلافت کا مسئلہ تیار کر لیا اُسی بیکس مذہب اور اُسی کس مپرس دین کا نام لے کر مسلمانوں کو للکارنے لگے خلافت کے لئے بزم ماتم قایم ہوئی جلسہ ہوا ہڑتال کی تجویز ہوئی اور روزہ کا بھی حکم دیا گیا دیکھئے اطاعت اس کا نام ہے ستیاگرہ کے موقع پر مسٹر گاندھی کا یہی حکم تھا کہ فلاں روز روزہ رکھا جائے دُکانیں بند ہوں رزولیوشن پاس کئے جائیں اور مندر و مسجد میں دعائیں بھی ہوں رولٹ بل پر ہندوستانی اس طرح اظہار ناراضامندی کریں آج خلافت کے متعلق بھی اُسی سبق کو بعینہٖ و بجنسہٖ

ٹھہرا دیا گیا گویا مسلمانوں کے مذہب میں دفع مصائب وآلام کے متعلق بالکل سکوت ہے یا مسٹر گاندھی کی تجویز مذہبی تعلیم سے ارفع واعلیٰ ہے۔

اب خلافت کمیٹی کی بنیاد پڑی چندہ کی تحریک ہوئی ماتحت کمیٹیاں ہر شہر وقصبات میں قائم کی گئیں علماء سے فتویٰ پوچھا گیا غرض خلافت کے لئے ہر ممکن العمل تجاویز کا یکبارگی آغاز ہوگیا۔

خلافت کا نام اور سوراج کا کام

عوام اور سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ دین کی خدمت ہمارے لیڈر بڑی جانبازی وسرفروشی سے کر رہے ہیں لیکن تعمق نظر سے جب تحریکات پر کسی نے نظر ڈالی تو اُسے صاف معلوم ہوگیا کہ ہندوؤں کے چبائے ہوئے نوالے ہیں جسے ہمارے لیڈر منہ میں پھیر رہے ہیں وہی سودیشی جس کی ایجاد کو بیس پچیس برس ہوئے وہی بندہ ماترم بایں الفاظ کہ ہندو مسلمان کی جے وہی بائیکاٹ یورپ وہی ہڑتال یہ سب تجویزیں بلحاظ مستقیم صلاح وفلاح ملک سے متعلق ہیں اور ان سب کے ایجاد کا سہرہ ہندوؤں کے سر ہی جو ہندوستان کو اپنا ملک کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں جن کا دعوئی ہی ہند واور ہندوستان۔ رہے مسلمان اُن کا تعلق اسی سے سمجھئے کہ ایک امر شرعی ومذہبی جس کا مرتبہ استحسان واستحباب کا بتایا گیا ہو نہایت خوشی سے مسلمانوں سے ہندوستان اور یہاں کی دولت وتعلقات کو ترک کرا سکتا ہی جیسا کہ مسئلہ ہجرت کے وقت علاً ثابت ہوچکا۔

ہر وہ ایجاد اور ہر وہ تحریک جو کسی قوم کی ہو جب اُسے دوسری قوم اختیار کرے تو یہ اُس ایجاد وتحریک کی انتہائی کامیابی ہے پس یہ ساری تحریکیں ہندوؤں نے اپنے ملک کے لئے کی تھیں جنھیں آج مسلمانوں نے اختیار کرکے اُن کی کامیابی پر مہر لگا دی سودیشی اور بائیکاٹ کی ایجاد ہندوؤں نے اس لئے کی تھی کہ ملک کی دولت ممالک غیر میں کھنچکر

جانے سے محفوظ رہے صنعت وحرفت جس کا نام ونشان بھی اب باقی نہ رہا ان کا نہ صرف رواج ہو بلکہ مرتبہ کمال تک انھیں پہونچایا جائے اہلِ ملک آسودہ ہوں اور خود ملک صنعت وحرفت دولت وتجارت سے بارونق ہو جائے۔

ہڑتال کی ایجاد

ستیاگرہ کے موقع پر ہڑتال کی ایجاد ہندوستان میں مسٹر گاندھی کی تحریک کا نتیجہ ہے یہ وہی چھیڑ چھاڑ ہے جس کا مزہ بتیس برس سے ہندو لے رہے ہیں۔ ہندوؤں کا قدم ہر روز آگے کی طرف بڑھتا جاتا ہے جو آج اُن کا مقصد ہے کل آئندہ وہ حاصل ہو کر اپنے سے بلند مقصد کے لئے واسطہ بن جاتا ہے۔

سُودیشی اور بائیکاٹ کی اُسی مدت تک گرما گرمی رہی جب تک تمام ہندواس کی اہمیت وخوبی نہ سمجھ لئے۔ جب ملک نے اس تحریک کی حقیقت سے آشنائی حاصل کر لی تو پھر انھیں آگے بڑھنے کے لئے کہا گیا آخر ایک وہ وقت آیا کہ ایک محدود دائرہ میں ہڑتال کی تحریک پیش کی گئی اور کامیابی بھی ہوئی یہ بہت ہی پر لطف اور بارآور چھیڑ ہے ابھی ہڑتال دُکانوں تک ہی ذرہ اس کے فوائد اہلِ ملک سمجھ جائیں تو پھر اس کا دائرہ وسیع کیا جائیگا غرض اس وقت تک خلافت کمیٹی نے جو عملی تجاویز مسلمانوں کے سامنے پیش کی ہیں وہ سُودیشی اور ہڑتال ہی سودیشی کی تحریک بہت قدیم ہے لیکن ہڑتال کی ایجاد ستیاگرہ کے موقع پر ہوئی ہے ان دونوں کا اصلی تعلق صلاح وفلاح ہند سے ہے ہوم رول اور سلف گورنمنٹ کے استقبال کرنے والے خدام انھیں تحریکات کے نتائج واثرات ہیں۔

نان کوآپریشن

اب نان کوآپریشن کے مسئلہ کو لیجئے اور یہ سُن کر حیرت زدہ ہو جئے کہ یہ دوسرا شعبہ ہڑتال کا ہے تعلیم یافتوں کا حلقہ اس کا دائرہ عمل ہے ابھی ہڑتال کی بہت سی اعلیٰ شاخیں برگ وبار کے لئے مناسبت موسم وایام کی منتظر ہیں

سب کیجئے اور دیکھتے جائیے۔

اگرچہ نان کوآپریشن کی صدا عام مسلمانوں کے کانوں میں خلافت کمیٹی ہی نے پہنچائی ہے لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں میگویم

مناسب ہوگا اگر دیگر دلائل سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی کا وہ خط جو نان کوآپریشن کے متعلق چھپ کر تعداد کثیر میں شائع ہو چکا ہے نقل کر دیا جائے تاکہ ہر صاحب عقل اس خط کے ایک ایک فقرہ پر غور کرے اور یہ دیکھے کہ اس مسئلہ کو مذہب اسلام سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔

"مکرمی دام مجدہم۔ السلام علیکم

جناب کا تار وصول ہوا فقیر نان کوآپریشن کے مسئلہ میں بالکل پیرو گاندھی صاحب کا ہے کیونکہ اس طریق کار کا واقف کار نہیں ہے ان کو اپنا راہ نما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمر کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثار بت پرستے کردی

مولانا کے صدق و صفا کا مسلمانوں کو بدل ممنون ہونا چاہیئے جو آپنے اس طرح کھلے اور صاف لفظوں میں حقیقت واقعی کو بالکل ہی بے نقاب فرمادیا اس مسئلہ کو اگر دین و مذہب سے کچھ بھی تعلق ہوتا تو مولانا کھلے الفاظ میں اپنی ناواقفیت کا اقرار نہ فرماتے اگر شریعت اس کی رہنمائی فرماتی تو مولانا صاحب مسٹر گاندھی کو اپنا راہ نما نہ بناتے اگر اس مسئلہ کی تعمیل حکم قرآن و حدیث سے

مسلمانوں پر ضروری تھی تو پھر مولٰنا صاحب یہ کیوں ارشاد فرماتے "جو وہ کہتے ہیں وہی مانتا ہوں" ہر مسلمان جب کہ خدا اور اُس کے برگزیدہ رسول کے حکم کو مانتا ہے تو ایک عالم دین کی شان تو کہیں اس سے ارفع و اعلیٰ ہونی چاہیے۔ خود اپنے نفس نفیس کے لئے جب یوں ارشاد ہو "پیرو گاندھی صاحب کا ہوں" تو پھر مولٰنا کے متبعین و مریدین کا حلقہ بگوشی سے گاندھی صاحب کے دعویٰ خروج سلسلہ ارادت کو اُن کے مجروح کرتا ہے وہ بھی حافظ شیرازی کا یہ شعر اپنے موافق حال وجد و طرب میں اگر پڑھ سکتے ہیں ؎

ما مریداں روبسوئے کعبہ چوں آریم چوں
روبسوئے خانۂ خمار دارد پیر ما

ایک مغالطہ کا ازالہ

ہاں بعضوں کو یہ مغالطہ دیا جا سکتا ہے کہ اگر نان کوآپریشن ہڑتال کا ہی ایک شعبہ ہے اور یہ وہی ستیاگرہ ہے جسے لباس بدل کر سامنے لایا گیا ہے جس کی کامیابی ہوم رول اور سلف گورنمنٹ کی نقیب و چاؤش ہے تو پھر کانگریس میں مخالفت کیوں ہوئی تین دن تک مباحثہ کی گرماگرمی کیوں تھی ہندوؤں نے یہ کیوں کہا کہ ہم ہنود اس مسئلہ کو محض مسلمانوں کی خاطر سے منظور کرتے ہیں اس مسئلہ کا تعلق چوں کہ محض مسلمانوں سے ہے اس لئے پہلے عمل بھی اُنھیں کو کرنا چاہیے مسلمان نمونے اور مثالیں پیش کریں تب ہندو اس پر عمل آرا ہوں گے یہ مغالطہ ادنیٰ تامل سے رفع ہو سکتا ہے۔

ہندوؤں کی جماعت مجسمہ عمل ہے اُن کے لیڈر ایسا کوئی رزولیوشن پاس نہیں کرنا چاہتے ہیں جس کی تائید میں ساری قوم لبیک نہ کہہ اُٹھے۔ بےشک اس مسئلہ میں بعض لیڈران ہنود کا یہ خیال تھا کہ ابھی ملک اس شعبہ میں ہڑتال کے لئے آمادہ نہیں ہے مکمل ہڑتال کے لئے تدریج و آہستگی سے کام لینا چاہیے لیکن مسٹر گاندھی کے خیال میں دہکتے لوہے کو فوراً کوٹنا چاہیے ورنہ ٹھنڈا

ہو کر ہرگز کوتاہ نہ جائے گا۔

مسٹر گاندھی نے اپنی پالیسی سے جو گرمی کہ اس وقت مسلمانوں میں پیدا کی ہے اُس کا بجھنا ہڑتال کے کمال پذیر ہونے میں سم قاتل ہے اس لئے اُن کے خیال میں یہ محض ضروری تھا کہ جلد سے جلد ہڑتال کے تمام شعبے اپنی عملی صورت میں آجائیں۔

رہا ہندوؤں کا یہ کہنا کہ محض مسلمانوں کی خاطر ہے اس لئے عملی نمونہ مسلمان پہلے پیش کریں یہ صرف اس لئے کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی قوت عملی سے ہنود بہت اچھی طرح باخبر ہو گئے ہیں

مسلمانوں کی ہیچ میرز لفاظیاں

جہاں تک رزولیوشنوں کا تعلق ہے یا تقریر کا میدان باندھنا ہے وہاں مسلمانوں کا قدم سب سے آگے ہے دشوار سے دشوار بلکہ ناممکن سے ناممکن امر کے لئے مسلمان رزولیوشن پاس کر دینے کے لئے فوراً آمادہ نظر آئیں گے اسٹیج پر ایسی تقریریں بھی ہو جائیں گی کہ اجنبی یہ سمجھے کہ زمین و آسمان کا طبقہ یہاں سے اُٹھ کر یہ قوم اُلٹ دے گی لیکن جہاں سے عمل کا میدان آتا ہے وہاں اس قوم کا سایہ بھی نظر نہ آئے گا۔

ایسی سست و کاہل قوم سے کام لینے کے لئے یہ ضرور تھا کہ ہندوان پر اپنے احسان کا چھپر رکھیں اس دباؤ کا پورا زور پہونچائیں کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں سب تمہارے لئے ہے ورنہ ہمیں کیا غرض پڑی ہے جو کچہریوں کو چھوڑیں کونسلوں کو بائیکاٹ کریں اس لئے کہ حکومت برطانیہ سے ہمیں تو کچھ شکایت ہی نہیں ہاں تمہارے محروسہ و مقبوضہ سلطانی کو سلطنت برطانیہ اپنے تصرف میں لائی ہے اور مقامات مقدسہ کے متعلق وزرائے انگلستان نے اپنے مواعید پورے نہیں کئے تم ہمارے وطنی بھائی ہو لہٰذا تمہاری دردمندی میں خطابات اعزازی عہدے اور وکالت و بیرسٹری یہاں تک کہ کونسل کی ممبری تک سب سے ہم دست بردار ہوتے ہیں۔

مسئلہ ہڑتال یا نان کوآپریشن کی صورت تحریکات سابقہ سے بالکل جداگانہ شکل رکھتی ہے

سودیشی اور بائیکاٹ وغیرہ ایسی تحریکیں تھیں جن میں کامل اتحاد و اتفاق کے بغیر بھی ایک حد تک کامیابی ہوسکتی تھی اور ہوئی لیکن ہڑتال اپنے کسی شعبہ میں بھی اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اہل ملک کا کامل اتفاق و اتحاد نہو۔

ہڑتال اور مسٹر گاندھی کی فیلسوفی

ایسا ملک جس میں ایک ہی قوم آباد ہو وہاں ہڑتال کی تحریک جلد بار آور ہوسکتی ہے لیکن ایک ایسا ملک جس میں مختلف قومیں آباد ہوں وہاں تحریک ہڑتال سے پیشتر ملک کی آبادی کا کسی ایک مرکز وفاق پر اجتماع ازبس ضروری ہے مسٹر گاندھی کی دُور بین نگاہوں نے جب یہ دیکھا کہ مادر وطن کا نام لے کر مسلمانوں کو من حیث القوم حرکت میں نہیں لایا جاسکتا چاہے چند ذی وجاہت یا شہرت پسند شریک ہوجائیں لیکن قوم کی قوم کی شرکت متعذر ہے تو وہ ہندوؤں کے سامنے آزادیٔ ہند کو شمع لائے اور مسلمانوں کے سامنے مسئلہ خلافت پیش کیا اور اس ایک مرکز پر کہ انگریزوں کا وجود دونوں کی گرفتاری اور پائمالی کا موجب ہے۔ ہندو مسلم دونوں متضاد قوموں کا اجتماع کر دیا۔

لیکن اسی کے ساتھ مسٹر گاندھی کی کمال ہنرمندی کا اظہار اس حکیمانہ طرز عمل سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو برٹش گورنمنٹ کے مقابلہ میں صرف اُنھیں مقاصد و اغراض کے تکملہ اور تحصیل کے لئے لاکر کھڑا کر دیا جس سے ہندوستان کی آزادی برسوں کی راہ گھنٹوں میں طے کرلے یہ ملک جس قدر آزادی سے قریب ہوتا جائے اُسی قدر خود مسلمانوں ہی کے جد وجہد سے ہندوؤں کی حکومت یوماً فیوماً قوی ہوتی جائے اور مسلمانوں کی ہستی ہندوستان میں سے مٹ کر نسیاً منسیاً کے مرتبہ پر پہونچ جائے۔

شاید مسلمانوں کو ہندو لیڈروں کی اُس زمانہ کی پالیسی ابھی یاد ہوگی جبکہ یورپ کے میدان کارزار میں جنگ کی آگ ایسی بھڑکی جس کے شعلوں اور چنگاریوں سے ہندوستان کا

مصئون و محفوظ رہنا بھی معرض خطر میں تھا اس وقت خصوصیت کے ساتھ مسٹر گاندھی کی پالیسی مسلمانوں کے ساتھ اُن کی مخلصانہ محبت کا اچھا سراغ بتاتی ہے۔

لیکن جنگ کا خاتمہ جب کہ ایسے پہلو پر ہوا کہ برٹش گورنمنٹ کا قبضہ ایشیا کے حصص میں زیادہ ہو گیا اور ان جدید محروسات کی آبادیوں کا فوج و لشکر کی صورت میں ہندوستان میں رکھا جانا قرین قیاس معلوم ہوا تو اب ہندوستان کی آزادی اور ہندوؤں کا اقتدار اخص لیڈران ہنود کو محل خطر میں نظر آنے لگا جیسا کہ لالہ لاجپت رائے نے اپنی تقریر میں ان دو پہلو خطروں کو کھول کر بیان بھی کیا ہے۔

یہ عجیب کشاکش کا وقت ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے لئے تھا اگر دونوں قومیں ایک دوسرے سے اجنبی رہتی ہیں تو مدعا فوت ہوتا ہے اور اگر ایک بڑھ کر دوسری سے اتحاد کی استدعا پیش کرتی ہے تو استدعا کے ساتھ ہی دوسرا فریق اس مستدعی کو اپنے میں جذب کر لینا چاہتا ہے انفراد میں ناکامیابی و مایوسی ہے اور اتحاد و اجتماع میں تجاذب و ادغام۔

اس عقدۂ لاینحل کو مسٹر گاندھی نے اپنے ناخن تدبیر سے ایسا سلجھایا کہ مسلمانوں کی عقلیں اُلجھ گئیں اسی اُلجھن میں مسلمانوں نے اتحاد کا ہاتھ بڑھانے سے پیشتر مدغم ہوجانے کی کوشش کی قشقہ کھینچا مندروں میں گئے چڑھاوے چڑھائے بتوں پر پھولوں کا تاج رکھا گئو ماتا کی جے پکاری قربانی گاؤ سے توبہ کی منبر و محراب پر ہنود کو تبلیغ و ہدایت کے لئے جگہ دی اب مضامین لکھے جاتے ہیں کتابیں شائع ہوتی ہیں وعظ کئے جاتے ہیں جن کا موضوع یہ ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین میں جذب ہوجانا عین دین و اسلام ہے۔

کانگریس سے مسلمانوں کے اعراض کی وجہ

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہندوستان کی آزادی یا نظام سلطنت ہند کے

ایسی تبدیلی جس سے اہل ملک اور ارباب حکومت سطح مساوات پر آجائیں یا مساوات سے قریب تر ہوجائیں اُس وقت تک ناممکن ہے جبتک ملک کی دونوں بڑی آبادیاں یعنی ہندو اور مسلم باہم متحد و ہمنوا نہ ہوجائیں اسی اصل کا لحاظ رکھتے ہوئے ابتدائے عہد کانگریس میں ہندوؤں کی جانب سے مسلمانوں کو اپنا ہم آہنگ بنانے کی کوشش بلیغ کی گئی لیکن اُس وقت یہی مصلحت قرار پائی کہ مسلمانوں کو سیاست میں اُس وقت تک دخل نہ دینا چاہیے جب تک علوم مغربیہ کا ایک کافی حصّہ مسلمان حاصل نہ کرلیں۔

ہندوؤں کی رفتار ترقی کی سمتیں ہندوؤں نے جب مسلمانوں کی نہ صرف کنارہ کشی بلکہ کانگریس کے مقاصد و طرز عمل سے مخالفت و بیزاری دیکھی اور اُن کی جانب سے اُنھیں مایوسی ہوئی تو اُنھوں نے نہایت ہی عزم و استقلال سے حکیمانہ انداز پر اپنی قومی رفتار کی حرکت تین سمتوں میں منقسم کردی۔

ایک جماعت نے اقتصادیات کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اکتساب دولت کے جس قدر ذرائع او وسائل تھے اُنھیں اپنے ہاتھوں میں لے لینے میں ساعی و کوشاں ہوئے خصوصیت کے ساتھ ساہوکاری کو اس سلیقہ سے انجام دیا کہ پچاس برس کے عرصہ میں مسلمانوں کی تقریباً ساری دولت سمٹ کر ہندوؤں کی ملکیت ہوگئی الا ماشاء اللہ۔

دوسری جماعت نے تعلیم اور اُس کے ثمرات کی طرف قدم بڑھایا اور اس راہ میں بھی اُنھیں بے انتہا کامیابی حاصل ہوئی خاص ہندوؤں کی تعلیم گاہوں کا شمار جو کیا گیا ہے اور پھر اُس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی درسگاہیں رکھی گئیں تو ان کا وہی نقشہ سامنے آگیا ہے جو سماں دولت کا مقابلہ کرتے ہوئے پیش نظر ہوچکا ہے۔

تعلیم کے بعد ملازمت اور علمی پیشہ کا میدان سامنے آتا ہے یہاں بھی ہندوؤں کا مقابلہ مسلمانوں سے وہی نتیجہ دیتا ہے جو سابق کے دو مقابلوں میں

حاصل ہو چکا ہے۔

تیسری جماعت نے عملاً سیاسیات کی طرف اپنا قدم بڑھایا اور نہایت عزم و استقلال سے اس حوصلہ شکن صبر آزما راہ پر چلنے لگے اس میں شک نہیں کہ سیاست کی راہ بہت ہی پرخطر تھی اس کی سنگلاخ زمین قدم قدم پر ایک پرخار وادی سامنے لاتی تھی جس پر چلنا اپنے تلووں کو زخموں سے چور چور اور پاؤں کو گھائل بنانا تھا لیکن ہندوؤں کے عزم اور ہمت مردانہ کی داد دینی چاہیے جنھوں نے نہایت ذوق و شوق سے اس پیچ در پیچ خارزار سے نہ صرف گزر جانا بلکہ اس راہ کو صاف کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔

ان کے لئے ہر نوک خار لذت افزا اور ولولہ انگیز تھی ہر ٹھوکر سنگ راہ کی ان کے سمند شوق کے لئے مہمیز تھی قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھریاں قصر و ایواں کی راحت و فضا سے ہمسری کرتی تھیں طوق و سلاسل کی جھنکار اور آہنی زنجیروں کی سیاہی مرصع زیوروں کی چمک دمک اور ان کی آواز سے زیادہ گوش نواز اور نظر افروز تھی۔

سلف گورنمنٹ کا نذرانہ

یہ سب کچھ تھا لیکن حکومت کی ہمکناری جس چڑھاوے اور قربانی کی خواہاں تھی اب تک ہندوؤں کے ہاتھوں نے وہ نذرانہ پیش نہیں کیا تھا اسی لئے سلف گورنمنٹ اور ہوم رول کا خوشنما منظر قریب تو ہو گیا تھا لیکن حجاب کے پردے ہنوز اس پر پڑے ہوئے تھے ضرورت تھی کہ بہت سی جانیں حکومت کی دیبی پر بھینٹ چڑھا دی جائیں سیاست کے سارے منازل میں یہ منزل سخت ترین تھی قرب شوق کی آگ بھڑکا رہا تھا اور جان کی اضاعت دامن پکڑتی تھی اور رائگاں جانوں کی تلاش تھی بالآخر امعان نظر اور تعمق فکر کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ تینوں جماعتیں اپنے سی سالہ کمائے ہوئے سرمایہ کی اس طرز خاص سے ایک جھلک مسلمانوں کو دکھلائیں کہ ان کی نگاہیں خیرہ اور عقول حیرت زدہ

ہو جائیں کچھ اپنا خیر و شر اُنھیں نہ بھائی دے نہ سمجھ میں آئے ہاں اس پراگندگی کو اس پر اپنی رہی سہی ہمتی کھو بیٹھیں اس عمل سے قربانی کی ضرورت بھی پوری ہو جائیگی اور یہ پہلو کا کانٹا (وجود مسلم) بھی نکل جائے گا۔

سحر سامری کا کرشمہ اس سحر سامری کو مسلمانوں کی آنکھوں نے جب دیکھا تو انھیں صاف نظر آیا کہ ہندوستان کی دولت اور سرمایۂ دولت ایک جماعت کے ہاتھوں میں ہے ماہرین علوم مغربیہ جوق در جوق ایک دوسری جماعت کے ساتھ ساتھ ہیں۔ تیسری جماعت سلف گورنمنٹ کی طرف ہاتھ بڑھا رہی ہے اور اشارۂ قریب کر رہی ہے وہ ساعت دُور نہیں جب کہ یہ جماعتیں متحد ہو جائیں تو دولت علم اور حکومت تینوں کا اجتماع قوم ہنود میں ہوا جاتا ہے۔

مسلمانوں نے للچائی ہوئی نظر سے اس جماعت کو دیکھا اور تڑپ کر رہ گئے اس لئے کہ اس دور فرصت میں جب کہ ہندو اپنی قوم میں زندگی کی رُوح پھونک رہے تھے اور حکیمانہ طرز پر اُن اسباب کی فراہمی میں مصروف تھے جن کے اجتماع کا نتیجہ قوم کا زندہ ہو جانا ہے مسلمان نہایت اطمینان و سکون سے اُس راہ پر برابر قدم بڑھائے جا رہے تھے جس کا نتیجہ پستی اور مُردہ قوم بن کر رہنا ہے۔

یہ دولت بگاڑتے تھے وہ ثروت بنا رہے تھے یہ بیچتے تھے وہ خریدتے تھے یہ قرض سُودی لیتے تھے وہ سُود در سُود کے پیچ میں ان کی جائدادیں وصول کرتے تھے وہ پڑھ رہے تھے پڑھا رہے تھے یہ تعلیم کے نام سے کانپ کانپ اُٹھتے تھے وہ محنت کرتے تھے جفاکشی اُٹھاتے تھے یہ کاہلی اور تن آسانی کی لذتیں لے رہے تھے وہ معاشرت میں کفایت شعاری ملحوظ رکھتے تھے یہ اپنی حیثیت سے کہیں بڑھکر معاشرت میں رنگینی پیدا کرتے تھے وہ باوجود باہمی تخالف مذہبی کے پھر بھی ایک زبردست مرکز اتحاد رکھتے تھے یہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اختلاف پیدا کرتے

تھے اور عداوت کی حد تک اُسے پہونچا کر چھوڑتے تھے آخر اس کا نتیجہ یہی تھا کہ یہ دنیا میں باقی تو رہیں لیکن مفلس جاہل اور بد اخلاق ہو کر نہ تو نہ عبرت و بصارت ہوں نہ ان میں حمیت ہو نہ غیرت نہ صدق و صفا پایا جائے نہ عہد و وفا۔

ایسی حالت میں حریصانہ نظر سے ہندوؤں کی طرف دیکھنا بجز اس کے اور کیا ثمرہ دیتا کہ حسرت و ارمان دل میں خون ہو کر رہ جائیں موجودہ حالت میں یہ کس مرض کی دوا رہ گئے تھے جو انھیں ہنود اپنے میں شامل کر لیتے۔

حصول غلبہ کی ایک مجرب تدبیر

یہ ایک مسلمہ قاعدہ ہی کہ اگر ایسی قوت جس کا اپنے میں نہ پایا جانا اپنے ضعف کا موجب ہو تو پہلے کوشش اُس قوت کو حاصل کرنے کی ہونی چاہیئے لیکن اگر اُس کا حصول متعذر ہو تو پھر اُس قوت کو فنا کر دینا ضروری ہی تا کہ کسی وقت اُس سے تصادم ہو کر اپنے ضعیف و مضمحل ہو جانے کا خطرہ باقی نہ رہے ہندوؤں نے اس اصل کو سمجھا اور بکمال دانشمندی سے برتا۔

ابتداء عہد کانگریس میں مسلمانوں کی ایسی حالت ضرور تھی کہ ان کی شرکت و موافقت کی ہندوؤں کو تمنا رکھنی لابد تھی لیکن اِن موجودہ ایام میں جب کہ ہندوؤں نے اپنے کو ہر پہلو سے اس قدر مضبوط کر لیا ہی کہ اب اُن کی کامیابی رہین شرکت غیر نہیں تو پھر وہ مسلمانوں کی طرف کیوں دست احتیاج بڑھاتے۔

جد و جہد کی صعب ترین گھاٹیاں جب کہ وہ بغیر معاونت مسلمانوں کے طے کر چکے ہیں اور اب وقت اس کا آیا ہی کہ وہ اپنی جاں فشاں کوششوں کے ثمرات سے بہرہ مند ہوں تو مسلمانوں کو اس کا کیا حق ہی کہ اس کامیابی میں شریک ہونے کی آرزو کریں اور بے درد سر لذت سلف گورنمنٹ کے مزے اُٹھانے کی ہوس رکھیں ہاں اس وقت ہندوؤں کو اس کی تلاش ہے کہ

اگر منت کی کچھ جانیں ملجائیں تو انھیں حکومت کی دیبی پر قربان کر کے بھینٹ کے فرض سے بھی فارغ ہو جائیں اب ہندوؤں کو بھی آخری فرض ادا کرنا ہے اور اسی کے لئے مسلمانوں کو ایک خاص تدبیرے اپنے میں شامل کرلیا گیا ہی۔

ذوقِ شہادت

مسلمانوں میں ایک جذبہ شہادت ایسا ہے جو ہنوز بالکل ہی مردہ نہیں ہوا ہی یہ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہی اور بالکل سچا عقیدہ ہے کہ دین کی حمایت میں جب کوئی ہم میں سے مارا جائے تو وہ مرتبہ شہادت سے فائز ہوتا ہی۔

شہید ملت کے مدارج علیا کی بلندی صرف اس سے سمجھے کہ ہر میت کو غسل دینا ضروری ہی جب کوئی نبی یا رسول اس عالم سے نہاں ہوا یا جب کسی غوث و قطب نے اس سرائے فانی کو چھوڑا تو اُسے غسل دے کر کفن پہنا کر آغوش لحد کے حوالہ کیا گیا۔ لیکن ایک مجاہد جب جام شہادت سے سیراب ہوتا ہی تو اُس کے اعضا و جوارح کا خون یہ حرمت و عزت رکھتا ہے کہ دنیا کا کوئی پانی اُسے دھو نہیں سکتا لہذا شہدار کے جنازہ پر نماز تو پڑھی جاتی ہے لیکن اُن کا جسم غسل سے بے نیاز ہوتا ہی۔

یہی شہادت کا ذوق جس وقت کسی قلب مومن میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دنیا اور اس کی ساری کائنات اُس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہے یہ جذبہ کسی دوسری قوم میں پایا نہیں جاتا چنانچہ انھیں ایام میں ایک اپیل انگریزوں سے مسٹر گاندھی نے شائع کی ہی جس میں وہ لکھتے ہیں جو میرا مذہب آپسے خصومت رکھنے سے منع کرتا ہی میں اپنا ہاتھ آپ پر کبھی نہ چلاؤنگا خواہ میرے پاس اتنی طاقت بھی ہو جائے میں خود مصیبت جھیل کر آپ پر فتح پانے کی اُمید رکھتا ہوں علی برادران بیشک اپنے ملک و ملت کی حمایت میں تلوار اُٹھائیں گے اگر ان سے ہو سکا تو۔" (تاج جبل پور، نومبر ۱۹۳۰ء)

دیکھئے کس دانائی سے گاندھی صاحب اس وقت محفوظ گیند کھیل رہے ہیں اپنی طرف سے انگریزوں کو بہ تمام وکمال مطمئن بھی کرتے جاتے ہیں اور اُسی کے ساتھ مسلمانوں سے بدظن کرتے ہوئے اور انھیں مہیب و خونخوار شکل میں دکھاتے ہوئے تلوار اٹھانے پر ترغیب و تحریص بھی فرما رہے ہیں خیر یہ تو اُن کی پالیسی کی اصل جان ہے لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے مذہب کا یہ فتویٰ انگریزوں سے ہی کیوں مخصوص ہے کاش مسلمانوں کے حق میں بھی آپ کا دین اہنسا مراعات کا حکم دیتا تو آرہ۔ شاہ آباد اور کٹار پور میں مسلمان اس بیدردی سے قتل نہ کئے جاتے۔

گاندھی صاحب نے مسلمانوں کے اس جذبہ شہادت میں رمقِ حیات باقی پائی اور بکمال دانشمندی سے مسلمانوں کے اس جذبہ کو آہستہ آہستہ بھڑکانا شروع کیا مسلمان یہ سمجھے کہ سچ مچ یہ ہمارے دوست ہیں اور انھیں ہماری بربادی پر اس قدر شرمساری و تاسف ہے کہ اپنا سر دینے پر تیار ہیں۔

حالاں کہ جس شخص کا مذہب خود اُس کے مقامات مقدسہ اور معابد کے لئے ہاتھ تک اٹھانے کی اجازت نہ دیتا ہو وہ مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کے لئے کب تلوار اٹھا سکتا ہے لیکن افسوس مسلمانوں نے یہ نہ سمجھا کہ وہ سر دینا نہیں چاہتے ہیں بلکہ مسلمانوں کے سروں کی انھیں حاجت ہے یہ کہکر ایک کثیر تعداد میں اُسے مفت لیا چاہتے ہیں۔

خلافت کا رُخ سوراج کی طرف

کیا مصیبت ہے کہ مسلمانوں کو خلافت کا نام لے کر بھڑکایا گیا اور جب اُن میں گرمی پیدا ہوگئی تو اُن کے جوش کا رُخ سوراج کی طرف پھیر دیا گیا اب مسلمان ہیں کہ جوش میں بھرے جاتے ہیں اور ہندوستان کے لئے جان دینے پر آمادہ ہیں اگر یہ اب بھی ہوش میں نہ آئے تو وہ دن سامنے آتا ہے جب کہ کاشی اجودھیا اور دوارکا کی خاطر مسلمان بھی جانیں دیں گے بجائے نعرۂ تکبیر گاندھی کی جے پکارتے ہوں گے سلف گورنمنٹ کی آخری سیڑھی ہندوستان اُسی وقت طے کریگا جب کہ ایک کثیر تعداد میں مسلمانوں کی جانیں نذر اجل ہونگی

ہندوستان کا فائدہ تو حتمی و یقینی ہے رہا اسلام اور اسلامی خلافت اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ان کا خدا حافظ۔

عاجزانہ التماس

فرزندانِ اسلام اس فقیر بے نوا کے معروضات کو تعصب سے الگ ہو کر ملاحظہ فرمایئے۔ ان عاجزانہ گزارشوں کو تطبیق واقعات سے دیجئے۔ اپنے لیڈروں کی اضطراری حرکات اور کورانہ رفتار پر غور کیجئے اب نہ مقامات مقدسہ کی حفاظت ہے نہ ہجرت کے لئے بلند آہنگی نہ جزیرۃ العرب پر جوش ہے نہ خلافت پر بزم ماتم اب تو صاف اور کھلے الفاظ میں وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان کو پہلے آزاد کر لو پھر اپنے مطالبات مذہبی کا ذکر پھر ادا خدا کے لئے ذرہ انصاف سے کام لو کیا یہ مقصد کانگریس نہیں کیا یہ ساری مذہبی تصویریں جو اس ایک برس میں جلد جلد سامنے لائی گئیں وہ بذاتِ خود مقصود و مطلوب نہ تھیں بلکہ اُن کی نمائش کا مقصد صرف تمہارے جذبات میں ہیجان پیدا کرنا تھا اور اُس ہیجان کو خدمتِ ہندوستان میں صرف کرنا تھا یہ ساری جلوہ آرائیاں جو تقدس کی پیکریں ہوئیں اُن کی محض یہی غایت تھی کہ تم کسی طرح ہندوؤں کے فدائی ہو جاؤ اور تمہاری مذہبی عصبیت فنا ہو جائے پھر حکومت ہند ہاتھوں میں ہندوؤں کے اُس طرح دیدو جیسا کہ ہندوؤں کا دل چاہتا ہے۔

اسی اثناء میں جب کہ مسلمانوں نے اپنی مذہبی ہدایات پر خیانت اور مداہنت کی کند چھری پھیری اور مسئلہ قربانی میں صدیوں کے حق کو ذبح کر ڈالا ہندوؤں نے جا بجا میونسپلٹی میں یہ ایکٹ پاس کر دیا کہ کوئی گائے اور بچھڑا حدود میونسپلٹی میں نہ ذبح ہو نہ اُس کا گوشت حدود میونسپلٹی میں داخل ہونے پائے سندھ لکھنؤ اور بلند شہر وغیرہ میں یہ قانون پاس ہو چکا ہے ذرہ صبر کیجئے چند مہینے میں کوئی گوشہ ہندوستان کا ایسا نہ ہوگا جہاں یہ قانون نافذ نہ ہو جائے۔

اس وقت کہ ہندوستان میں سلف گورنمنٹ قائم نہیں ہوئی ہے اس وقت کہ مسلمانوں

کی جماعت من کل الوجوہ ہندوؤں کے پنجۂ اقتدار میں گرفتار نہیں ہوئی ہے اس وقت کانگریس کے لیے مسلمانوں کا اتفاق بہت ضروری ہے اس وقت کہ مسلمان دھوکے میں آگر خود ہی مذہبی اور ملکی حق یعنی قربانی گاؤ کو چھوڑنے اور چھڑانے پر بیحد ساعی ہیں اس کی کیا ضرورت تھی جو ہندوؤں نے اسے از روئے قانون بند کردینے کا حکم نافذ کردیا دوستو اب بھی آنکھیں کھولو دیکھو تمہاری اس موجودہ حالت سے ہندوؤں نے کیسا فائدہ اُٹھایا۔ باوجود مخالفت مسلمان ممبران میونسپلٹی پھر بھی کثرت ووٹ سے یہ قانون پاس ہی ہوگیا۔ ہندو ممبر تعداد میں زیادہ تھے بازی جیت لے گئے عام مسلمان اس وقت خاموش ہیں۔

اگر ذرہ زبان کو جنبش ہوئی تو پھر گاندھی صاحب اپنا دست کرم مسلمانوں سے اُٹھالیں گے۔ ہندو مسلم اتحاد جاتا رہیگا۔ افسوس صد افسوس مسلمان اس اتحاد کے خوف سے خاموش رہیں اور ہندو اس وقت کو غنیمت سمجھکر مدتوں کی تمنایوں پوری کریں یہ ہیں نتائج ہندو مسلم اتحاد کے اور یہ ہی ثمرہ نان کوآپریشن کا اور یہ ہے جزا سلف گورنمنٹ کے لئے ہندوؤں کے معاون ومددگار ہونے کی ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست

سیاسی علما کا مدلّس فتویٰ

جس وقت سیاسی لیڈروں نے خلافت کے متعلق صدائے احتجاج بلند کی تھی اسی وقت سیاسی علمار نے بھی اپنا فتویٰ شائع کرنا ضروری سمجھا وہ فتویٰ عجیب عجیب اندازوں میں علمار ہند کی خدمت میں پہونچایا گیا عیاری ومکاری کا کوئی طریقہ نرم اور گرم ایسا نہ تھا جسے تصدیق وتصویب کے لئے عمل میں نہ لایا گیا ہو۔

فتوے میں حسب ذیل مسائل پر روشنی ڈالی گئی تھی (۱) خلافت ونصب امام (۲) شرائط امام وخلیفہ (۳) جزیرۃ العرب کی تحدید اور اس کے متعلق احکام شرعیہ (۴) جہاد کی اہم قسم دفاع کے احکام اور اس کا وقت۔

فتوے کا خلاصۃ المرام وخاتمۃ الکلام اس مفہوم پر تھا کہ اس وقت خلیفۃ المسلمین کی طرف سے نفیر عام ہے اور تمام عالم اسلامی پر وفاع فرض عین وقت آگیا کہ بیٹا بغیر اجازت والدین نکل کھڑا ہو بیبیاں بغیر اذن شوہر جہاد کے لئے نکل چلیں یہ وہی وقت آپہنچا جب کہ ہر نفس و ہر ذات کو اس نفیر عام پر صدائے لبیک بلند کرنا فرض ہی۔

جس طرح ادائے فریضہ صلوٰۃ وصیام کے لئے والدین اور شوہر کی اجازت ورضا کی حاجت نہیں اسی طرح اس وقت جہاد کرنے میں بھی اُن کی مرضیات کا خیال اور اُن کی ناخوشنودی کا خوف ایک گناہ عظیم ہی۔

یہ فتویٰ ملک میں گشت کرتا رہا جرائد وصحائف میں بھی شائع ہوتا رہا عوام کچھ نہ سمجھے کہ جہاد دفاعی جو اپنے مقابل قسم جہاد یعنی حملہ وہجوم سے کہیں زیادہ اہم اور واجب العمل ہے اس کے لئے جو نفیر عام پکار دی گئی تو پھر اب انتظار کیا ہی مفتیان شرع متین جہاد کا علم اُٹھائیں اور ہر ایک عالم اپنے دائرہ اثر کا مرکز بن کر مجاہدین کو جمع کرے سامان جنگ تیار ہو اور نظام جہاد ترتیب وتنظیم کی صورت میں لایا جائے مجاہدین فی سبیل اللہ کے نعرۂ تکبیر سے فضائے ہند سالہا سال بعد پھر ایک بار گونج اُٹھے۔

یہ اسی انتظار میں تھے کہ علما سیاسی کی بارگاہ میں ایسی خاموشی چھائی کہ گویا اس اہم رکن دینی کا انصرام نہ کسی شرط سے مشروط ہی نہ عساکر اسلامیہ کے لئے کسی قواعد وتنظیم کی حاجت ہی نہ عمل جلیل کسی فراہمی اسباب وسامان کا مقتضی ہی محض فتویٰ لکھکر چھاپ دینا ہی سارے شرائط وضوابط وما یحتاج کا متکفل وضامن ہی۔

علمائے سیاسی اور لفظ جہاد کی تحقیق

اسی دورِ انتظار میں جب کہ ایک برس سے زیادہ عرصہ گزر چکا تو ماہ رجب کانپور میں ایک جلسہ جمعیۃ علماء ہند کے نام سے ترتیب دیا گیا

جس کی کرسی صدارت کو اعلیٰ عالم نے جو اس فتوے مشتہرہ ومعلنہ میں بلباس مستفتی
سامنے آئے تھے عزت وتمکنت بخشی۔
خطبۂ صدارت میں کلمۂ جہاد کے منہ سے نکالنے پر اپنی بےخوفی وعدم ہراس کا پر زور الفاظ
میں اظہار فرماتے ہوئے معانیِ جہاد بیان فرمانے کی بھی زحمت گوارہ فرمائی نہایت جوش وخروش
کے انداز میں مجمع عام کو سمجھا دیا گیا کہ یہ بھی جہاد ہے وہ بھی جہاد ہے اسے بھی جہاد شریعت میں
کہتے ہیں اور اسے بھی جہاد شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے۔
عوام کے لیے پھر بھی یہ عقدہ لاینحل ہی رہا ان کی سمجھ میں خاک نہ آیا کہ برس روز بعد آج
معنی جہاد کی تحقیق اور اس کے مصادیق کی تفہیم وتلقین کیوں کیجاتی ہے اسی طرح آہستہ آہستہ درجہ
بدرجہ کبھی کسی تحریر اور کبھی کسی تقریر کی ذیل میں مسلمانوں کو ایک غیر متعین صنف جہاد کے لیے
علماء سیاسی تیار کرتے رہے۔

تعین جہاد

واقعہ یہ تھا کہ ان مدعیان علم کو اپنے پیشوایان کید وحیل یعنی جنٹلمین لیڈروں سے
جو فیض پہونچتا تھا وہ اسی کو مسائل شرعیہ اور اصطلاحات دینیہ کے لباس میں عام مسلمانوں کے
سامنے لاتے تھے جنٹلمینوں کا مبدأ فیض مسٹر گاندھی کا دماغ تھا ایسی صورت میں جب کہ ان
علماء سیاسی کا سلسلۃ الذہب ایک مخزن کفر وشرک پر جاکر منتہی ہوتا ہو اس کے سوا اور کیا چارۂ
کار تھا کہ جب تک کچھ اسی طرف سے القا نہ کیا جائے یہ ساکت وصامت ہی رہیں۔ رفتہ رفتہ
وہ وقت آیا کہ مسئلہ نان کواپریشن کی تحریک تسلیم کر لی گئی اب علماء کے جناب سے بھی جہاد اپنے صحیح
مصداق پر آکر متعین ومتشخص ہوگیا۔
عوام سُدیشی کا استعمال کریں یہ ان کا جہاد ہے اعزازی عہدے واپس کیے جائیں یہ آنریری
کام کرنے والوں کا جہاد ہے کونسل کی ممبری چھوڑ دینا آنریبل ہونے والوں کا جہاد ہے سب سے بڑا جہاد

طلبائے انگریزی خواں کے لئے بیہودہ موجودہ نظام تعلیم کو جب تک نہ چھوڑیں گے مجاہدین میں اُن کا شمار قطعاً نہ ہوگا ساری وعیدیں جو تارکین جہاد کے لئے ہیں ایک وعید بھی اُن میں سے ایسی باقی نہ رہیگی جو طلبا پر صادق نہ آجائے موجودہ نظام تعلیم کے ترک میں تاخیر و تدبر بھی گناہ کبیرہ ہی والدین و اساتذہ کے استشارہ و استرضا کی بھی حاجت و فرصت نہیں۔

وہ جہاد جسے فرض عین کہا گیا تھا وہ جہاد جس میں اولاد کو والدین اور زوجہ کو زوج کی اجازت کی حاجت نہ تھی وہ جہاد جس کے لئے نفیر عام ثابت کیا گیا تھا وہ جہاد جس کے معنوں کا کسی وقت شمار کیا گیا تھا وہ جہاد جس کی صورت خاص آج تک غیر متعین تھی وہی مسئلہ نان کوآپریشن ہی۔

عزیزانِ وطن علمارِ ہند کا فتویٰ جو بصورت کتاب اور اسی نام سے شائع ہوا ہی ہزاروں کی تعداد میں تقسیم بھی ہو چکا ہی اُسے من اولہ الی آخرہ پڑھ جاؤ دیکھو تو اس میں ان اقسام جہاد میں سے کوئی مذکور ہی طبقات مسلم پر تقسیم اقسام جہاد کا کیس اُس میں نام و نشان بھی ہی ہندوستان اور اس کی آزادی کے لئے سر فروشی کا کہیں ایک حرف بھی آیا ہی ہدایت و نہایت میں آخر یہ فرق لیل و نہار کیوں ہی؟

ہاں یہ ساری فتوے نویسی اور مجالس کی گرما گرمی صرف اسی لئے تھی کہ نوجوانوں کو والدین و اساتذہ سے سرکشی و تمرد پر اچھی طرح آمادہ کر دیا جائے تاکہ ملک میں ہنگامہ آرائی کے لئے ایک کافی تعداد پڑھے لکھے ناتجربہ کاروں کی ہاتھ آجائے۔

علمائے سیاسی اور مسئلہ جہاد کی توہین

تمہیں اُسی خدا کی قسم جس پر تمہارا ایمان ہو ہمیں یہ بتاؤ کہ نفیر عام کے وقت یہی وہ جہاد ہی جو ہر متنفس پر فرض ہو جاتا ہی تمہیں اُسی مذہب و دین کا واسطہ جس کے تم پیرو ہو ہمیں یہ بتاؤ کہ بی بی کو بغیر اذن شوہر اور اولاد کو بغیر اذن والدین

کیا اسی جہاد کے لئے نخل کھڑے ہونے کو کہا گیا ہے۔

"المجاهد من جاهد لنفسه والمهاجر من هجر ما نهى الله ورسوله عنه"

یعنی مجاہد تو وہی ہے جو اپنے نفس سے جہاد لڑتا ہے اور مہاجر وہ ہے جس نے اُن چیزوں کو چھوڑ دیا جس کے ترک کا حکم اللہ اور اُس کے رسول نے صادر فرمایا اس حدیث پاک کی اب تلاوت کرتے ہو اور جہاد و ہجرت کی اب یہ تصویر پیش کرتے ہو۔

بیشک ہر وہ سعی جو حق پرستی اور خدا کی راہ میں کی جائے وہ جہاد ہے فرائض صلوٰۃ و صیام حج و زکوٰۃ کا پابندی و استقامت سے ادا کرنا نوافل و مستحبات کی برکات حاصل کرنا یہ بھی جہاد ہے احقاق حق و ابطال باطل یہ بھی جہاد ہے سچ بولنا عفت و پارسائی اختیار کرنا دیانت و امانت کی زندگی بسر کرنا یہ بھی جہاد ہے یتیم و بیکس کی خبر گیری ضعفاء و مرضاء کی خدمت گزاری یہ بھی جہاد ہے لیکن اس جہاد کے لئے تو نفیر عام کی شرط نہیں کفار و غیر مسلم اقوام کا بلاد اسلامیہ پر ہجوم اس جہاد کا موقوف علیہ نہیں یہ جہاد امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کی دعوت و پکار کا خواہاں نہیں یہ وہ دفاع نہیں جو درجہ بدرجہ شرفاً و عزباً عامہ مسلمین پر واجب ہوتا ہے بلکہ یہ تو وہ جہاد ہے جس سے انتہائے امن و سکون غایۃ سطوت و شوکت بحد فراغت و قوت کے ایام میں بھی کسی مومن کو فارغ نہ بیٹھنا چاہیئے۔

المجاهد من جاهد لنفسه کا جہاد ہر صبح کو ایک سچے مخلص مسلم کی حیات میں شروع ہوتا ہے اور دوسری صبح کو ختم ہو کر پھر شروع ہو جاتا ہے مشکوٰۃ نبوت سے جن کے قلوب منور و تاباں ہیں اُن کی زندگی کا کوئی لمحہ اس جہاد و ہجرت کی سعادت سے بے نصیب بسر ہونے نہیں پاتا عامہ مسلمین بھی اس جہاد و ہجرت سے اس قدر تو ضرور متاثر ہیں کہ آج تک کسی مسلم و مومن باپ نے اپنے بیٹے کو یا کسی مسلم و مومن شوہر نے اپنی بی بی کو اُمتہ محمدی کے لئے دعائے خیر کرنے سے

منع نہیں کیا خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے یا سنن و مستحبات کے بجالانے سے یا مسکینوں اور حاجت مندوں کی امداد سے نہ کسی باپ نے اولاد کو جھڑکا نہ شوہر نے بی بی پر عتاب نازل کیا

جنگ طرابلس و بلقان کے موقع پر ایثار

جنگ طرابلس اور جنگ بلقان میں عورتوں نے اپنی سب سے زیادہ عزیز و محبوب چیز یعنی زیور تک اُتار کر چندہ میں دے ڈالا لیکن اس پر بھی کسی خاندان کے متعلق یہ نہ سُنا گیا کہ اس انفاق پر زن و شو میں سوء مزاجی ہو گئی۔

نوجوانوں نے اُنھیں ایّام میں منتیں صوم کی مانیں اور روزے رکھے کئی بار یہ نذر قرار دی گئی اور اخلاص و نیازمندی سے پوری کی گئی اسی کے ساتھ دل کھول کر روپے بھی دے اپنے لذائذ میں کمی کی اور اس طرح مجروحین طرابلس و بلقان کو چندہ بھیجا خاص کالج میں تقریباً ایک سال تک مسلسل یہ سلسلہ قایم رہا اس وقت کسی باپ نے اپنے بیٹے سے نہ اظہار رنج و ملال کیا نہ اولادوں کے اس فعل کو نظر ناپسندیگی سے دیکھا۔

پس اگر اس وقت بھی اسی جہاد و انفاق اور ایثار کی حاجت تھی تو اُس کے لئے نفیر عام اور جہاد کے فرض عین اور اطاعت والدین و اساتذہ و اطاعت زوج و مولیٰ سے انحراف و انکار کی تلقین و تبلیغ کی کیا حاجت تھی لیکن ہاں یوں کہو کہ اگر سچائی کے ساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تبلیغ کرتے یا ایمان داری سے صراط مستقیم کی طرف ہدایت و رہبری کرتے تو پھر اپنی ہوا و ہوس کا صید کہاں تلاش کرتے۔

افسوس ہے اس فتوے نویسی پر جس نے مسلمانوں کے کتنے گھر تباہ کر دیئے اس زمانۂ شور و فتن میں جب کہ نوجوانوں میں سعادت و اطاعت اور حق شناسی کا فقدان ہو رہا ہے والدین و اساتذہ کی خدمت میں اُنھیں اس طرح دلیر و گستاخ ہو جانے کی ہدایت کیسا زہر آلود اور مسموم پیام ہے۔

علمائے سیاسی کا ہجرت کے متعلق تباہ کن فتویٰ

اسی طرح ایک نعرۂ عام ہجرت کی پکار دی گئی اس بانگ بے ہنگام نے سرحدی علاقے اور خطہ سندھ میں بہت زیادہ اثر کیا ہزاروں گھر تباہ ہو گئے ہزاروں عورتیں بے سرپرست رہ گئیں ہزاروں بچے سایہ پدری سے محروم کر دیئے گئے گاؤں کے گاؤں مسلمانوں نے آگ لگا کر خاکستر کر دئے لاکھوں کی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہندوؤں کے ہاتھوں بیچ دی گئیں تقریباً ایک لاکھ مسلمان اپنے دیار و وطن املاک و جائداد سے دست بردار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔

کچھ دنوں تک ہجرت کا زور رہا اخباروں میں بھی نہایت جلی قلموں سے مہاجرین کا قافلہ لکھا جاتا تھا لیکن جب ہجرت نے رجعت قہقری کی صورت اختیار کی تو دو چار اعذار بارد کرتے ہوئے ہجرت کا سلسلہ بند کر دیا گیا اب پھر دوبارہ مژدہ ہجرت مسلمانوں کو سنایا گیا اور اجازت و پروانگی بھی عطا ہو گئی لیکن اب نہ تو کوئی مضمون فضائل ہجرت پر لکھا جاتا ہے نہ اس کی ضرورت ثابت کی جاتی ہے نہ کوئی قافلہ کا سلسلہ آمادہ ہجرت نظر آتا ہے اب تو ساری زبانیں اور صرف ایک کلمہ توحید مشرکہ گاندھی نان کواپریشن کا ورد ہے یہی ہجرت ہے اور یہی جہاد ہے

لیڈروں اس ہنگامہ ہجرت کو بھڑکانے سے پہلے یہ سمجھ لینا تھا کہ جس طرح کے اشخاص کی جس تعداد میں بلاد اسلامیہ کو حاجت ہوتی پہلے انھیں مسلمانوں کو نقل مکان کی ترغیب دی جاتی آغاز کار سے پیشتر ایک مکمل نظام عمل بنانا تھا عوام کے جانے سے قبل خواص کا سفر کرنا ضروری تھا ناملایم حالات کا پہلے اندازہ کر کے حتی الامکان انسداد ناگواری کرنا بہت ضروری تھا۔

کیا ستم ہے ہم جب کہ ایک مختصر سفر جاتے اقامت سے کرتے ہیں تو اپنے سفر کی غایۃ قیام کی مدت ہمراہیوں کا انتخاب اور دیگر ضروریات و حالات کا پہلے انتظام سوچ لیتے ہیں لیکن یہ کیا قیامت ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک نعرۂ عام ہجرت کی پکار دی گئی اور اس اہم تحریک

کی کامیاب و بامراد ہونے کے لیے جس ترتیب و تنظیم اور ہدایت و تعلیم کی حاجت تھی اُس سے خود تحریک کرنے والوں کا دماغ بھی خالی تھا جو صدمہ اس عظیم الشان تحریک کو تغافل شعاری اور ناواقفیت مذہبی نے اس وقت پہونچایا ہے نہیں معلوم اس کا ذمہ دار کون ہے اور اس کا کفارہ کس کی گردن پر ہے۔

جہاد اور ہجرت ان دونوں اہم و اعظم مسئلوں کو جس طرح اس دور کے علما رسیاسی نے تباہ کیا ہی تاریخ اسلام اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہی مسلمانان ہند کا جو نقصان اس مدلّس و کاذب فتوے نویسی سے ہوا دیکھئے اُس کی اصلاح کیوں کر ہوتی ہے اور کتنا زمانہ چاہتی ہے علی الخصوص

لفظ جہاد میں کچھ وہ برقی قوت تھی کہ اس کے سُننے سے غیر مسلموں کو ٹھنڈا پسینا آتا تھا اور مسلمانوں کے مردہ وافسردہ قلوب میں حیات و تازگی۔

قبل ازیں لفظ جہاد کا اثر اس موقع سے قبل جب کبھی اور جہاں کہیں بھی یہ لفظ کہا گیا ہے تو مثل دیگر کلمات کے اس نے اپنے تلفظ کو وہ ہوائے کیف ثابت ہونے نہیں دیا جو ایک مرتبہ ٹکرا کر ہوا کی موجوں میں گم ہو جائے اور اس کرۂ ارضی پر اس کا نام بھی غیر قادرہ اشیار کی فہرست میں منسلک ہو جائے بلکہ جب کبھی یہ لفظ کہا گیا اور مسلمانوں کے کانوں تک پہونچایا گیا ہی تو کفر و شرک کی بنیادیں ہل گئی ہیں مخلوق پرستوں اور خدا کے دشمنوں میں زلزلہ پڑ گیا ہی۔ تاریخ اقوام اور جغرافیہ ملکی میں ہمیشہ ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا ہی اس لفظ جہاد کے کہنے اور سننے کے ایام صفحات زمین پر ہمیشہ خون کی سرخی اور نوک سنان و شمشیر سے لکھے گئے ہیں۔

لیکن آج تم نے مسلمانوں کے اس سیزدہ صد سالہ عظمت کو اپنے قدموں کے نیچے

روندڈالا آج تم نے سات کروڑ مسلمانوں کی دینی غیرت کو یوں ذلیل و خوار کیا دیکھو غیر مسلم قومیں تم پر ہنستی ہیں نہ انگریزوں میں تمہاری ہیبت رہی نہ ہندوؤں پر تمہارا خوف رہا۔

تم اور تمہارا دین تم اور تمہارا مذہب تم اور تمہاری مذہبی تعلیم تم اور تمہارے دینی احکام سب کے سب نگاہ غیر مسلم میں ہیچ و فرمایہ ثابت ہوئے۔ لیکن اس کی تمہیں کیا پرواجب کہ تقریباً ایک ملک کا خراج تمہارے گھروں میں پہونچ گیا جب کہ ہزاروں انسان تمہیں اپنے دوش عقیدت پر لئے لئے پھرے جبکہ ہر روز شاہانہ دسترخوان سے کام و زبان نئی نئی لذتیں لے رہی ہیں تو پھر ان نعمائے خلد بریں کے مقابلہ میں اسلام کیا ہی اور ایمان گیا۔

اے سرمستان بادۂ لیڈری ذرہ ہوش میں آکر ہمیں بتاؤ کہ تم سوراج کے لئے اُٹھائے گئے تھے یا خلافت کے لئے تم نے ہندوؤں کو آمادہ کیا تھا تم اسلام کے نشر و تبلیغ کا علم لے کر بڑھے تھے یا کفر و شرک کی حکومت قایم کرنے کی غرض سے یہ لشکر آرائی کی گئی تھی اسلام کی حفاظت اور ارکان اسلام کا غیر مسلم کو گرویدہ بنانا تمہارا نصب العین تھا یا خود کفر و شرک کے جال میں پھنس کر آزادی ہند کا ترانہ سنانا مقصود و مطلوب تھا۔

مسلم لیڈروں کا کفر و کافریں ادغام

لا الٰہ الا اللہ گاندھی نے کس حسن تدبیر سے مسلمانوں کو اپنا اور اپنے مذہب کا غلام بنالیا ایک برس بھی گزرنے نہ پایا جو حمایت خلافت سے نہ صرف ہندو دست کش ہوگئے بلکہ اُس عیارانہ چال سے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں نے مسئلہ خلافت کو دھکے دے کر پس پشت ڈال دیا۔ خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین کی جگہ گاندھی کو دی گئی اب یہ مدعیان اسلام اسی کی کوشش کر رہے ہیں کہ جہاں تک ہو سکے گاندھی کی محبت و عظمت سے کوئی قلب مومن خالی نہ رہنے پائے۔

کوئی امام مہدی علیہ السلام کا مثیل کہتا ہے کوئی یہ کہتا ہے کہ نبوت اگر ختم نہ ہوگئی ہوتی

نو گاندھی بنی ہوتا یعنی نبوت کے ماتحت جو سب سے بڑا رتبہ و منصب ہو سکتا ہے وہ گاندھی کا ہے کوئی اپنے کو پسر و گاندھی کا کہتا ہے اور اسلام کی نجات اسی کے ہاتھوں سے یقین رکھتا ہے۔

مسلمان اپنی کانوں سے سنتے ہیں آنکھوں سے اخبارات میں یہ مضامین دیکھتے ہیں پڑھتے ہیں پھر بھی عالم وجد و تواجد میں اگر واہ ہمارے لیڈر و شاباش ہمارے لیڈر کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔

رہبر کی اقسام

فرزندان اسلام رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جس کے ذہن میں منزل مقصود متعین و مشخص۔ راہیں اس کی معلوم۔ دشواریوں پر اُسے اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت کامل اُن تدابیر پر قادر جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پائے۔

ایسا رہبر اپنے علم و بصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچاتا ہوا موانع کو دفع کرتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک پہونچا دیتا ہے جیسا کہ ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطرے آگاہ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اُسے سبیل معلوم۔

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن منزل مقصود متعین تلاش راہ کی طلب کامل اور خطرات پر غالب آنے کی قوت اُسے میسر و حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ جسے نہ منزل مقصود کی خبر نہ رستہ کا علم نہ دشواریوں پر بصیرت نُصرت نہ کسی قسم دفاع پر قدرت و طاقت۔

اب تمہیں پر فیصلہ ٹھہراتے ہیں کہ خدا لگتی تمہارے لیڈر کس قسم رہبر میں شامل و معدود ہیں

ہندوؤں نے تمہارے لیڈروں کے ساتھ ہاں میں ہاں ملا کر کس سہولت و نرمی سے آہستہ آہستہ انھیں اپنے نقطۂ خیال پر اُتار لیا لفظ سوراج جس سے لاکھوں کان آج تک نا آشنا تھے خلافت کے عوض کس جوش سے وہ ہر ایک زبان پر جاری ہے گاندھی جس کا نام تک پانچ برس قبل ہندوستان کے کسی مسلمان کے علم میں بھی نہ تھا خلیفۃ المسلمین کی جگہ آج اُس کے تقدس و عظمت کے فسانے کس کمال عقیدت سے مستورات تک میں کہے جاتے ہیں۔

گائے کی قربانی اور اس کا معمولاً ذبح بعض جگہوں میں بند ہو چکا ہے اور ما بقیہ مقامات پر بند ہونے والا ہے۔ ہندی نے اُردو پر فتح پائی ہے۔ دوش مسلم پر کافر کا جنازہ رکھا جا چکا جنھیں اس کا موقع نہ ملا انھوں نے نقل جنازہ اُتار کر اپنی شرکت و معیت کا ثبوت دیا مشرک کے لئے برکات عالم آخرت چاہی گئیں اور مغفرت کی دعا مانگی گئی کلمۂ توحید پڑھنے والوں کے منہ سے رام رام ست ہے کہا گیا کہلایا گیا۔

بالعکس معاملہ

یہ سارے اعمال جو وقوع پذیر ہوئے اور ہو رہے ہیں ان سے ہندوؤں کے مطالب و مقاصد مذہبی و ملکی کا تکملہ ہو رہا ہے یا اسلام اور اسلامی خلافت کی خدمت انجام پا رہی ہے چوبیس (۲۴) کروڑ ہندوؤں کا قدم خلافت اسلامی یا کسی رُکن دینی کی طرف بڑھا یا سات کروڑ مسلمانوں نے بڑھ کر سوراج اور مراسم کفر و شرک کو لبیک کہا مسلمان ہندوؤں کے ہو گئے یا ہندو مسلمانوں کے ہو رہے مسلمانوں کے قلوب آہنی تھے یا مقناطیسی مسلمانوں نے مقناطیس بن کر ہندوؤں کو اپنی طرف کھینچا یا ہندوؤں نے اپنی مقناطیسی کشش سے انھیں اپنے میں جذب کر لیا اس کا جواب واقعات سے ہونا چاہئے نہ خطیبانہ عبارت آرائی سے۔

غالباً خلافت کے متعلق تم یہ جواب دو گے کہ اب یہ مسئلہ طے ہو گیا کہ جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو اور انگریزوں کا قدم یہاں سے نہ ہٹے مسلمان کچھ بھی خلافت کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔

ہاں میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ پہلے خلافت کے لئے ہندو تک سرگرم کار تھے لیکن اسی قلیل مدت میں یہ تبدیلی واقع ہوئی کہ خود مسلمان بجائے خلافت سوراج پکارنے لگے شاید گاندھی کے باب میں تم یہ جواب دو کہ جب کہ مسلمانوں میں کوئی صاحب سجادہ کوئی خانقاہ نشین کوئی واعظ و فقیہ کوئی محدث و مفسر جدید کہ کوئی جنٹلمین لیڈر مثل گاندھی کے نہ تو ہمیں اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ ہم اُسی کی تقلید کریں اُسی سے اپنا رشتہ ہدایت جوڑیں اسلاف کے واقعات و حالات زندگی آج قصہ و داستان ہیں قوم افسانوں سے نہیں بنا کرتی نہ کسی کی سوانح و سیرت قوم میں روح پھونک سکتی ہے ہمیں تو ایک زندہ مثال و نمونہ چاہیے اور وہ نہیں ہے مگر گاندھی۔

ہاں میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ گاندھی تمہارا پیشوا ہے اور تم اُس کے پیرو اور دیگر اعمال خبیثہ کے متعلق تمہارا یہ جواب ہوگا کہ اس وقت انگریزوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں حاجت تھی کہ ہندوؤں میں جذب ہو جائیں تاکہ باہمی تجاذب و ادغام سے طاقت و شدت آجائے اور ہماری صدائے احتجاج میں قوت و صولت پیدا ہو جائے]

ہاں میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ تم ہندوؤں میں جذب ہو گئے۔

وما ظنکم برب العلمین

علم برداران نان کو آپریشن و سوراج! قیامت ایک دن ضرور قایم ہوگی جہاں اوّلین و آخرین کا مجمع ہوگا اور پھر لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار کی دل کپکپا دینے والی آواز کے ساتھ تخت رب العالمین سامنے ہوگا ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذٍ ثمانیۃ اُس دن تمہارے سرائر و مخفیات کھل جائیں گے یومئذٍ تعرضون لا تخفیٰ منکم خافیۃ۔ اُس دن تمہیں اُس جلیل و جبار قادر و قہار کے سامنے جا کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ "فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ واما من خفت موازینہ فامہ ھاویۃ وما ادراک ماھیہ نار حامیۃ"

تو پھر جس وقت یوم ینفع الصادقین صدقہم کا ظہور ہو رہا ہوگا تمہاری کیا حالت ہوگی اور تمہارے ان اعمال کا ترازوئے عمل پر کیا وزن ہوگا خلافت اور دین کا نام لیکر سوراج اور تعلیمات گاندھی میں فنا ہو جانا کیا نتیجہ سامنے لائے گا۔ الذین ضل سعیہم فی الحیوۃ الدنیا وہم یحسبون انہم یحسنون صنعا اولئک الذین کفروا بآیات ربہم ولقائہ فحبطت اعمالہم فلا نقیم لہم یوم القیامۃ وزنا۔ یقین کر لو کہ اُس روز یہ تمہاری تلبیس کی چادر پارہ پارہ ہوگی اور تدلیس کا جال ریزہ ریزہ۔ یہی لیڈری اُس دن تمہیں وبال ہوگی اور یہ ہر دل عزیزی تمہیں رسوا و خوار بنائے گی۔ آج وہ بھیڑ اور انبوہ جس پر تمہیں ناز و تفاخر ہے آج وہ ہنگامہ و ہجوم جس پر تمہیں اعتماد و سہارا ہے کل بروز قیامت تم سے بیزاری کا اظہار کرتا تھا۔ قالوا ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا ربنا آتہم ضعفین من العذاب والعنہم لعناً کبیراً۔ یہ گروہ معتقدین یہ مجمع ارادت مندان جو آج تمہیں اس درجہ محبوب ہے کل بروز محشر تم اس سے خفا ہوگے اور دست بردار شامتِ اعمال کا وبال سامنے ہوگا اور یہ ہیکر بھی خاک سیاہ۔ اذ تبرا الذین اتبعوا من الذین اتبعوا وراوا العذاب وتقطعت بہم الاسباب ۵

نان کوآپریشن کا ملمع جامہ

اب آؤ ہم ایک دوسری مجلس منعقد کریں اور مسئلہ نان کوآپریشن میں نے جو روپ بدل کر ہندوستان میں ایک اُودھم مچا رکھی ہے اس کی حقیقت سے بھی پردہ اُٹھانا ضرورت ہے کہ یہ گاندھی گردی جو ملمع جامۂ ایمان و اسلام سے مرصع بنا کر سامنے لائی گئی ہے اس کی اصلیت بالکل ہی بے نقاب کر دی جائے سب سے پہلے اس لفظ کی تاریخ اور تدریجی تقلب

کی طرف نظر کرنا ضروری ہے۔

مفہوم نان کوآپریشن کا تدریجی تبدل

یہی مفہوم جس کی اس وقت ملک میں دھوم مچی ہوئی ہے ایک مدت سے کانگریس میں مقاومت مجہول کے لفظ سے ادا کیا جاتا تھا شورش و ہنگامہ کا پے بہ پے ہندوستان میں ہوتے رہنا اسی کا ثمرہ تھا۔

نان کوآپریشن کا مختلف ترجمہ

پھر اس مفہوم نے ستیاگرہ کی صورت اختیار کی کاروباری دنیا میں یہ پہلی ہڑتال تھی جس نے عملی شکل میں مقاومت مجہول کی جلوہ آرائی کی اسی دوران میں مسٹر گاندھی نے نان کوآپریشن کا دلکش نغمہ چھیڑا اب مقاومت مجہول کی جگہ نان کوآپریشن کو دی گئی کچھ دنوں اسی کا دارو دورہ رہا اردو جرائد بھی نان کوآپریشن ہی کہتے رہے اس لفظ کے مختلف ترجمے بھی ہوتے رہے عدم اشتراک عمل عدم اتحاد عمل ترک معاملات عدم تعاون وغیرہ وغیرہ۔

نان کوآپریشن کے لئے شرعی لباس

لیکن ہنوز وہ دینی قبا جسے ہمیشہ یہ جماعت اپنے مخترعات پر چست و موزوں کرنے کی عادی تھی اس وقت تک ان الفاظ کی تراش سے وہ قبا تیار نہ ہو سکی بالآخر مصداق جوئندہ یابندہ مدتوں کے مشاق بار ہا کے تجربہ کار اپنے تباہ کن دماغوں کی طرف رجوع لائے اور ایک لفظ موالات ڈھونڈھ کر لے آئے۔

جن نے اس گوہر نایاب کی جستجو کی تھی لیڈروں کی جماعت میں طرہ امامت انہی کی دستار پر شایاں تھا لیکن واحسرتا کہ امامت و صمدیت تک کے القاب بھی یہ کہکر گاندھی کو ہی بخشدئیے گئے کہ ع این گل تازہ براں گوشۂ دستار خوش ست۔

لفظ موالات پر استقرار کی علت

عوام کچھ نہ سمجھے کہ آخر ہمارے لیڈر نان کوآپریشن کے

لفظ سے جلد جلد گریز کیوں کر رہے ہیں کسی ایک ترجمہ پر انھیں قرار کیوں نہیں آتا اور اب کہ لفظ موالات انھیں مل گیا تو اس پر قدم جما کر اس طرح کھڑے ہو گئے ہیں کہ ترک معاملات عدم اشتراک عمل وغیرہ کی طرف اگر انھیں کوئی پھیرنا بھی چاہے تو جنبش کی قسم ہے وہ ہیں اور ترک موالات کی صدا ہے تم سلام کرو وہ جواب میں ترک موالات کہیں گے تم مزاج پرسی کرو وہ ترک موالات کہکر اپنی عافیت بتائیں گے اب تو اُن کے دل و دماغ میں سوائے اس ایک لفظ کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔

حالاں کہ واقعہ صرف اس قدر تھا کہ سارے تراجم کے الفاظ سوائے موالات کے ایسے تھے کہ اُن کی شکلیں دھوکھا دینے کے لئے ناکافی تھیں لیڈروں کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایک ایسے لفظ کی ضرورت تھی جس کی ظاہری شکل دکھا کر مسلمانوں کو اپنے اغراض فاسدہ کا شکار کر لیا جائے۔

ترک موالات کا لفظ جب سامنے لایا گیا تو مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا کہ نان کوآپریشن خواہ سیاستِ ہند کا خالص مسئلہ ہو لیکن ترک موالات محض اسلامی مسئلہ ہے اس لئے مسلمانوں ہی پر اس کی تعمیل بھی واجب ہے۔

ملاءِ اعلیٰ سے علمائے سیاسی کا استفاضہ

علماء سیاسی کو جب اُن کے ملاءِ اعلیٰ سے اس ہدایت کا افاضہ فرمایا گیا کہ اب بجائے نان کوآپریشن کے موالات کہئے اور لکھئے نیز نظام عمل کے وہ حدود جنھیں نان کوآپریشن کے دائرہ نے اس وقت گھیر رکھا ہے اُن سب کو ترک موالات کے احاطہ میں داخل کیجئے اسی کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا آپ حضرات کا فرض ہے کہ ہنود کی نئی سرکار سے جو طوق غلامی ابھی ابھی گلے میں ڈالا گیا ہے ہرگز ہرگز کوئی تار اس کا ڈھیلا نہ ہونے پائے بلکہ اس پر مذہبی ایک اور گرہ افزوں ہو جائے۔

ملاء اعلیٰ کا حکم اور علمائے سیاسی کا سر تسلیم خم

آخر یہی علماء سیاسی کے اس انقیاد و اطاعت گزاری پر فوراً کمر آگئے کہ قرآن پاک میں نصاریٰ سے ترک موالات کا حکم بہ نص صریح ثابت ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذ والیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم لیکن اسی کے ساتھ انہیں یہ دشواری پیش آئی کہ بے شمار آیات الٰہیہ فرقان مجید میں گونج رہی ہیں کہ کفار و مشرکین سے ترک موالات ضروری ہے۔

کفار مشرکین اور کفار اہل کتاب میں فرق مراتب

اگر چہ یہود و نصاریٰ بھی کافر ہیں ان کی توحید بھی تثلیث میں گم ہو گئی ہے قرآن مجید ان کے کفر و ضلالت پر گواہ ہے (۱) لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب (۲) ولا تقولوا ثلثۃ انتھوا خیرا لکم (۳) قالت الیھود عزیر ابن اللہ وقالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ پہلی آیۃ اہل کتاب کے کافر ہونے کو بتاتی ہے دوسری آیۃ اُن کے عقیدہ تثلیث کو ظاہر کرتی ہے تیسری آیۃ اُن کی ضلالت وغوایت اور گندگی عقیدہ کو بتاتی ہے تنزیہ وتقدیس کے مفہوم سے اُن کا بیگانہ محض ہونا ثابت ہو رہا ہے لیکن باوجود ان تمام گمراہیوں کے یہود و نصاریٰ کو اہل کتاب کہا گیا ان کی عورتوں سے نکاح جائز قرار دیا گیا پس موالات جب کہ اہل کتاب سے منع کر دی گئی تو کفار و مشرکین جن سے ادنیٰ معاشرتی تعلق یعنی اُن کی عورتوں سے نکاح بھی حرام و زنا شریعت مطہرہ نے قرار دیا ہو موالات کیوں کر جائز ہو سکتی تھی۔

علماء سیاسی کا اضطرار اور ایک مغالطہ کی ایجاد

بار بار اس کثرت سے کفار کے ساتھ موالات کو حق سبحانہ نے منع فرمایا ہے کہ مولئین کفار کا دم گھٹنے لگا مصیبت عظمیٰ یہ تھی کہ اس مسئلہ کی ایجاد کا مقصد احکام شرعیہ کے زیر اثر رہ کر انگریزوں سے کنارہ کشی

ویکسوئی نہ تھی بلکہ ہندوؤں کے ساتھ وداد وانقیاد رکون واتحاد مطلوب تھا اب اگر شریعت کا فتویٰ نصاریٰ کے باب میں پیش کیا جاتا ہے تو کفار کی ولاء ومحبت کا جام کیوں کر پیا جا سکتا ہے پھر اگر یہی نہیں ہوا تو ساری سعی بے حاصل لغو و باطل ہوئی جاتی ہے۔ علمائے سیاسی نے کمال تحریف کا جو نمونہ اس موقع پر پیش کیا ہے اس کی داد کسی بشر کی زبان سے ادا نہیں ہو سکتی ہاں جس کے کلام میں یہ لوٹ پھیر کیا گیا ہے اسی کی قدرت میں اس کا عوض وصلہ بھی ہے

سورۂ ممتحنہ کی آیت تلاوت کرتے ہوئے ایسا مغالطہ آمیز ترجمہ کیا کہ عوام دھوکے میں آگئے اور نہایت سہولت سے مطلب برآری ہوگئی۔ لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۰ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین و اخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولٰئک ھم الظالمون ۰

تقریر مغالطہ اس وقت وہ علماء سیاسی جو کفار مشرکین کے بادۂ محبت میں سرشار ہو رہے ہیں جھوم جھوم کر اسی آیہ کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو یہ سمجھاتے ہیں کہ دیکھو حق سبحانہٗ نے غیر مسلم فریق کو دو صنفوں میں تقسیم فرما دیا ہے ایک تو وہ ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑتے ہیں نہ مکانوں سے انہیں نکالتے ہیں ان کے ساتھ ہر طرح کی محبت ہمدردی نیکی اور احسان کا حکم خدا دیتا ہے دوسرے وہ ہیں جو یہ سب کرتے ہیں ان کے ساتھ اس طرح کا کوئی علاقہ بھی اگر مسلمان رکھے گا تو یہ نہ صرف گناہ ہے بلکہ نفاق ہے اور منافق مومن نہیں دیکھو آج تک ہندوؤں نے نہ کبھی اسلامی ممالک پر حملہ کیا نہ مسلمانوں سے قتال فی الدین کیا نہ کسی اسلامی ملک سے مسلمانوں کے اخراج کا باعث ہوئے پس ان کے

ساتھ کیا وجہ ہے جو مسلمان محبت و ہمدردی نیکی و احسان نہ کریں حالاں کہ اُن کا رب اُنہیں ایسا کرنے کی اجازت دے رہا ہے ہاں عیسائیوں نے نہیں نہیں بلکہ انگریزوں نے مسلمانوں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ان سے کسی طرح کا واسطہ رکھنا دین و اسلام سے نکل جانا ہے۔

یہی وہ فریب ہے جو اس وقت عام مسلمانوں سے کیا گیا یہی وہ تلبیس کا جال ہے جس میں مسلمانانِ ہند کو گرفتار کر کے ہندوؤں کے حوالہ کیا گیا یہی وہ شرعی مغالطہ ہے جسے علمائے سیاسی نے چند روزہ جاہ کے لئے ایجاد کیا یہی وہ تحریف دینی ہے جس کا ارتکاب عین ایمان قرار پایا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

مسلمانو دیکھا تم نے دین سے بے پروائی اور علوم دینیہ سے بے نیازی کا ثمرہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام حق کو باطل اور باطل کو حق تم سے کہا گیا تمہیں سمجھایا گیا تم نے سُن بھی لیا اور عمل پر آمادہ بھی ہو گئے۔

اب مصیبتیں جھیلو مشقتیں اُٹھاؤ ذلت و خواری کی زندگی بسر کرو نافرمانی مولا تبارک و تعالیٰ کو فرمانبرداری سمجھتے رہو یہاں تک کہ موت آجائے اور تمہیں توبہ بھی نصیب ہو

مغالطہ کا خطرناک نتیجہ کوئی گناہ جب کہ گناہ سمجھ کر عمل میں آئے تو نفس لوامہ کی ملامت عاصی و خاطی کو توبہ و انابت کی طرف متوجہ کرتی ہے لیکن جب کہ گناہ عین اطاعت سمجھ کر کیا جائے تو پھر توبہ و استغفار کی بھی اُمید منقطع ہو جاتی ہے۔

اس وقت جو عالم نما لیڈروں نے بدترین اعمال کو مذہبی تعلیم کہکر پیش کیا ہے اور تم اُس پر لبیک کہکر جھک پڑے ہو شاید وہ وقت دُور نہیں جب کہ اس گمراہی و ضلالت کی رو سیاہ حقیقت تمہیں مشاہد ہو جائے اور یہ سارے سبز باغ جل کر خاک سیاہ ہو جائیں۔ واذ زین لھم الشیطان اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما

تراءت الفئتٰن نکص علی عقبیہ وقال انی بریٓ منکم انی اریٰ ما لا ترون انی اخاف اللہ واللہ شدید العقاب ۝

ایک التماس

اس سے پیشتر کہ اس مغالطہ آمیز تقریر اور اس مخرب دین مسئلہ کی حقیقت بیان کروں اس قدر گزارش کی اجازت چاہتا ہوں کہ وہ ذات جس نے عالم میں نشر و تبلیغ مذہب اسلام کی فرمائی اُس کے متعلق اُس کے بھیجنے والے نے ارشاد فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین وہ کتاب جسے تعلیم اُمت کے لئے اس خاکدان عالم میں اس نے امانت چھوڑا اُس کے باب میں حق سبحانہٗ یوں فرماتا ہے۔ یا ایھا الناس قد جاءتکم موعظۃ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمۃ للمؤمنین ۝

اسلام کامل و مکمل ہے

وہ دین متین جس کے اتباع کو ہمارے صلاح و فلاح کا ضامن و کفیل بنایا اُس کے باب میں یہ مژدہ سُنایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ پیغمبر کا وجود رحمت اُس کی لائی ہوئی وحی آسمانی رحمت اُس کا دین کامل و تمام اور حق سبحانہٗ کا پسندیدہ پس یہ کیوں کر ممکن ہے کہ وہ اُمت مسلمہ جس نے دین اسلام کو لبیک کہا جس نے قرآن مجید کو خدا کا بھیجا ہوا فرمان ہدایت یقین کیا جس نے اُس نبی برحق کی تصدیق کی اور اُس کے اتباع کو وسیلۂ نجات جانا وہ کسی وقت کسی حالت میں بھی احتیاج کا ہاتھ کسی غیر کی طرف پھیلائے یا اُس دین کی کوئی تعلیم اپنے متبع کو زحمت و مصیبت میں مبتلا کرے۔

مولیٰ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ زندگی کا ہر شعبہ اور حیات انسانی کا ہر لمحہ جو اس عالم امکان میں وقوع پذیر ہو سکتا ہے اُن سب کے

طریق عمل کا صحیح نمونہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں موجود ہے اُمت کی سعادت اس میں ہے کہ اپنے واقعات زندگی میں اسی حیات طیبہ کی تقلید و اتباع کرے۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ؕ

کس قدر نادانی اور کیسی بد نصیبی ہے جو اسلام کا یہ مفہوم سمجھا جاتا ہے کہ وہ صرف چند ایسے اعمال و ارکان بتاتا ہے جن سے قوت وہمیہ بڑھکر انسان کے سارے قوائے دماغیہ پر مستولی ہو جاتی ہے اُس کے جذبات فنا ہو جاتے ہیں اور وہم کی ہمہ گیری و استیلا آخر اُسے ایک راہب ولا یعقل بنا دیتی ہے اُس کا وجود ایک ایسی مہیب تصویر پیش کرتا ہے جسے دیکھکر زمین کا بسنے والا اُس جیسے ہونے کے خیال سے بھی لرز جاتا ہے۔

سیرة خاتم النبیین کا ایک صفحہ

دوستو ومن اصدق من اللہ قیلا ؀ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا کون ہو سکتا ہے دیکھو جب کہ وہ تمہارے دین کو ہر پہلو سے کامل اُس کی تعلیم کو ہر طرح کی رحمت و برکت کا ضامن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو تمہارے لیے نمونہ فرما رہا ہے تو پھر تمہارا ایسا خیال محض نا آشنائے حقیقت ہونے کی دلیل ہے۔

عہد نبوۃ کا آغاز اور اُس کا قبائل پر اثر

ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس طرح شروع ہوتی ہے کہ وہ مقدس ہستی ہنوز شکم مادر میں ہے کہ باپ نے اس عالم سے کوچ کیا مالی حالت دادا کے وقت سے ہی مضمحل ہو رہی تھی اب اُس کا نام و نشان بھی نہ رہا خاتم النبیین کا منصب جس وقت تفویض ہوا اور اُسی کے ساتھ یہ حکم ملا کہ یا یھا المدثر قم فانذر وربک فکبر تو یہ کوئی راز نہیں کہ اُس ہادی برحق نے جس وقت اس حکم کی تعمیل فرمائی اور دعوت توحید کی تبلیغ عرب کی سرزمین میں پیش کی ہے تو سارے ملک میں زلزلہ پڑ گیا مخالفت کی اک آگ تھی جو تمام قبائل میں بھڑک اُٹھی بغض و حسد کے شعلے ہر کافر و مشرک کے سینے سے بلند ہونے لگے۔

ایک متنفس بھی ایسا نہ تھا جو آغاز کار میں معین و غمگسار ہوتا نہ ہاتھ میں دنیاوی مال و خزانہ تھا نہ اعانت و مدافعت کے لئے کوئی فوج و لشکر تیار تھا اپنا ملک دشمن اپنا قبیلہ دشمن اپنا خاندان و کنبہ دشمن۔

کفار کی ایذا رسانی صداقت ایمانی نے جب آہستہ آہستہ حق کے نور سے بعض سینے روشن کر دیئے تو اُس وقت پیروان ملت بیضا بھی اعداء کے دست تطاول میں گرفتار ہو گئے اب کفار و مشرکین میں ہر روز مشورے ہوتے جفا و بیداد کی نت نئی تحریکیں پیش ہوتیں اذیت و آزار کا ہر روز ایک نیا پہلو تلاش کیا جاتا کبھی راستہ میں کانٹے بچھا دیئے کبھی اُونٹ کا اوجھ دوش اقدس پر لا کر رکھ دیا کبھی چادر پکڑ کر کھینچ لی گئی کبھی سنگ باری سے ساق مبارک زخمی و گھائل کر دی گئی کبھی مقاطعہ کی تحریک پر جو سرگرم ہوئے تو لین دین خرید و فروخت سب بند کیے بیٹھے کبھی شہر بدر کرنے پر آمادہ نظر آئے کبھی قید کا فیصلہ کرنے لگے غرض تکلیف دہی کی جس قدر صورتیں اُن کے مشرکانہ دل و دماغ میں آسکیں اُنھیں نہایت بیدردی و بیباکی سے عمل میں لائے۔

مقصود ان ساری مفسدہ پردازیوں اور فتنہ انگیزیوں کا یہ تھا کہ اُس داعی حق کی صدائے حقانی کو کسی طرح پست کیا جائے لیکن وہ ذات پاک جسے اپنے مولیٰ تبارک و تعالیٰ کی جناب سے یہ حکم ملا تھا کہ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لا یھدی القوم الکافرین یعنی اے رسول جو کچھ آپ کا رب آپ کی طرف وحی بھیجتا ہے اُسے اُس کے بندوں تک پہونچائے رہا کفار و مشرکین کا شر و فساد اُس سے بچانے والا اور محفوظ رکھنے والا آپ کا اللہ تعالیٰ ہے پھر یہ کیوں کر ممکن تھا کہ وہ پیکر حق وہ مجسمۂ صداقت ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے دشمنوں کی

جمعیت یا ان کی فاسد شرارتوں سے مضطر ہو جاتا یا اپنے نشر و تبلیغ میں ایک ساعت کا بھی التواء روا رکھتا وہ کمال استقامت اور انتہائے عزم سے ساری مخالفتوں کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ ہجرت کی آیت اتری اور مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف آقائے دو عالم نے ہجرت فرمائی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

مکہ کے دشمنوں نے یہاں پہونچکر بھی راحت واطمینان سے بیٹھنے نہ دیا آج بدر کی لڑائی ہے تو کل احد کی غزوہ دومۃ الجندل سے فارغ ہی ہوئے تھے جو غزوہ خندق شروع ہو گیا کفار و مشرکین کی یہ حالت تھی کہ نہ خود چین و سکون سے بیٹھتے تھے نہ داعی اسلام کو طمانیت و فراغ کے ساتھ اشاعت دین کا موقع دیتے۔

مدینہ طیبہ میں مخالفتوں کا ہجوم مدینہ پہونچکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور حریف بھی مقابلہ کرنا پڑا یہ گروہ یہودیوں کا تھا اطراف مدینہ میں بکثرت یہود آباد تھے اس وقت کے لحاظ سے سامان قوت بھی ان کے پاس کافی تھا یہودیوں کی قوم ایسی خبیر النفس اور قسی القلب ہے جن کے فتنہ و فساد شر و طغیان کے بے شمار واقعات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں ان دو دشمنوں کے علاوہ خاص سکنائے مدینہ میں ایک گروہ منافقین کا پیدا ہو گیا جو بظاہر اسلام کا کلمہ پڑھتا اور باطن میں عداوت اسلام و مسلمین مخفی و مکنون رکھتا جس کا موقع بموقع اظہار بھی ہو جاتا یہ مسلمانوں کا تیسرا دشمن تھا۔ نجران میں کچھ عیسائی آباد تھے دعوت توحید نے انھیں بھی مخالفت پر آمادہ کر دیا جن سے مباہلہ کا واقعہ قرآن مجید میں موجود ہے۔

تمام ممکن حالات سے مبلغ اسلام و مسلمین کا مقابلہ الغرض مدینہ طیبہ پہونچکر اس اللہ کے حبیب کو چار فریقوں سے مقابل ہونا پڑا مشرکین یہود و نصاریٰ اور منافقین مقابلہ میں جو کچھ ہونا ممکن ہے وہ سب کچھ ہوا میدان کارزار کی بھی گرما گرمی رہی اور

قتل وقتال کی بھی خوں ریزی دخوں افشانی مسلمان شہید بھی ہوئے اور کفار کو تہ تیغ بھی کیا گھڑی دو گھڑی کے لیے شکست کے آثار بھی پائے گئے اور پھر صدق نے کذب پر حق نے باطل پر فتح بھی پائی۔

ایک ایسا موقع بھی اُحد کی لڑائی میں پیش آگیا کہ خود پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ ہوا اور وہ مقدس ہستی مجروح بھی ہوئی۔

کبھی کوئی مسلم کفار کے ظالم ہاتھوں میں مبتلا بھی پایا گیا اور کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں جماعت کفار مصائب اسیری میں بھی دیکھی گئی اسی دوران جنگ میں کبھی کسی فریق سے موادعت کی گفتگو ہو گئی اور کبھی کسی فریق سے مصالحت کی باتیں طے پا گئیں۔

سلاطین سے خطاب انھیں ایام میں جب کہ مجاہدین کے نعرۂ تکبیر و تہلیل سے سرزمین حجاز پر رحمت حق کی بارش ہو رہی تھی سلاطین روم و ایران اور فرمارو ایان غسان و حبشہ بھی دعوت تبلیغ سے محروم نہ رکھے گئے صلح حدیبیہ کے بعد چھ قاصد چھ بادشاہوں کے پاس ایک ہی دن روانہ کئے گئے بادشاہوں میں سے کسی نے قبول کیا اور کسی نے اعراض کسی نے قاصد کے عزت و احترام سے اپنے اخلاق کا ثبوت دیا اور کسی نے اپنی وحشت و تمرد کا اظہار کیا کسی نے قبول اسلام سے تو اپنے کو محروم و بے نصیب رکھا لیکن تحفہ و ہدیہ بھیجا جو قبول سرکار رسالت ہوا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک یہ پہلو تھا جو محاربین و مجادلین کے ساتھ نظام عمل کا سبق اپنی امت کو دیتا ہے۔

حیات اقدس کا دوسرا رُخ دوسرا رُخ اُس کی زندگی کا مسلمانوں کو تعلیم شریعت سے علماً و عملاً آراستہ و مزین بنانا تھا مہاجرین گھر بار خویش و اقربا چھوڑ چھوڑ کر آتے جاتے تھے اور رحمۃ للعالمین کے دامن شفقت میں وہ سب کچھ پالیتے جسے ایک مخلص و صادق مومن ہی

پاکستانی مہاجرین کے علاوہ خود انصار کی جماعت میں اشاعت اسلام ہر روز افزوں ہورہی تھی وفود کا ایاب و ذہاب اس کے علاوہ تھا جوق در جوق مختلف قبائل کے وفد آتے ایمان لاتے مسائل سیکھتے اور اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے۔

تبلیغ کی بے نظیر شان

قابل لحاظ یہ نکتہ ہے کہ اسی کشاکش میں جب کہ ہر چہار طرف سے مخالفوں نے گھیر رکھا تھا ایک لمحہ بھی ایسا زندگی پیغمبر میں نہیں ملتا جس میں رشد و ہدایت کا درس دریغ رکھا گیا ہو عین ایسے موقع پر جب کہ احد کی لڑائی میں کفار و مشرکین نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نرغہ میں لے لیا تھا اعداء کے تلوار و نیزوں نے ہر چہار سمت سے گھیر رکھا تھا اسی غزوہ میں چند اشخاص حاضر خدمت ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی تمنا ظاہر کی داعی الی اللہ سرتاج رسل ہادیِ سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کو کلمۂ ایمان کی تلقین فرمائی ایک ہی نظر کیمیا اثر سے ان کے قلوب کا تصفیہ و تزکیہ فرما دیا ان میں سے عمر بن لیث اور مخریق کا نام صفحات تاریخ پر عجب الطائف نورانی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

ہدایت کا ایک بے مثل واقعہ

یہ دونوں شرف زیارت سے مستفیض ہوتے ہی استصواب فرماتے ہیں اسلم ام اقاتل یا رسول اللہ یعنی ارشاد فرمایئے پہلے اسلام لاؤں یا اس سے پیشتر جہاد شروع کردوں اللہ اللہ اس سوال کے جواب کا کیسا سخت موقع ہے منصب رسالت کی بجاآوری کا کیسا نازک لمحہ ہے لیکن وہ ذات مقدس جس کی بعثت کا مقصد تمام عالم میں تبلیغ دعوت توحید ہے اس کا جواب یہ ہوتا ہے اسلم ثم قاتل یعنی اے عزیزو پہلے اسلام لاؤ پھر حمایت ایمان میں مقاتلہ کرو۔ دونوں حضرات ایمان لاتے ہیں فیوض و انوار سے ان کے قلوب معمور و مملو کردیئے جاتے ہیں چاشت کا وقت ہے کسی نماز فریضہ کی یہ ساعت نہیں لیکن جہاد کا فرض سامنے ہے اس کے ادا میں مصروف و مشغول ہوجاتے ہیں کچھ ایسے

اخلاص و صدق کے ساتھ اس فرض کو یہ دونوں اصحاب (رضی اللہ عنہما) انجام دے رہے تے

کر بولی عزوجل کو ان کی خدمت گزاری پسند آگئی بام شہادت سے دونوں سیراب ہو کر

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کا رمز آشکارا کر گئے۔

حقیقی سجدہ

اصحاب رضوان اللہ کا جب کبھی اجتماع ہوتا تو آپس میں پہیلی کے طور پر یہ

بوجھتے کہ وہ کون صحابی ہے جس نے نماز فریضہ کا ایک سجدہ بھی ادا نہیں کیا اور قطعی جنتی ہو

پھر فرماتے کہ یہ وہ اصحاب ہیں جو احد کے غزوہ میں ایمان لائے نماز فرض کا کوئی

وقت نہ تھا اس لئے صلوٰۃ اُن پر فرض نہ ہوئی جہاد کا فرض نہایت سرگرمی سے انجام دیا

جا رہا تھا اس میں شریک ہو کر منصب شہادت سے سرخرو ہوئے لیکن دوستو فی الحقیقت سجدہ تو وہی

تھا جو انہیں نصیب ہوا خدا کی راہ میں چلے خدمت قبول ہوئی شکرانہ میں ایسے سربسجود ہوئے

کہ اب کل قیامت ہی میں سر اٹھائیں گے ؎

مست مے بیدار گرد نسیم شب

مست ساقی روز محشر بامداد

پیغمبر کی حیات مقدس ہر حالت میں سبق آموز نمونہ ہے

مذکورۂ بالا واقعات و حقایق میں اگر نظر تعمق سے

کام لیا جائے تو مؤرخ کی روشنی سے بھی زیادہ

واضح نظر آجائے گا کہ باوجود مسلسل دشواریوں اور گوناگوں پیچیدگیوں کے جن میں سے ہر ایک

حوصلہ شکن اور نظام عمل کی درہم برہم کرنے والی تھی ہادیِ برحق کے عزم و استقلال اور

نظام کار میں سر مو فرق نہ آیا آہستہ آہستہ اسلام و مسلمین میں قوت پیدا ہونے لگی یہاں تک

کہ بہت ہی قلیل مدت میں بلا تشبیہ ایک ریاست کی شان پیدا ہو گئی پھر جب کہ مکہ فتح ہوا تو اب ایک

سلطنت کی قوت و طاقت تھی جس میں ہر روز وسعت و کمال کی افزائش ہو رہی تھی۔

اشارات صدر سے یہ بتانا مقصود تھا کہ ایک وہ مذہب جو انتہائے ضعف و اضمحلال سے شروع ہوا ہو اور محیر العقل سرعت و تیزی سے سلطنت کے رتبہ تک پہونچا ہو جس کے معاملہ ہر اصناف خلق اور رنگا رنگ اہل مذاہب سے سابقہ و مقابلہ رہا ہو اُس دین کے متعلق یہ کہنا کہ سیاسیات کا مذہب سے کیا تعلق یا اُسے رہبانیت کا مرادف قرار دینا یا کسی حال میں بھی اس کی تعلیم کو صامت و ساکت فرض کر لینا کس قدر بے انصافی و محرومی کی دلیل ہے انتہائی بدنصیبی یہ ہے کہ آج اُس دین حنیف اور ملت بیضاء کے نہ صرف پیرو بلکہ اُس مذہب کے عالم و علامہ ہونے کے مدعی اور علم کے ساتھ کسی سلسلہ طریقت کے شیخ ہونے کا جو ادعا رکھتے ہیں جن کے ہاتھوں پر سیکڑوں مسلمان بیعت طریقت کر کے وصول الی اللہ کی راہ پانا چاہتے ہیں آج وہ ہیں کہ صاف لفظوں میں یہ کہہ رہے ہیں کہ "گاندھی مذکر ہے" "پسر و گاندھی کا ہوں" "گاندھی کو اپنا رہنما بنا لیا ہے" "اسلام کی نجات گاندھی کے ہاتھوں سے ہوگی"۔ لا الٰہ الا اللہ ان مدعیان علم نے لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کی جو تفسیر کہ اس وقت اپنے اقوال و افعال سے کی ہے اُس سے اسلام اور اسلام کی تعلیم بیزار ہے حق سبحانہٗ انھیں ہدایت فرمائے اور ان کا کھویا ہوا ایمان پھر انھیں مرحمت فرمائے بحرمۃ النبی و آلہ الامجاد۔

عزیزانِ وطن اگر آپ فقیر کی اس گزارش کو سرسری طور پر پڑھتے ہوئے گزر نہ جائیں بلکہ ذرہ ان سطروں کو پڑھ کر سوچیں کہ میں نے کیا کہا اور کیوں کہا تو اُمید کرتا ہوں کہ اگر آپ کامل غور و فکر سے کام لیں گے تو مسئلہ موالات کی بہت سے مغالطات خود بخود منکشف ہو جائیں گے اور نظام کار کا راستہ بالکل صاف ہو جائیگا تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ کون سے تعلقات کفار سے ناجائز و ممنوع ہیں اور وہ کون سے علائق ہیں جنھیں خود شارع علیہ السلام نے عمل آرا ہو کر ہمیں دنیا میں رہنے اور دین کی خدمت انجام دینے کی رہبری فرمائی۔

یہ شریعت پر بہتان ہے احکام شرعیہ میں کھلی تحریف ہے آیۃ قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے جو یہ کہا جاتا ہے کہ کفار ہند سے موالات جائز ہے مصیبت عظمیٰ تو یہ ہے کہ طرح طرح سے کفار و مشرکین کے ساتھ موالات عمل میں آرہی ہے اور اسے خدمت دین اور جہاد اکبر قرار دیا جاتا ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

لفظ ولا کے معنی کی تحقیق مسئلہ موالات کے ہر پہلو کو واضح ولایح طور پر سمجھنے کے لئے ضرورت ہے کہ لفظ ولا کا صحیح مفہوم و معنی پہلے سمجھ لیا جائے۔ شریعت نے لفظ ولا کے حقیقی و مستعار معنی یہ بیان کئے ہیں الولاء ان یحصل شیأن فصاعدا حصولاً لیس بینہما مالیس منہما و یستعار ذالک للقرب من حیث المکان و من حیث النسبۃ و من حیث الدین و من حیث الصداقۃ والنصرۃ والاعتقاد یعنی دو یا دو سے زیادہ چیزیں جب اس طرح باہم پائی جائیں کہ ان دونوں کے درمیان کوئی تیسری شے ایسی حائل نہ ہو جو ان میں سے نہ ہو تو اسے ولا کہیں گے لفظ ولا کے یہ حقیقی معنی ہیں اس لفظ کے معنی مستعار نزدیکی ہیں یہ نزدیکی خواہ باعتبار مکان ہو یا باعتبار نسبت یا باعتبار دین یا باعتبار دوستی یا باعتبار مدد یا باعتبار اعتقاد اس ترجمہ کا خلاصہ اور ماحصل بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ دو چیزوں میں ایسا اتصال و وصال کہ حد فاصل اُٹھ جائے امتیاز تغایر مٹ جائے اور ایک دوسرے پر محمول ہو سکیں تو اس نزدیکی و قرب کا نام ولا ہوگا لیکن اگر کوئی حد فاصل قائم ہے اور دونوں کی حقیقت ایک دوسرے سے ممتاز ہو رہی ہے تو اس قرب و وصال کا نام ولا نہ ہوگا۔

جیسا سلام نے اپنے متبعین کو یہ ہدایت فرمائی کہ تمہارا غیر مسلم قوم سے کسی حال میں بھی ایسا میل جول نہ ہونا چاہیئے جس سے فرق اسلام و غیر اسلام مٹ جائے ایسا تعلق خواہ تمہارے

معاملات (یعنی اعمال اعضاء و جوارح) کا پایا جائے یا معتقدات (یعنی تصدیقات قلبیہ) کا شریعت کے نزدیک جرم عظیم ہے۔ مثلاً اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان ایک کافر کی ملازمت کر یائے نوکر رکھے اور اس تعلق و نسبت سے کفر کی امداد یا کفر سے نزدیک ہونا مقصود ہو یا کافر کی ہمسائگی ایسے مقصد و مطلب کے لئے اختیار کی جائے تو یہ کھلا ہوا نفاق ہے اور منافق مسلمان نہیں۔

اسی طرح یہ مسئلہ بالکل واضح ہے کہ اگر کسی فرد مسلم یا جماعت مسلم کا کسی غیر مسلم سے قرب من حیث دین یا اعتقاد پایا جائے گا تو یقیناً اس کا شمار اسی گروہ میں ہوگا جس کے دین و اعتقاد سے یہ نزدیک ہوا۔

اسی طرح صداقت سچی دوستی اور دلی محبت کا نام ہے دو شخص باہم صدیق یعنی سچے دوست صحیح معنوں میں اسی وقت کہے جائیں گے جب کہ احکام اثنیت اور دوئی بالکلیہ اٹھ جائیں شریعت محمدی نے اپنے پیروی کرنے والوں کو ایک غیر مسلم قوم سے صداقت و ودّاد پیدا کرنے یا باقی رکھنے سے منع کیا وہ دل جس میں اللہ اور اس کے رسول برحق کی محبت ہو اس میں ایسے اشخاص یا اقوام کی کہاں سمائی ہو سکتی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہوں۔

موالات فی العمل اور موالات صوری کا فرق

لیکن اعمال اعضاء و جوارح ان کی دو صورتیں ہیں ہر ایک کا حکم اور نام شریعت نے جداگانہ رکھا ہے ایسا کام یا ایسا فعل جس سے ادیان باطلہ کا فروغ ہوتا ہو یا اپنے دین و مذہب کو نقصان پہونچتا ہو نا روا و ناجائز ہے اور اسے موالات فی العمل کہیں گے ایسی نصرت و مدد غیر مسلم سے لینا یا غیر مسلم کو پہونچانا جس سے اس کے مذہب کی تقویت ہو یا اپنے دین پر گزند آئے شریعت میں گناہ کبیرہ ہے انتہا یہ کہ

گھوڑے اور ہتھیار کا حربی قوموں کے ہاتھ بیچنا یہ بھی ناجائز قرار پایا ایسے افعال کا مرتکب منافق فی الاصل قرار پائے گا لیکن اگر ایسا نہیں تو وہ مراسم و تعلقات جائز و مباح قرار پائیں گے اور ایسی مدد و نصرت جس میں حمایت غیر دین کی نہ ہوتی ہو رحمت و شفقت میں شمار ہوگی حسن معاشرت اور مدارات اُسے کہیں گے نہ وہ موالات ہے نہ کوئی اُسے موالات قرار دینے کا مجاز ہے بعد اس کے کہ لفظ ولا کے حقیقی و مستعار معنی کی تشریح ہو چکی یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح ولا منہی عنہ و ممنوع ہے اسی طرح وداد، رکون اور اتحاد بھی ممنوع ہے اس میں تو کسی غیر مسلم فریق کا استثنا ہے نہ کسی حالت میں کسی غیر مسلم کے ساتھ اس کی اجازت دی گئی ہے۔

مسلم کی نسبتیں غیر مسلم کے ساتھ چار قسم کی ہو سکتی ہیں غیر مسلم ذمی ہو۔ غیر مسلم خراج گذار رعایا ہو۔ غیر مسلم مساوی و مقابل ہو۔ غیر مسلم حاکم ہو مساوات و تقابل کی تین صورتیں ہوں گی اوّلاً یہ کہ مصالحت و موادعت ہو باہمی معاہدہ سے آپس میں بطور قرار داد و مفاہمہ کچھ طے پا چکا ہو ثانیاً یہ کہ غیر مسلم آمادۂ پیکار ہو جنگ چھڑ گئی ہو یا چھڑ جانے کا احتمال ہو ثالثاً یہ کہ ایک دوسرے سے کسی امر خارج کے سبب تعرض نہ کر سکتا ہو حالات کے ان سب اقسام و تنوعات میں کوئی شکل و حالت ایسی نہیں جس میں منہی عنہ تعلقات یعنی موالات و وداد و رکون و اتحاد کا جواز و اباحت بھی قرآن کریم یا حدیث نبوی یا اجماع اُمت یا اجتہاد ائمہ دین سے ثابت ہو سکے۔

غیر مسلم سے موالات ہر حال میں ممنوع ہے

حقیقت یہ ہے کہ مسلم کی موالات خدا کی وہ نعمت ہے جسے ایک مسلم ہی پا سکتا ہے کسی غیر مسلم شخص یا قوم کو موالات مسلم سے مستفید ہونے کا کوئی موقع نہیں دیا گیا ہاں قوم مسلم رحمۃ للعالمین کی امت ہے اس لئے

اس کے فیوضِ مرحمت اور برکات شفقت جو ولا سے اپنی صورت مشابہ رکھتے ہیں لیکن باعتبار حقیقت وماہیت وہ ولا نہیں اُن سے غیر مسلم تو ہیں بھی محروم نہ رکھی جائیں گی خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ کفار ومشرکین ہوں یا صابئین وثنیین حالت امن وسکون ہو یا میدان حرب وقتال

دوستو تم نے سُنا میں نے کیا کہا میں نے یہ کہا کہ موالات ایک مسلمان دوسرے مسلمان ہی سے کر سکتا ہے خواہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر کسی حال میں بھی ایک مسلم کسی غیر مسلم شخص یا قوم سے ولا وموالات رکھنے کا مجاز نہیں بنایا گیا حد یہ کہ منافق جو صورتاً مسلمان ہی ہوتا ہے اس سے محروم کر دیا گیا فساق فجار سے بھی ولا منع ہے ایک مومن اسی پر مامور ہے کہ وہ موالات ایک مومن ہی سے رکھے سوا مومن کے جو بھی ہو وہ موالات مومن سے محروم ہی رہے گا قرآن مجید نے یہی حکم دیا ہے سنت رسول نے یہی تفسیر کی ہے حاملان علوم دینیہ نے یہی سمجھا ہے یہی اپنی تفسیروں میں لکھا ہے۔

فقیر کی ایک التماس ہے کلام پاک کی تلاوت کر جاؤ لفظ ولا کو تلاش کرو کسی جگہ تمہیں یہ حکم نہ ملیگا کہ اس حالت میں کفار یا یہود یا نصاریٰ کے ساتھ موالات کرنے کی تمہیں اجازت ہے تم کو اگر اپنے تلاوت قرآن اور فہم کی تقصیر کا اعتراف ہو تو علمائے سیاسی سے پوچھ دیکھو اس قدر تمیز تو تم بھی رکھتے ہو کہ الفاظ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو جس لفظ کے متعلق نہی وارد ہے اگر وہ لفظ یا اُسی کا مشتق ومصدر تمہیں آنکھوں سے دکھائی دے تو مجھے جو چاہو کہو لیکن اگر ایسا نہیں اور یقیناً ایسا نہیں تو سمجھ لو کہ پانی یہاں مرتا ہے۔

علمائے سوء کی ایک عیاری

اس وقت مسئلہ موالات اس شکل سے سامنے لایا گیا ہے جس سے سطحی نظر والوں کو یہ معلوم ہوا کہ واقعات وحالات پر علماء نے ایک گہری نظر ڈالی اور انتہائے جد وجہد کمال سعی وکوشش کا نتیجہ ہے جو ایسی حالت میں صحیح

ذمہ داری مذہبی اور حقیقی مطالبہ دینی جو مسلمانوں پر اُن کا مذہب پیش کر رہا تھا علما رسیاسی کے مجتہدانہ دقیق نگاہوں نے اُسے پالیا۔

حالاں کہ موالات رکون و وداد اور اتحاد یہ وہ مسائل ہیں جن کا غیر مسلم کے ساتھ پایا جانا ہمیشہ سے منہی عنہ ہے اور ہر حال میں منہی عنہ رہے گا خواہ غیر مسلم ذمی ہو یا رعایا مساوی و مقابل ہو یا مستولی و متسلط حالت امن و سکون ہو یا حرب و جدال۔

ان تفصیلات کے بعد اکابر مفسرین کی تفسیر سے شواہد پیش کرتا ہوں عبارت تفاسیر سے حسب ذیل امور پر روشنی پڑے گی۔

(۱) وہ کل آیتیں جن میں غیر مسلم کے ساتھ موالات و وداد پر نہی وارد ہے وہاں ملت نہی اُن کا کافر و بیدین ہونا ہے۔

(۲) الحب فی اللہ والبغض فی اللہ اصول دین میں سے ایک اہم اصل دینی ہے یعنی دوستی و محبت اللہ ہی کے لئے ہونی چاہیئے اور بغض وعداوت بھی اللہ ہی کیلئے

(۳) کفار یا مشرکین کے ساتھ ترک وداد اور ترک موالات میں قتال یا عدم قتال ایجاباً و سلباً کوئی دخل نہیں رکھتے کفر و اسلام ان کے ایجاب و سلب کے حقیقی علل ہیں۔

(۴) جہاں ایمان و اسلام ہے وہاں موالات و وداد ہے اور جہاں کفر و شرک ہے وہاں موالات و وداد کا سلب ضروری ہے۔

(۵) سورہ ممتحنہ کی آیت لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین الخ ناسخ نہیں ہے بلکہ بعضوں کے نزدیک منسوخ ہے۔

(۶) آیات ترک موالات مطلق ہیں کوئی مفسر ان کے نسخ اطلاق کا قائل نہیں۔

(۷) موالات غیر مسلم کے معنی دوستی و محبت ہے یا ایسی اعانت و نصرت جس سے

مسلمانوں کا یا اسلام کا نقصان ممکن و قرین قیاس ہو معاشرتی و تمدنی امور میں مدد لینا یا مدد دینا ہرگز ممنوع نہیں۔

تفسیر جلالین (۱) (یاایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء) توالونھم وتوادونھم (بعضھم اولیاء بعض) باتحادھم فی الکفر (ومن یتولھم منکم فانہ منھم) من جملتھم (ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین) بموالاتھم الکفار۔

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ بایں طور کہ اُن سے موالات کرو یا مودۃ پیدا کرو یہ سب کے سب کفر میں متحد اور ایک ہیں اس لئے بعض اُن کا بعض کا دوست ہے اور جو تم میں سے اُنہیں دوست بنائے گا وہ اُنہیں میں شمار ہوگا اللہ تعالیٰ ظالموں کی ہدایت نہیں فرماتا یعنی ظالم ہیں جنہوں نے کفار سے موالات رکھی۔

(۲) (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) یوالونھم (من دون) ای غیر (المؤمنین ومن یفعل ذالک) ای یوالھم (فلیس من) دین (اللہ فی شیء)

مومنین کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں اور جو مومن ایسا کرے گا یعنی اُن سے دوستی کرے گا تو اُس کے لئے دین الٰہی میں کچھ باقی نہ رہا۔

تنویر دیکھو آیۃ کریمہ میں مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے مطلق کفار اور یہود و نصاریٰ سے مودۃ و موالات یعنی دوستی و محبت منع فرمائی ہے مفسر نے بھی مطلق ہی سمجھا اور لکھا کوئی قید اس کی نہیں لگائی کہ جو کافر و نصرانی مسلمانوں سے لڑے یا مکانوں سے نکالے موالات اُس سے ممنوع ہے کیا مطلق کو مقید کرنا یہ تحریف نہیں؟ اگر آیۃ ممتحنہ اس کی ناسخ ہوتی تو مفسر قید قتال فی الدین اور اخراج عن الدیار کا اضافہ کر دیتا یا کم از کم نسخ کا اشارہ کر دیتا لیکن جب کہ ایسے

نہیں ہی تو پھر موالات کے وہی معنی ہوئے جو شریعت کی زبان سے گزشتہ صحبت میں بتا چکا ہوں

تفسیر بیضاوی (۱) (یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء) فلا تعتمدوا علیہم ولا تعاشروہم معاشرۃ الاحباب (بعضہم اولیاء بعض) ایماء الی علۃ النہی ای فانہم متفقون علی خلافکم یوالی بعضہم بعضا لاتحادہم فی الدین واجماعہم علی مضادتکم

یہود و نصاریٰ پر نہ تو اعتماد کرو نہ مثل احباب کے ان کے ساتھ معاشرت رکھو بعضہم اولیاء بعض کا اشارہ علت نہی کی طرف ہے یہود و نصاریٰ تمہاری مخالفت پر متفق ہیں مذہب میں متحد اور ایک ہیں اس لئے آپس میں باہم دوست و مددگار ہیں تمہاری ضد اور مخالفت پر اُن سب کا اجماع ہے۔

(۲) (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) نہوا عن موالاتہم لقرابۃ او صداقۃ جاہلیۃ ونحوہما حتی لا یکون حبہم وبغضہم الا فی اللہ او عن الاستعانۃ بہم فی الغزو وسائر الامور الدینیۃ (من دون المؤمنین) اشارۃ الی انہم الاحقاء بالموالاۃ وان فی موالاتہم مندوحۃ عن موالاۃ الکفرۃ (ومن یفعل ذلک) ای اتخاذہم اولیاء (فلیس من اللہ فی شیء) ای من ولایتہ فی شیء یصح ان یسمی ولایۃ فان موالاۃ المتعادیین لا یجتمعان قال شعر

مومنین منع کئے گئے ہیں کہ وہ کفار سے دوستی و محبت رکھیں خواہ یہ محبت بسبب قرابت کے ہو یا اُس دوستی کی وجہ سے جو ایام جاہلیت میں تھی یا کسی اور سبب سے کفار کے ساتھ ہر قسم کے علاقہ محبت کو اس طرح قطع کر دیں کہ اُن کی محبت اور اُن کا بغض اللہ ہی کے لئے رہ جائے یا لفظ ولا اس آیۃ میں بہ معنی نصرۃ و اعانۃ ہے اُس تقدیر پر یہ معنی ہوئے۔

تو دعدادی ثمہ تزعم انہی   کہ مومنین منع کئے گئے ہیں اس سے کہ وہ کفار سے مدلیں
صدیقک لیس النوک عنک بعازب   غزوات یعنی جہاد میں اور کل دینی کاموں میں

من دون المومنین کا اشارہ اس طرف ہے کہ مستحق موالات مومنین ہی ہیں ان کی محبت و دوستی ان کی اعانت و مدد کفار سے بے نیاز کرنے والی ہے اور جو شخص ایسا کرتا ہے یعنی ان سے محبت کرتا ہے یا ان سے دینی کاموں میں مدد لیتا ہے تو پھر اس کے لئے ولایت اللہ میں سے ایک ذرہ بھی ایسا نہ رہا جس کا ولایت نام رکھا جا سکے اس لئے کہ دو دشمنوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی شاعر کہتا ہے میرے دشمن سے تو دوستی رکھتا ہے پھر خیال کرتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں ایسا خیال تیری حماقت سے کچھ بعید نہیں۔

تنویر | تفسیر بیضاوی کی عبارت سامنے موجود ہے دیکھو علت عدم موالات کفر کو قرار دیا ہے یا قتال فی الدین اور اخراج مسلمین کو مطلقاً کفار و یہود و نصاریٰ سے جب کہ موالات ممنوع ہے تو پھر قید قتال فی الدین وغیرہ کی بڑھانا کیا مذہب میں تحریف نہیں پھر یہ بھی دیکھو کہ ولا اگر نصرۃ و مدد کے معنی میں لیا جائے تو کس طرح کی مدد لینا کفار سے ممنوع ہے صاف لفظوں میں بیضاوی نے بتا دیا ہے اور مثال بھی پیش کر دی ہے۔

کھلے لفظوں میں مفسر کہہ رہا ہے کہ دینی کاموں میں مدد کفار سے لینا موالات ہے مثلاً جہاد و غزوات یا اور کوئی دینی امر دنیاوی کاروبار اور معاشرتی زندگی میں نہ مدد لینا موالات ہے نہ مدد دینا۔

خدارا انصاف شرط ہے اسکول اور کالج جو اپنا ہی روپیہ واپس لیں جب کہ حکومت نے اسی مقصد تعلیم کے لئے اکر جمع کیا تھا اس کی واپسی تو موالات میں شمار ہو روپیہ لینے والا حکم قرآن سے مخالفت کرنے والا قرار پائے لیکن خلافت جو محض دینی مسئلہ اور انگریزوں سے جزیرۃ العرب کا تخلیہ

جو خالص جہاد و غزوہ اُس میں گاندھی اور کفارانِ ہند سے نہ صرف مدد لینا بلکہ من کل الوجوہ اُن کے ہاتھوں کی کٹ پتلی ہوجانا نہ موالات نہ منہی عنہ بلکہ سنت و فرض ہے۔

تفسیر مدارک (۱) (لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء) نھوا ان یوالوا الکافرین لقرابة بینھم ولصداقة قبل الاسلام او غیر ذالک وقد کرر ذالک فی القرآن والمحبة فی اللہ والبغض فی اللہ باب عظیم فی الایمان

مومنین اس سے منع کئے گئے ہیں کہ وہ کفار کے ساتھ دوستی و محبت رکھیں یہ محبت خواہ قرابت کے سبب یا جاہلیت کی دوستی کی وجہ سے یا کسی اور باعث سے ہو یہ مسئلہ قرآن میں باربار آیا ہے محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان کا ایک بہت بڑا باب ہے۔

(من دون المؤمنین) یعنی ان لکم فی موالاة المؤمنین مندوحة عن موالاة الکافرین فلا توالوھم علیھم (ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیء) ای ومن یوالی الکفرة فلیس من ولایة اللہ فی شیء لان موالاة الولی وموالاة عدوہ متنافیان

(من دون المؤمنین) یعنی اے مسلمانوں تمہیں مومنین کی موالات کفار کی موالات سے بے نیاز کردیگی انہیں چھوڑ کر کفار کو محبوب نہ بناؤ (ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیء) جو شخص کفار سے دوستی کرتا ہے اُس کے لئے اللہ کی ولایت سے کچھ باقی نہ رہا اس لئے کہ کسی دوست سے محبت اور اُس دوست کے دشمن کی محبت یہ دونوں متنافی ہیں۔

(۲) یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصٰری اولیاء) ای لا تتخذوھم اولیاء تنصرونھم وتستنصرونھم وتؤاخونھم وتعاشرونھم معاشرة المؤمنین ثم علل النھی بقولہ (بعضھم اولیاء بعض) وکلھم اعداء للمؤمنین وفیہ دلیل ان الکفر کلہ ملة واحدة (ومن یتولھم منکم فانہ منھم من جملتھم وحکمہ حکمھم

یہود و نصاریٰ کو اپنا اولیاء نہ بناؤ بایں طور کہ اُن کی مدد کرو یا اُن سے مدد لو یا اُن سے بھائی چارہ قایم کرو یا اُن سے ایسی معاشرت رکھو جیسا مسلمانوں کی آپس میں معاشرت ہونی چاہئے۔

پھر نہی کی علت اپنے اس قول سے بیان فرماتا ہے (بعضھم اولیاء بعض) ہر ایک ان میں سے مسلمانوں کا دشمن ہے اُس میں اس امر کی دلیل ہے کہ کفر کے سارے مذاہب ایک ہی مذہب ہیں (ومن یتولھم منکم فانہ منھم) جو اُنھیں تم میں سے ولی بنائے وہ

وھذا تغليظ من الله و
تشديد في وجوب مجانبة
المخالف في الدين

اُنہی گروہ میں سے ہے اور اُس کا حکم بھی وہی ہے جو اُن کا حکم ہے
اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بہت بڑی سختی اور شدت ہے کہ جو دین اسلام
کا مخالف ہے اُس سے پہلو تہی کرنا واجب ہے

تنویر | تفسیر مدارک بھی ایک مشہور و معروف کتاب ہے اس مفسر نے بھی مطلقاً کفار و یہود و نصاریٰ
سے ترک موالات واجب سمجھا اور لکھا یہاں تک کہ ہر وہ قوم یا شخص جو مخالف فی الدین ہے
اُس سے ترک موالات ضروری ہے مسلمان نہ اُس کی دوستی کریں گے نہ اُس کے دینی و مذہبی
کاموں میں مدد دیں گے نہ اپنے مذہبی اُمور میں اُس سے مدد لیں گے۔

مسلمانوں کے مذہبی امور میں مسلمانوں کا معین و مددگار رہنا موالات کفار سے مستغنی و
بے نیاز کرنے والا ہے اور کفار بےدین کے مددگار و یار و غمگسار کفار ہیں۔

تفسیر البحر المحیط ابوحیان اندلسی |

(لا يتخذ المؤمنون
الكافرين أولياء من
دون المؤمنين ومن يفعل ذالك فليس من الله
في شيء) النهي هنا إنما معناه النهي عن اللطف بهم
والميل إليهم واللطف عام في جميع الأعصار
وقد تكرر هذا في القرآن ويكفيك من ذالك
قوله تعالى لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم
الآخر يوادون من حاد الله ورسوله الخ والمحبة
في الله والبغض في الله أصل عظيم من أصول الدين
وظاهر الآية تقتضي النهي عن موالاتهم إلا ما فسح لنا

اس جگہ نہی کے معنی یہ ہیں کہ
مسلمانوں کو کفار کے ساتھ لطف
کرنے سے اور اُن کی طرف جھکنے
سے منع کیا گیا ہے۔ لطف سے
اُن کا باز رکھنا ہر زمانے کے
لئے عام ہے یہ مضمون قرآن میں
بار بار آیا ہے تیرے لئے اللہ کا
یہ فرمانا کافی ہے کہ تو نہ پائے گا
ایسی قوم جو اللہ اور قیامت پر
ایمان لائی ہو کہ وہ قوم دوست رکھے

فيه من اتخاذهم	ئے جو اللہ اور اللہ کے رسول کا دشمن ہو محبت
عبيدا او الاستعانة	فی اللہ اور بغض فی اللہ اصول دین میں سے ایک
بهم الاستعانة العزيز	بہت بڑی اصل ہے۔ ظاہر آیت اُن سے موالات
بالذليل والارفع	کو منع کرتی ہے مگر وہ چیزیں مستثنےٰ ہیں جن میں ہمیں
بالاوضع والنكاح فيهم	گنجائش ہے جیسا کہ اُنھیں غلام بنا کر رکھا جائے یا
فهذا الجملة ضرب من	اُن سے مدد لینا جیسا کہ عزیز ذلیل سے یا صاحب منصب
الموالاة اذن لنا فيه	کم رتبہ سے مدد لیا کرتا ہی یا اُن کی عورتوں سے نکاح کرنا یہ سب قسمیں
ولسنا ممنوعين منه والنهي	موالات کی ہیں جن کی ہمیں اجازت دی گئی ہی اور اس سے ہم منع
ليس على عمومه ۂ	نہیں کیے گئے ہیں نہی اپنے عموم پر نہیں ہے۔

تنویر علامہ اندلسی نے اس آیۃ کی تفسیر میں بہت سے اشارات لطیفہ کی طرف ہدایت فرمائی عدم موالات کی وجہ بغض فی اللہ کو قرار دیا جیسا کہ دیگر مفسرین کی تفسیروں سے واضح ہو چکا ہی سورۂ ممتحنہ کی آیت نے مطلق کو مقید نہیں کیا اگر قتال فی الدین وغیرہ علت نہی ہوتی تو کوئی مفسر تو اُسے لکھتا آخر اس کی کیا وجہ جو ہر ایک مفسر مطلقاً کفار سے موالات ناجائز قرار دیتا ہے مزید براں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کو اصل قرار دیتے ہوئے ہر ایک مفسر اطلاق پر مہر کر دیتا ہی۔

اسی کے ساتھ مفسر اندلسی نے معاشرت اور کاروباری زندگی کے متعلق بھی یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ امور موالات صوری ہیں منہی عنہ موالات حقیقی ہے نہ کہ موالات صوری النہی لیس علی عمومہ کا یہی مطلب ہی۔

تفسیر خازن (۱) لا يتخذ المؤمنون	(۱) مومنین کو اپنا ناصر و معین سوائے مومن کے
الكافرين اولياء) يعني انصارا واعوانا	غیر مومن کو نہ بنانا چاہئے ایک مومن اپنی ولایت

من دون المؤمنين يعني من غير المؤمنين
والمعنى لا يجعل المؤمن ولايته لمن هو
غير مؤمن نهى الله المؤمنين ان يوالوا
الكفار او يلاطفوهم لقرابة بينهم او
محبة او معاشرة والمحبة في الله والبغض
في الله باب عظيم واصل من اصول الايمان
(وَمَنْ يَّفْعَلْ ذَالِكَ) يعني موالاة الكفار
من نقل الاخبار اليهم واظهار عورة
المسلمين او يودهم ويحبهم فليس
من الله في شيء

کسی غیر مومن کے ساتھ نہ قایم کرے مسلمانوں
کو اللہ تعالے نے اس سے منع فرمایا ہے
کہ وہ کفار کے ساتھ موالات و ملاطفت اختیار
کریں یہ فعل اُن کا قرابت باہمی یا محبت یا معاشرت
ہی کے سبب سے کیوں نہو ہر حال میں موالات منہی عنہ
ہے محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ دین کا بڑا باب
ہے اور اصول ایمان میں سے ایک اصل ہے اور جس نے ایسا
کیا یعنی کفار سے موالات اختیار کی بایں طور کہ مسلمانوں کی
خبریں اُن تک پہنچائیں یا مسلمانوں کے بھیدوں سے
انھیں آگاہ کیا یا اُن سے دوستی و محبت کی تو اس کے
لئے خدا کی رحمت سے کچھ حصہ نہ رہا۔

(۲) (یا ایها الذین امنوا لا تتخذوا الیهود
والنصاری اولیاء) نهی الله المؤمنین
جمیعا ان یتخذوا الیهود والنصاری انصارا
واعوانا علی اهل الایمان بالله ورسوله
واخبر انه من اتخذهم انصارا واعوانا
وبطانة من دون الله ورسوله والمؤمنین
فانه منهم وان الله ورسوله والمؤمنین
منه براء (بعضهم اولیاء بعض) یعنی ان
بعض الیهود انصار لبعض علی المؤمنین

(۲) سارے مسلمانوں کو اللہ تعالی نے منع فرمایا ہے کہ
اُن لوگوں پر جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان
لائے ہیں یہود و نصاری کو اپنا ناصر و معین بنائیں اور یہ خبر
ارشاد فرمائی کہ اللہ اور اُس کے رسول اور مومنین کو چھوڑکر
جو انھیں اپنا ناصر یا معین یا حلیف بنائے گا وہ اُس کا شمار
انھیں میں ہوگا بیشک اللہ اور اس کا رسول اور مومنین
اُس سے بری ہوگئے۔ مومنین کی مخالفت پر بعض
یہود بعض کے مددگار ہیں اور یہی حال نصاری کا ہے

ون النصارىٰ كذالك يد واحدة
على من خالفهم في دينهم وملتهم
(ومن يتولهم منكم فانه منهم) يعني
ومن يتولى اليهود والنصارىٰ دون
المؤمنين فينصرهم على المؤمنين فهو
من اهل دينهم وملتهم لانه لا
يتولى مولى احد الا وهو راض به و
بدينه واذا رضيه ورضي دينه
صار منهم وهذا تعليم من الله وتشديد
عظيم في مجانبة اليهود والنصارىٰ وكل
من خالف دين الاسلام۔

کہ جو اُن کے دین و ملت کا مخالف ہو اُس کی مخالفت و
مقابلہ پر سب یک ہاتھ ہو جاتے ہیں جو شخص یہود و نصاریٰ
سے مومنین کو چھوڑ کر موالات کریگا پھر یہود و نصاریٰ کی
مسلمانوں کے مضرت و نقصان یا مقابلہ پر مدد کرے گا
تو وہ انہیں کے دین و ملت میں محسوب ہوگا کسی کی مدد کریگا
یہی نشان ہے کہ اُس سے اور اُس کے دین سے مدد کرنیوالا
راضی ہے۔ اور جب اُس سے اور اُس کے دین سے راضی
ہوا تو انہیں میں سے ہوا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم ہے اور
یہود و نصاریٰ اور ہر وہ شخص جو دین اسلام کا مخالف
ہے اُس سے پہلو تہی کرنے کا بڑی شدت و سختی سے
حکم دیا گیا ہے۔

تنویر | مسلمانو! تفسیر خازن کی عبارت پڑھو دیکھو تو کفار کی مدد دینی و مذہبی امور میں ممنوع ہے یا معاشرتی اور عمرانی زندگی میں. کیا مفسر ممتحنہ کی آیت سے اس آیت کو منسوخ قرار دیتا ہے؟ کیا مفسر نے یہود و نصاریٰ اور کفار سے مطلق ارادہ نہیں کیا؟ کیا قید قتال فی الدین یا اخراج مسلمین کا اضافہ کیا؟ کیا ہر مخالف دین اسلام کے ساتھ ترک موالات کو واجب نہیں کہا؟ کیا کفار و نصاریٰ سے دوستی اور محبت کو منع نہیں فرمایا؟ اگر ان سب سوالوں کا جواب تمہیں انصاف و صواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو پھر تمہیں بتاؤ کہ مشرکانہ مذہبی اور اُن کے ہم مذہبوں سے محبت کرنا کیا موالات نہیں۔ تمہیں بتاؤ قربانی گاؤ کو ترک کرنا یہاں تک کہ معمولاً اُس کا ذبح بند کرنا کیا مسلمانوں کو چھوڑنا اور مومنین کے مقابلہ میں کفار و مشرکین کی مدد کرنا نہیں؟ کیا قشقہ لگانا ہندوؤں کی جے

بگاڑنا رام رام ست ہی کرنا دینِ کفار کے ساتھ اظہار رضا و پسندیدگی نہیں؟ خدارا انصاف شرط ہے صریح نہی قرآنی کا ارتکاب تو تمہارے لیڈر کریں خالص موالات ہندوؤں کے ساتھ برتیں اور مسلمانوں کو اس کی طرف جور و ظلم شدت و سختی کے ساتھ کھینچ کر لائیں یہ سب نہ صرف جائز بلکہ عین خدمت اسلام ہو اور مسلمان جو روپیہ اپنا واپس لیں یہ موالات قرار پائے اس پر ہنگامہ آرائی کی جائے اور اسے دعوت حق کا لقب بخشا جائے وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

تفسیر کبیر میں

واعلم انه تعالیٰ انزل آیات اخر کثیرة فی هذا المعنی منها قوله تعالیٰ لا تتخذوا بطانة من دونکم وقوله لا تجد قوما یؤمنون بالله والیوم الآخر یوادون من حاد الله ورسوله وقوله لا تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء وقوله یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء وقال والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض ۝

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی معنی کو بہت سی دوسری آیتوں میں نازل فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ مقام ہے کہ اے ایمان والو مومنین کے سوا کسی اور کو اپنا رازدار نہ بناؤ پھر دوسری جگہ فرمایا ایسی قوم جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائی ہے تو نہ پائیگا کہ وہ دوست بنائے اُسے جس نے اللہ اور اللہ کے رسول کو دشمن رکھا تیسری جگہ فرمایا اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ چوتھی جگہ ارشاد ہے اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ پھر فرمایا مومن مرد اور مومنہ عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

واعلم ان کون المؤمن موالیا للکافر یحتمل ثلاثة اوجه (احدها) ان یکون راضیا بکفره ویتولاه لاجله

جاننا چاہیے کہ مومن کی موالات کسی کافر کے ساتھ تین طرح کی ہو سکتی ہے (۱) کافر کے کفر کو پسند کرتا ہو اور اُس کے کفر پر راضی ہو کافر کو اُس کے کفر ہی کی وجہ سے

وهذا ممنوع منه وتصويب الكفر
كفر والرضا بالكفر كفر (وثانيها)
المعاشرة الجميلة في الدنيا بحسب
الظاهر وذالك غير ممنوع منه (و
القسم الثالث) وهو كالمتوسط بين
القسمين الاولين هو ان موالاة
الكفار بمعنى الركون اليهم والمعونة
والمظاهرة والنصرة اما بسبب القرابة
او بسبب المحبة مع اعتقاد ان دينه
باطل فهذا لا يوجب الكفر الا انه
منهي عنه لان الموالاة بهذا المعنى
قد تجره الى استحسان طريقته
والرضا بدينه وذالك يخرجه
عن الاسلام فلاجرم هدد الله تعالىٰ
فيه فقال ومن يفعل ذالك فليس
من الله في شيء

دوست رکھتا ہو ایک مومن ایسا کرنے سے باز رکھا
گیا ہے تصویب کفر کی کفر اور رضا کفر پر کفر ہے (۲) باعتبار
ظاہر دنیاوی اچھی معاشرت کافر کے ساتھ رکھے یہ
ممنوع نہیں ہے (۳) تیسری قسم پہلی دونوں قسموں کا
درمیانی مقام ہے۔ اُس وقت کافر کے ساتھ موالات
کے یہ معنی ہوں گے کہ رکون اُن کی طرف یا معونت
یا مظاہرہ یا نصرت یہ موالات خواہ قرابت کے سبب ہو
یا محبت کی وجہ سے ہو باوجود اس اعتقاد کے کہ دین
اُس کا باطل ہے تو یہ موالات موجب کفر نہیں مگر منہی
ضرور ہے اس لئے کہ یہ موالات کسی وقت اُس کی عزلی
مذہب کی طرف یہ کھینچ لے اور یہ اُس کے دین کو پسند
کرنے لگے اور اس دین سے راضی ہو جائے کفر کو
اچھا سمجھنا یا اُس پر راضی ہونا دین اسلام سے نکل
جانا ہے پس بالضرور اللہ تعالےٰ نے اس سے تہدید
فرمائی اور یہ دھمکی سنائی کہ جو ایسا کریگا اُس کے
لئے اللہ کے دین سے کچھ نصیبہ نہیں۔

تنویر امام رازی نے اس معنی میں جس قدر دوسری آیتیں نازل ہوئی ہیں اُن میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی ظاہر فرما دیا کہ جہاں کہیں کلام پاک میں موالات کو منع فرمایا گیا ہے اُس کے کیا معنی ہیں اور شریعت نے کیا ارادہ کیا ہے موالات حقیقی وصوری کو یکجا لے کر تین قسمیں

کر دیں پہلی قسم موالات حقیقی کو کفر کا مرادف قرار دیا دوسری وہ صورت کہ نہ دل سے کفر پر رضا و پسندیدگی نہ اعمال و افعال سے اُس کی تائید ہاں کفار کے ساتھ میل جول۔ لین دین آدمیت و مدارات کا برتاؤ اور عمرانی حیات میں معاسات فعل معروف کا عمل اسی معاشرت جمیل کہتے ہیں شریعت نے اس سے ہرگز منع نہیں فرمایا۔

تیسری قسم موالات کی یہ ہے کہ دل کفر سے بیزار لیکن اعضاؤ جوارح کے اعمال و افعال سے کفر کی تائید کیجائے دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے یا قرابت و رشتہ کا خیال رکھتے ہوئے ایسا عمل وقوع میں آئے تو یہ موالات اگرچہ کفر تو نہیں اس لئے کہ دل کفر سے متنفر ہے لیکن منہی عنہ ضرور ہے۔ کفر کی تائید ہوتی ہے اور افعال کفریہ سے عقیدہ کفریہ کے پیدا ہو جانے کا احتمال ہے۔

اب بتاؤ امام کی تقسیمات ثلثہ میں سے اسکول و کالج کا امداد لینا کون سی قسم میں داخل ہے نیز یہ بھی بتلاؤ کہ علماء سیاسی کا گاندھی میں جذب ہو کر مسلمانانِ ہند کے حقوق پر چھری پھیرنا کون سی قسم موالات میں ہے۔ تفسیر کی عبارت آنکھوں کے سامنے موجود ہے ترجمہ عبارت کا پیش نظر ہے دیکھو اور سمجھو آخر خدا کے پاس جانا ہے دین سے آنکھیں نہ چراؤ تم اس کے محتاج ہو دین تمہارا محتاج نہیں۔

تفسیر ابن جریر

(۱) لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین هذا نهی من الله عز وجل المؤمنین ان یتخذ الکفار اعواناً وانصاراً وظهوراً ومعنی ذالک لا تتخذوا ایها المؤمنون الکفار ظهیراً وانصاراً توالونهم علی

(۱) اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے مسلمانوں کو یہ حکم امتناعی دیا گیا ہے کہ وہ کفار کو اپنا معین و ناصر یا پشت پناہ نہ بنائیں۔ اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ اے ایمان والو کفار کو اپنا پشت و پناہ و مددگار نہ بناؤ بایں طور کہ اُن کے دین سے محبت رکھتے ہو مومنین کے سوا کفار کی مدد کرتے ہو تاکہ مسلمانوں کو نقصان و مضرت پہونچے

دینهم وتظاهرون معهم علی المسلمین من
دون المؤمنین وتدلونهم علی عوراتهم
فانه (ومن یفعل ذلك فلیس من الله
فی شیء) یعنی بذلك فقد برئ من الله
وبرئ الله منه بارتداده عن دینه
ودخوله فی الکفر۔

یا مسلمانوں کے اسرار بھیدوں پر کفار کو باخبر
کرتے ہوئے بیشک جس نے ایسا کیا اللہ اس سے
بری اور وہ اللہ کی ذمہ داری سے بری ہو گیا
وہ دین اسلام سے مرتد ہو گیا اور کفر میں
داخل ہو گیا۔

(۳) (یا ایها الذین آمنوا لا تتخذوا الیهود
والنصاریٰ اولیاء) والصواب من القول
فی ذالك عندنا ان یقال ان الله تعالیٰ
ذکره نهی المؤمنین جمیعا ان یتخذوا الیهود
والنصاریٰ انصارا وحلفاء علی
اهل الایمان بالله ورسوله واخبر
انه من اتخذهم نصیرا وحلیفا وولیا
من دون الله ورسوله والمؤمنین
فانه منهم۔

(۳) اس آیۃ کے متعلق صحیح وصواب قول یہ ہے کہ اللہ
سبحانہ جس کا ذکر بلند ہے اس نے ساری مومنین کو منع
فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے خلاف جو اللہ اور اس کے
رسول پر ایمان لائے ہیں یہود ونصاریٰ کو اپنا مددگار یا حلیف
نہ بنائیں نیز اس امر سے حق سبحانہ نے خبر دی کہ اللہ ورسول
اور مومنین کے سوا جس نے انھیں مددگار یا حلیف یا دوست
بنایا وہ انھیں میں سے ہوا (بعضهم اولیاء بعض)
سے یہ ارادہ فرمایا کہ بیشک بعض یہود مومنین کے مقابلہ
ومخالفت پر بعض یہود کے مددگار رہیں مختلف قبائل
یہود مسلمانوں کے مقابلہ ومخالفت پر متحد ویکدست ہیں

اما قوله (بعضهم اولیاء بعض) فانه عنی
بذلك ان بعض الیهود انصار بعضهم
علی المؤمنین وید واحدة علی جمیعهم

بیشک نصاریٰ کا بھی یہی حال ہے کہ جو بھی
ان کے دین وملت کے خلاف ہے اس کے مقابل میں
بعض نصاریٰ بعض کے مددگار رہیں اور من یتولهم

وان النصارى كذلك بعضهم انصار بعض
على من خالف دينهم وملتهم (ومن يتولهم
منكم فانه منهم) يعني تعالى ذكره بقوله ومن
يتولهم منكم فانه منهم ومن يتولى اليهود والنصارى
دون المؤمنين فانه منهم يقول فان من تولاهم
ونصرهم على المؤمنين فهو من اهل دينهم وملتهم
(ان الله لا يهدي القوم الظالمين) يعني
تعالى ذكره بذلك ان الله لا يوفق من وضع
الولاية في غير موضعها فوالى اليهود والنصارى
مع عداوتهم الله ورسوله والمؤمنين على
المؤمنين وكان لهم ظهيرا ونصيرا۔

منکم فانہ منہم) یعنی جو یہود و نصاریٰ سے
مومنین کو چھوڑ کر موالات کرتا ہے پس
وہ انہیں میں سے ہے اس لئے کہ جس نے
اُن سے دوستی کی اور مومنین کے
خلاف میں اُن کی مدد کی وہ انہیں کے
دین و مذہب میں سے ہے۔
بیشک اللہ تعالیٰ توفیق عطا نہ فرمائے گا
اُس شخص کو جس نے اپنی ولایت غیر جگہ میں صرف
کی مومنین کے خلاف میں اُس نے یہود و نصاریٰ
سے موالات اختیار کی حالاں کہ یہ گروہ اللہ اور
اُس کے رسول اور مومنین کا دشمن ہے۔

تنویر تفسیر ابن جریر کی عبارت پڑھو اور اچھی طرح غور کرو پھر انصاف سے کہو کہ صیغۂ تعلیم میں جو روپیہ اپنا جمع کردہ گورنمنٹ سے واپس لیا جاتا ہے وہ موالات کیوں کر ہو سکتا ہے کیا اپنے مال کی واپسی اعانت کفر ہے یا مومنین کو اس سے نقصان پہونچتا ہے یا اخوت اسلامی کو منقطع کرتا ہے۔

دیکھو تمہارے لیڈروں نے چپکے چپکے گاندھی سے سرگوشی کی مسلمانوں کو چھوڑا اُن کی بات بھی نہ پوچھی اور جب گاندھی کا درس انہیں یاد ہوگیا تو اُس کی زبان بنکر تمہیں گائے کی قربانی سے منع کیا فرق اسلام و کفر مٹا دینے کی تلقین کی مشرک کا نوحہ خواں تمہیں بنایا۔ ٹکٹی اُس کی تم سے اُٹھوائی جن مسلمان نے ان افعال سے جو صریحاً حرام و ممنوع تھے منع کیا یا اس خطا کاری پر انہیں

متنبہ کیا اُس کے پیچھے پڑ گئے مسلمانوں کو چھوڑنا کفار سے ملنا اُن کے مذہبی مراسم میں شریک ہونا سنگم و پریاگ کو مقدس و متبرک کہنا یہ سب اُنھیں اقسام موالات سے ہیں جنھیں شریعت نے حرام فرمایا ہی۔

عبارت تفسیر میں ہر جگہ نَصَرَ کا صلہ علی آیا ہی۔ علی المؤمنین۔ علی المسلمین جس کا یہ مطلب و منشا ہی کہ مسلمانوں کے خلاف مسلمانوں کی ضرر رسانی مسلمانوں کی تکلیف دہی پر کفار کی مدد ممنوع ہی اور داخل موالات ہی۔ یہ عام محاورہ ہے نَصَرَ زَیدًا اُس نے زید کی مدد کی نَصَرَ عَلٰی زَیْدٍ زید کے خلاف مدد پہونچائی۔ پس لفظ ولا کے معنی جب نصرۃ یعنی مدد کے لیے جائیں تو اُس وقت وہ مدد جس کا تعلق معاشرت و تمدن سے ہو موالات منہی عنہ میں شمار نہ ہوگا۔ یہی معنی شریعت کی زبان سے ابتدائی بحث موالات میں بضمن تحقیق معنی ولا لکھ چکا ہوں۔ تمام مفسرین کی عبارت بھی اب پیش کر دی ہر ایک مفسر نے اُسی معنی کی تائید کی ہے۔ تمہارے لیڈر جو لفظ ولا یا موالات کے معنی جو بیان کرتے ہیں وہ خود انھیں کا اختراع کردہ ہی۔ شریعت اس اختراعی معنی کو قبول کرنے سے ابا کرتی ہی۔ جن حالات و تعلقات پر موالات کی تطبیق دیتے ہیں از روئے شریعت وہ غلط محض ہی اس طرح کا اجتہاد اور اس طرح کے معنی کا اختراع مسلمانوں کو پریشان کرنا اور اصلی حقیقی نظام عمل کو باطل کرنا ہی یہ دین کی خیر خواہی نہیں ہی بلکہ مذہب و ملت کی بدخواہی ہے اور کھلی بدخواہی۔

اب آؤ سورۂ ممتحنہ کی پیش کردہ آیت کے متعلق بھی مفسرین کی تحقیقات لکھکر بحث کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن اگر آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ سے قبل اُس آیۃ شریفہ کے متعلق جس سے سورۂ مکرمہ شروع ہوتی ہی کچھ گزارش کر دوں تو تحقیق مقام میں بہت وضاحت ہو جاتی ہی۔

حضرت حاطب کا واقعہ | یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء

تلقون الیهم بالمودة۔ تمام ائمہ مفسرین کی تحقیق و نیز نصوص احادیث اس پر دلیل ہیں کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی شان میں اس آیۂ پاک کا نزول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ پر فوج کشی کا ارادہ فرماتے ہیں ساز و سامان کی تیاری ہو رہی ہے لیکن عام طور سے اس کا اظہار نہیں فرمایا گیا کہ مجاہدین کا نعرۂ تکبیر کس سرزمین پر بلند ہوگا کون سی آبادی مسلمانوں کے خاک قدم سے مشرف ہو کر دارالاسلام کی کرامت حاصل کرے گی ہاں بعض مخصوص صحابہ اس سر نبوی کے حامل و امین بنائے گئے جن میں سے ایک حاطب رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت حاطب کے اعزہ ہنوز مکہ میں مقیم تھے آپ کو یہ خیال گزرا کہ میری قرابت نسب کفار مکہ سے نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں سے مغلوبیت کا اندازہ کرتے ہوئے کفار مکہ اپنا غیظ و غضب اقربائے مسلمین سے جو مکہ میں مقیم ہیں ظاہر کریں وہ مسلمان جن کی قرابت نسب کفار مکہ سے ہے ان کے اقربا نسبی رشتہ کی وجہ سے مظالم کفار سے محفوظ رہ جائیں تو کچھ عجب نہیں لیکن میری کوئی قرابت نہیں لہذا میرے خاندان کو کفار تباہ و برباد کر دیں گے۔ ہاں اگر میں کوئی احسان و امتنان ان کے حق میں اس وقت بجا لاؤں تو اس احسان کا عوض شاید انہیں ظلم و ستم سے باز رکھے اسی خیال سے انہوں نے ایک خط کفار مکہ کو لکھا اور انہیں اس امر سے آگاہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم پر فوج کشی کا ارادہ رکھتے ہیں تم اپنا بچاؤ کر لو۔

ایک عورت لے کر روانہ ہوتی ہے حق سبحانہٗ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط سے مطلع فرماتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کو مع چند اصحاب کے یہ حکم دے کر روانہ فرماتے ہیں کہ روضۂ خاخ پر ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے اس سے خط لے کر آجاؤ ہاں اگر انکار کرے تو اس عورت کو قتل کر دینا۔

مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ اسی مقام پر عورت کو پاتے ہیں خط کا مطالبہ ہوتا ہے وہ انکار کرتی

ہے موت کی دھمکی جب دیجاتی ہے تو اپنے جوڑے میں سے خط نکال کر دیتی ہے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ خط لے کر مدینہ طیبہ تشریف لاتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خط حاضر فرماتے ہیں۔ اب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ طلب ہوتے ہیں افشار راز کی پرسش اُن کرہوتی ہے جواب ارشاد فرماتے ہیں ما کفرت منذ اسلمت ولا غششتك منذ نصحتك ولا احببتهم منذ فارقتهم بعض روایت میں یہ جواب مروی ہے اما واللہ انی لمومن باللہ ورسولہ ما غیرت ولا بدلت ما فعلت ذالك کفرا ولا ارتدادا عن دینی ولا رضا بالکفر بعد الاسلام خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں کفر کی باتوں سے دل بیزار ہوگیا ہے دین کی خیر خواہی مخلصانہ بجالاتا ہوں کچھ بھی دل میں کھوٹ نہیں جب سے اسلام لایا کفار سے محبت چھوڑدی روز اسلام سے اس وقت تک کسی طرح کا تغیر و تبدل مجھ میں نہیں آیا نہ میں مرتد ہوا اعزہ کی حفاظت مقصود تھی اسی کے ساتھ اس کا بھی علم ویقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فتح عطا فرمائے گا میرے اخبار سے اُنھیں کوئی نفع نہ حاصل ہو گا ہاں کفار منت پذیر میرے ہو جائیں گے اس جواب کو سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں بیشک حاطب نے سچ کہا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یا رسول اللہ یہ شخص منافق ہوگیا اللہ اور اُس کے رسول کے معاملہ میں خیانت ورزی کی حکم ہو تو گردن اُڑادوں ارشاد ہوتا ہے کہ اے عمر حاطب اصحاب بدر میں سے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین بدر کو مغفرت کا مژدہ سُنایا ہے یہ ارشاد سُن کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں۔

تنویر۔ اس واقعہ کی طرف اگر غور سے دیکھا جائے تو گوناگوں مسائل پر روشنی پڑتی ہے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ سے خطائی اجتہادی ہوئی ہے وداد و ولا کے مفہوم سمجھنے میں اُن سے سہو ہوتا ہے

وہ یہ سمجھے کہ جب دل میرا صاف ہی اور قلب میں بجز اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کی ذرہ برابر بھی خیر خواہی نہیں تو میرا یہ عمل نہ وداد ہے نہ ولا۔ لیکن حق سبحانہ نے ایہ کریمہ میں اس فعل کو ولا اور وداد دونوں قرار دیا اس لئے کہ افشار راز پیغمبر تھا مسلمانوں کے نقصان وضرر کا احتمال وامکان تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کی خیر خواہی بر نظر فوائد ذاتی ودنیاوی جس سے اپنے دین کا ضرر محتمل ہو یا حقوق مسلمین کا اتلاف ہو وہ بھی ولا ہی وداد ہے ایسے اعمال جن کی مذہب اجازت نہیں دیتا وہ کسی خیال سے بھی کیوں نہ کئے جائیں حرام و منہی عنہ ہیں۔ دلی محبت کافر سے رکھنا یا اُس کے افعال کفریہ کو دل سے پسند کرنا تو کفر ہی اسلام سے خروج ہے ایمان سے بے نصیب ہونا ہی لیکن دل متنفر اور اعضاء وجوارح اُن اعمال میں مصروف یہ حرام ہے اشد فسق ہے خاص کر جب علی رؤس الاشہاد اس کا وقوع ہو تو فسق بالاعلان کا حکم فسق مخفی سے زیادہ شدید ہی۔ فاسق معلن کو نہ سلام کرنا شریعت میں جائز نہ اُس کے سلام کا جواب واجب حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعہ نے سورج کی روشنی میں دکھا دیا کہ فرضی واختراعی دعوت حق کے مدعی کفار ہند سے موالات کر رہے ہیں یا تعلیم گاہیں جو روپیہ لے رہی ہیں وہ نصاریٰ سے موالات کر رہی ہیں۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے پاکی قلب پر پیغمبر خدا کی تصدیق نے مہر کر دی۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کفار مکہ کے خیر طلب ہرگز نہ تھے لیکن اُن کا یہ فعل ایسا تھا کہ اگر کفار مکہ کا کوئی جاسوس ہوتا جسے اس راز ومشورہ کی خبر ہو جاتی تو وہ بھی یہی کرتا یہ فعل جاسوس کفار یا مخلص کفار کے فعل پر محمول ہو سکتا ہے اس سے یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہی کہ قوم مسلم یا فرد مسلم کو ایسا کام مذہب کفر کی تائید میں نہ کرنا چاہیئے جسے کوئی کافر اپنے مذہب یا قوم کی ہمدردی وخیر طلبی میں عمل میں لائے علماء سیاسی مدعیان دعوتِ حق اپنے اعمال پر نظر کریں حضرت حاطب کا واقعہ عبرت وبصارت کے لئے کافی ہے

یہ کہنا کہ موالات اور ہے اور معاملات اور مطلقاً یہ بھی صحیح نہیں۔ فی الحقیقت تائید کفر و بیدینی کا نام موالات ہے یہ تائید اگر اعتقاد سے ہے تو کفر ہے اور اگر اعمال و افعال سے ہے تو حرام ہے اب مسلمان فیصلہ کریں کہ امدادی رقم جو درسگاہوں کو ملتا ہے کیا اُس سے عیسائیت ونصرانیت کی تائید وتقویت ہوتی ہے اگر اس کا جواب ایجاب میں ہے تو اس سوال کی اجازت دیجیے کہ سنہ ۱۹۲۰ء سے قبل بھی آپ کا یہی فتویٰ تھا یا نہیں اگر اس کا جواب اثبات میں ارشاد ہو تو اس التماس کی معافی چاہتا ہوں کہ پھر انگریزوں کا جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ پر متصرف ہوجانا اور قوت دفاعی اسلام یعنی خلیفۃ المسلمین کا بے دست و پا کردینا ملت ترک موالات کیوں قرار پایا اور اگر جواب نفی میں ہے تو براہ کرم یہ فتویٰ دیدیجئے کہ حالت صلح و آشتی میں عیسائیت کی تائید وتقویت جائز ہے۔ اے کاش اب بھی سمجھنے کی کوشش آپ کریں ہاں اے لیڈرو تمہارے مسلسل متواتر افعال بانواع مختلفہ کفر و شرک کی تائید میں صادر ہوئے اور نہ معلوم اُن کا سلسلہ کب تک قائم رہیگا۔ کس بیدردی سے مسئلہ قربانی پر تم نے ہاتھ صاف کیا کس ذوق وشوق میں تم نے گئوماتا کی جے پکاری۔ کس عقیدت سے تلک کی تم نے نوحہ خوانی کی۔ کس فرط ارادت سے تم نے یہ کہا کہ گاندھی مذکر بنا کر بھیجا گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے ملیامیٹ کردینے کا تم نے عہد راسخ کرلیا ہے کفر و شرک کی تبلیغ وتحسین کا تم نے بیڑا اُٹھایا ہے لیکن یاد رکھو کہ تمہاری یہ تمنا ہرگز ہرگز پوری نہ ہوگی کیا یہ آیت تم بھول گئے یا قرآن کے کلام ربانی ہونے سے قطعاً منکر ہی ہو بیٹھے سنو اور کان کھول کر سنو۔ یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہٖ ولو کرہ الکافرون ہ

اب جب بعدہ سورہ ممتحنہ کی آیۃ کریمہ لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین

کے متعلق گزارش ہے امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں اُن تمام اقوال مفسرین کو یکجا جمع فرما دیا ہے جسے اس آیت کا شانِ نزول ارباب تفاسیر نے قرار دیا ہے۔

آیۃ لاینھاکم اللہ کی شان نزول

اختلفوا فی المراد من الذین لم یقاتلوکم فالاکثرون علی انھم اھل العھد الذین عاھدوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ترک القتال والمظاھرۃ فی العداوۃ وھم خزاعۃ کانوا عاھدوا الرسول علی ان لا یقاتلوہ ولا یخرجوہ فامر الرسول علیہ السلام بالبر والوفاء الی مدۃ اجلھم وھذا قول ابن عباس والمقاتلین والکلبی (۲) وقال مجاھد الذین اٰمنوا بمکۃ ولم یھاجروا (۳) وقیل ھم النساء والصبیان (۴) وعن عبد اللہ بن الزبیر انھا نزلت فی اسماء بنت ابی بکر قدمت امھا قتیلۃ علیھا وھی مشرکۃ بھدایا فلم تقبلھا ولم تاذن لھا بالدخول فامرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس میں عالمانِ علوم تفسیر کا اختلاف ہے کہ لم یقاتلوکم سے کس طرح کے اشخاص مراد ہیں حضرت ابن عباس اور مقاتلین اور کلبی کی یہ تحقیق ہے کہ اس سے اہلِ عہد مراد ہیں جنھوں نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ مقابلہ کریں گے نہ مسلمانوں کو نکالیں گے یہ اہلِ عہد بنو خزاعہ تھے (۲) مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لم یقاتلوکم سے کفار مراد نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمان مراد ہیں جو ایمان لائے لیکن ہجرت کر کے مدینہ طیبہ نہیں پہونچے بلکہ مکہ ہی میں مقیم رہے (۳) ایک قول یہ بھی ہے کہ لم یقاتلوکم سے مراد عورتیں اور کم سن بچے ہیں (۴) عبد اللہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ اسماء جو بیٹی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھیں اُن کے متعلق یہ آیتہ نازل ہوئی ہے اُن کی ماں جن کا نام قتیلہ تھا مکہ سے اپنی بیٹی کو دیکھنے آئیں کچھ تحفہ اور ہدیہ بھی ساتھ لائیں مگر چونکہ وہ ہنوز مشرکہ تھیں اس لئے بیٹی نے ماں کو نہ تو مکان میں گھسنے دیا نہ اُن کا ہدیہ

ان تدخلها و تقبل منها و تكرمها
و تحسن اليها (٥) وعن ابن عباس
انهم قوم من بني هاشم منهم
العباس اخرجوا يوم بدر كرها
(٦) وعن الحسن ان المسلمين استأمروا
رسول الله في اقربائهم من المشركين ان
يصلوهم فانزل الله تعالى هذه الآية
(٧) وقيل الآية في المشركين
(٨) وقال قتادة نسختها آية القتال

قبول کیا جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ تحفہ قبول کرو مکان میں انہیں آنے دو عزت کا برتاؤ کرو حسن سلوک سے پیش آؤ (۵) ابن عباس سے روایت ہے کہ لم یقاتلوکم سے مراد خاندان بنی ہاشم کے وہ افراد ہیں جو بجبر جنگ بدر میں لائے گئے تھے جن میں سے خود ایک حضرت عباس بھی تھے (۶) حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اقربا کے ساتھ برتاؤ صلہ رحم حسن سلوک کی اجازت چاہی اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی (۷) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیۃ مشرکین کی شان میں ہے (۸) قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیۃ قتال نے اسے منسوخ کر دیا۔

مسلمانوں ذرا ایمان و انصاف سے کام لو دیکھو جس آیۃ کے تعین مراد میں صحابہ اور تابعین کا اس قدر اختلاف ہو اُس کو اصولی تقسیم قرار دینا کس قدر انصاف و دیانت کا خون کرنا ہے۔

تنویر | قتادہ کی روایت یہ ظاہر کرتی ہے کہ لا ینھاکم اللہ کی آیت منسوخ ہے۔ اگرچہ ابن جریر اس کا جواب دیتے ہیں لیکن اس سے اس قدر تو معلوم ہوا کہ اس آیۂ کریمہ کو کسی نے ناسخ اُن آیات متعددہ کثیرہ کا قرار نہیں دیا جن میں عدم موالات کا حکم مطلقاً کفار سے وارد ہے۔ کوئی ضعیف سے ضعیف تر روایت بھی ایسی نہیں پائی جاتی ہے جس میں یہ مروی ہو کہ لم یقاتلوکم و لم یخرجوکم من دیارکم کی قید نے مطلق کو مقید کر دیا۔ پس موالات جب کہ مطلقاً ہر حال میں منع ہے تو ایسی صورت میں موالات کے وہی معنی قرار پائیں گے جنہیں شریعت کی زبان اور تمام مفسرین کی تحقیقات

ہے ابھی ذکر کر چکا ہوں یعنی کفار کی محبت و مودت یا کفار کے دین کی تائید۔ یا اُن کی تائید اپنے دینی اُمور میں۔ ماوراء اس کے جس قدر تعلقات ہوں گے وہ حقیقی موالات نہیں بلکہ موالات صوری ہیں جن سے شریعت نے ہرگز منع نہیں فرمایا۔ بلکہ خود شارع علیہ السلام کا عمل موجود ہے۔ کفار سے صلح کرنا اُن سے معاہدہ کرنا اُن سے جزیہ لینا انھیں نوکر رکھنا اُن کی جائز ملازمت کرنا قرض لینا گروی رکھنا وغیرہ وغیرہ یہ سب تمدنی حیات کے شعبے ہیں جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل ان امور میں کافی ثبوت ہے۔

ہاں کوئی روایت ایسی نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ کبھی کسی حال میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسیس یا راہب کو نعوذ باللہ اپنا مقتدا بنایا ہو۔ یا انصرام امور دینی میں اُس کی رائے کی پابندی کی ہو۔ یا کسی رسم کفر و شرک کو آپ نے برتنا جائز قرار دیا ہو یا کفار کے مذہبی ایام میں خواہ بہ نفس نفیس شرکت فرمائی ہو یا صحابہ کو اجازت عطا فرمائی ہو۔ یا عید مسلمین میں کفار کو شریک فرمایا ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی ایک بین ثبوت ہے کہ موالات وہی اُمور ہیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی خاطر سے نہ خود کیا نہ دوسروں کو عمل کی اجازت عطا فرمائی ہاں جن اُمور کو آپ نے عزت عمل بخشی وہ نہ موالات نہ اُن کا ترک اتقاء و پرہیزگاری نہ دین و ملت کی خیرخواہی اب مفسر ابن جریر کی تقریر ملاحظہ کیجئے۔

تفسیر ابن جریر واولی الاقوال	بہترین قول ان سب اقوال میں اُس کا ہے جس نے یہ
فی ذالک بالصواب قول من قال عنی بذالک	کہا کہ جمیع اقسام ملل وادیان ارادہ کیا گیا ہے۔ ان کے
لاینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم	ساتھ بھلائی و احسان کرنا صلہ رحم کا خیال کرنا عادلانہ
فی الدین من جمیع اصناف الملل	برتاؤ رکھنا مخصوص و شریع جنک اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد
والادیان ان تبروھم و تصلوھم	میں عام حکم صادر فرمایا ہے کہ جو بھی ایسا ہو کہ نہ مسلمانوں سے

وتقسطوا اليهم ان الله
عز وجل عم بقوله الذين لم يقاتلوكم
في الدين ولم يخرجوكم من دياركم
جميع من كان ذالك صفته فلم
يخصص به بعضا دون بعض ولا
معنى لقول من قال ذالك منسوخ
لان بر المؤمن من اهل الحرب ممن
بينه وبينه قرابة نسب او ممن
لا قرابة بينه وبينه ولا نسب غير محرم
ولا منهي عنه اذا لم يكن في ذالك
دلالة له او لاهل الحرب على
عورة لاهل الاسلام او تقوية
لهم بكراع او سلاح وقد بين
صحة ما قلنا في ذالك الخبر الذي
ذكرناه عن ابن الزبير في قصة
اسماء وامها وقوله ان الله يحب المقسطين
يقول ان الله يحب المنصفين الذين
ينصفون الناس ويعطونهم الحق
والعدل من انفسهم فيبرون من برهم

لڑے نہ اُنھیں اُن کے مکانوں سے نکالے اُن کے
ساتھ بر و قسط دریغ نہ رکھا جائے۔ اس عموم میں کسی
مذہب وملت کی خصوص کو دخل نہیں بلکہ جس میں
یہ صفت پائی جائے اُسی کو یہ حکم شامل ہوگا۔ کوئی وجہ
اس کی نہیں کہ ہم اس آیت کو منسوخ قرار دیں۔ اس لئے
کہ ایک مومن کے لئے ایسے فریق محارب سے کہ اس مومن
اور اُس فریق محارب کے درمیان قرابت ہو یا نسب
ہو یا ایسے فریق محارب کے ساتھ کہ اس مومن اور فریق
محارب کے درمیان نہ قرابت ہو نہ نسب پایا جائے
بر و احسان کرنا نہ حرام ہے نہ منہی عنہ ہے جبکہ اس احسان
سے فریق محارب کو کسی پتہ کی رہبری نہ ہوتی ہو نہ فریق
محارب کو مسلمانوں کے مخفیات و اسرار پر اطلاع ہوتی ہو
نہ فریق محارب کی تقویت گھوڑے اور اسلحے کی گئی
ہو۔ ابن زبیر کی روایت جس میں قصہ حضرت اسماء اور
اُن کی ماں کا مروی ہے میری اس توجیہ کی تصحیح کرتا ہے۔
(ان الله يحب المقسطين) بیشک اللہ دوست
رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو جو لوگوں کے ساتھ
انصاف کرتے ہیں اور ان کا حق انھیں عطا کرتے ہیں اور
اپنی جانب سے عدل کرتے ہیں احسان کرنے والے کے ساتھ

ويحسنون الى من احسن اليهم ۔
انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم
في الدين واخرجوكم من دياركم
وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم
ومن يتولهم فاولئك هم الظالمون
يقول تعالى ذكره انما ينهاكم الله
ايها المؤمنون عن الذين قاتلوكم
في الدين من كفار اهل مكة و
اخرجوكم من دياركم وظاهروا
على اخراجكم ان تولوهم فتكونوا
لهم اولياء ونصراء ومن يتولهم
يقول ومن يجعلهم منكم او من
غيركم اولياء فاولئك هم الظالمون
يقول فاولئك هم الذين تولوا غير
الذي يجوز لهم ان يتولوهم و
وضعوا ولايتهم في غير موضعها
وخالفوا امر الله في ذالك

احسان کرتے ہیں اور نیکی کرنے والوں سے نیکی۔
اے مومنو اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالے
تمھیں منع فرماتا ہے اُن لوگوں سے جنھوں نے
دین کے معاملہ میں تم سے قتال کیا اور تمھیں تمہارے
گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر مدد کی یہ
کہ تم موالات کرو۔ پس تم اُن کے دوست بنو یا
مددگار ہو ومن یتولھم فرماتا ہے اللہ تعالے
کہ جو شخص تم میں سے یا تمہارے سوا دوسرے مومنین
انھیں اپنا دوست بنائیں گے یا انھیں مدد پہنچائیں گے
(فاولئك هم الظالمون) فرماتا ہے کہ یہ
وہ لوگ ہیں جنھوں نے موالات اُن سے کی جن سے
جائز نہ تھی اور اپنی ولایت غیر جگہ پر رکھی اور حکم
الٰہی کے اس معاملہ میں خلاف کیا۔

علامہ ابن جریر آیۃ لا ینھاکم اللہ کو منسوخ قرار نہیں دیتے لیکن اسی کے ساتھ جو مطلب بیان فرماتے ہیں اور جس بسط و ایضاح سے شرح فرماتے ہیں اُس سے مدعیان دعوۃ حق کا ادعا بارہ

پلہ بھرا جاتا ہے۔

تقریر | واقعہ یہ ہے کہ کفار سے موالات کرنے کو حق سبحانہ نے منع فرمایا تھا بعض اصحاب جن میں سے ایک حضرت حاطب ہیں مفہوم موالات کے سمجھنے میں خطائے اجتہادی کے مرتکب ہوئے وہ یہ سمجھے کہ دلی محبت اور دلی خیر خواہی یا یقینی مضرت مسلمین موالات کے مصداق ہیں لیکن حق سبحانہ نے جب اُن کے فعل کو ولا اور وداد دونوں لفظوں سے یاد فرمایا اور پھر آیت مابعد میں یہ ارشاد ہوا ان یثقفوکم یکونوا لکم اعداءً و یبسطوا الیکم ایدیھم و السنتھم بالسوء وودوا لو تکفرون لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم یوم القیامۃ یفصل بینکم واللہ بما تعملون بصیرہ یعنی کفار اگر تم پر قابو پالیں تو تمہاری دشمنی میں کچھ اُٹھا نہ رکھیں تمہیں بُرائی پہونچانے میں ہاتھ بھی بڑھائیں گے اور زبان بھی۔ کفار کی تو یہ تمنا ہی ہے کہ کاش تم انہیں کی طرح کافر ہو جاؤ قیامت کے روز نہ تو تمہاری رشتہ داری کچھ کام آئے گی نہ اولاد ہی سے تمہیں کچھ نفع پہونچے گا اُس دن حق و باطل کا فیصلہ احکم الحاکمین فرمائے گا اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔

اب مسلمان یہ سمجھے کہ عام کفار کے ساتھ کسی طرح کا معاشرتی تعلق بھی رکھنا داخل موالات ہے وہ کفار جن کے حقوق خدمت قرابت کے سبب سے تھے مثلاً والدین وغیرہ مسلمانوں نے سمجھا کہ اب وہ بھی باطل ہو گئے اسی بنا پر حضرت اسماء نے اپنی ماں قتیلہ کے جو مشرکہ تھیں حقوق مادری سے اعراض فرمایا۔ حق سبحانہ نے اب اس مسئلہ کو بالکل صاف فرما دیا۔

مخالفین اسلام کی دو قسمیں قرار دے کر ہر ایک کا حکم ارشاد فرمایا ایک ایسا مخالف اسلام جو مسلمانوں سے نہ لڑے نہ اُنھیں اُن کے مکانوں سے نکالے اُس کے ساتھ احسان اور عادلانہ برتاؤ کی اجازت عطا فرمائی پھر ان اللہ یحب المقسطین فرما کر مسلمانوں کو اقساط کی طرف

جب دلنواز طرز میں ترغیب و تشویق دلائی۔

اس ترغیب اور اس اجازت کی وجہ صاف ظاہر ہے اذیت رسانی اور تکلیف دہی سے باز رہنا بھی ایک قسم کی بھلائی اور نیکی ہے ایسی حالت میں جب کہ کوئی کافر بہ دین مسلمانوں کے ساتھ اس رعایت کا برتاؤ کرے تو اسلام جیسا پاکیزہ دین جو سرتاسر رحمت ہی رحمت ہے اُس کی یہی تعلیم ہونی چاہیے تھی کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور احسان کا عوض احسان۔

حق سبحانہٗ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرمائی کہ جو کافر بہ دین ایسا ہو کہ تمہارے مذہب کو تسلیم نہ کرے اسلام کا کلمہ نہ پڑھے لیکن اسی کے ساتھ تمہیں ستاتا نہیں تمہارے آزار کے درپے نہیں ہوتا تو اُس کی اس انسانیت اور مراعات کا عوض اگر تمہاری جانب سے بر و احسان کے ساتھ ہو یہ منشاء الٰہی اور تعلیم قرآن کی تعمیل ہوگی۔

مسلمانوں نے آیۂ کریمہ لن تنفعکم ارحامکم ولا اولادکم سے یہ سمجھ لیا تھا کہ جس طرح موالات حقیقی ممنوع ہے اُسی طرح موالات صوری بھی منہی عنہ ہے آیۂ لا ینھاکم اللہ نے اس غلطی کی تصحیح فرما دی اور صورت مسئلہ کو صاف کر دیا کہ موالات حقیقی تو ہر کافر سے ہر حال میں منہی عنہ ہے لیکن ہاں موالات صوری مثل بر و اقساط اس کی تمہیں اجازت ہے بلکہ ایسے کفار کے ساتھ جو نہ تم سے لڑیں نہ تمہیں تمہارے مکانوں سے نکالیں تمہارا منصفانہ برتاؤ اللہ کو محبوب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ احسان اور فعل معروف عدل اور انصاف نہ موالات ہے نہ وداد اس لئے کہ نہ تو اس میں مسلمانوں کی مضرت ہے نہ کفر کی حمایت ہے نہ اپنے مذہبی فرائض میں اُن سے استعانت ہے نہ یہ محبت و وداد کا نتیجہ ہے یہ تو حقوق کا ادا کرنا انصاف کا صحیح نمونہ قائم کرنا اور مخلوق خدا پر شفقت و کرم کرنا ہے یہی وہ طرز عمل تھا جس کے اثر نے یدخلون فی دین اللہ افواجا کا جلوہ دکھایا جوق در جوق اور فوج در فوج کفار آئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو کر سعادت

سرمدی سے مالامال ہوتے جاتے۔

آیۃ لا ینھاکم اللہ کے متعلق علامہ ابن جریر کی تحقیق تمہارے پیش نظر ہی ذرہ تامل سے کام لو دیکھو اس آیۃ کی تفسیر میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے اس کا ایہام بھی ہوتا ہو کہ کافر غیر محارب سے موالات یا وداد جائز ہی۔

کافر کی محبت یا کفر کافر کی اعانت یا اسلامی و دینی امور میں کافر کی استعانت کا جواز یا اباحت کسی ایک لفظ سے بھی مفہوم نہیں پھر یہ کہنا کہ قرآن نے ایسے کفار سے جو مسلمانوں سے نہ لڑیں نہ انھیں مکانوں سے نکالیں اُن کے ساتھ محبت و موالات مسلم قوم یا مسلم شخص کے لئے جائز و مشروع قرار دی ہی کیسی دین میں تحریف ہی۔

مفسر نے صاف لفظوں میں اس کی تصریح کر دی کہ وہ کفار جو مسلمانوں سے نہ مقاتلہ فی الدین کریں نہ انھیں اُن کے مکانوں سے نکالیں انھیں بھی مخفیات و سرائر مسلمین پر آگاہ نہ کیا جائے گا مسلمانوں پر قابو پانے کا پتہ نہ دیا جائے گا۔ گھوڑے اور اسلحہ سے ان کی مدد نہیں کیجائے گی۔

دیکھو یہ وہی منہی عنہ امور ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی تم نے اُن آیات سابقہ کی تفسیر میں پڑھا ہی جن میں تحقیق معنی ولاء ہی جن آیتوں سے یہ ثابت کیا گیا تھا کہ مطلق کفار سے موالات حرام ہے قید قتال یا اخراج عن الدیار معتبر نہیں۔

اس مقام پر ابن جریر نے واضح کر دیا کہ جو تعلقات مطلقاً کفار سے منہی عنہ ہیں وہ اس صورت میں بھی علی حالہ ممنوع ہیں۔

ابن جریر کی ناتمام عبارت سے حکیم صاحب کا استدلال

لیکن حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب نہایت غیظ و غضب اور پرجوش لہجہ میں ناتمام عبارت ابن جریر کی نقل فرما کر یہ نتیجہ استخراج فرماتے ہیں کہ "اگر

اس کے بعد بھی یہ کہا جائز کہ نہیں مسلمانوں کو ہندوستان کی دوسری قوموں کے ساتھ بھی ترک موالات کرنی چاہئے۔ تو اب کہنے والوں کو خدا ہی بہتر سمجھا سکتا ہے" (خطبۂ صدارت مجلس استقبالیہ جمعیۃ العلماء صفحہ ۱۵)

طرفگی یہ کہ بر و اقساط کا صحیح ترجمہ خود بالائی سطروں میں حکیم صاحب نے احسان و انصاف تحریر فرمایا ہے لیکن استخراج نتیجہ میں موالات کو بر و اقساط کا مرادف قرار دے کر عوام کو نہایت شرمناک دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔

لفظ ولا کی شرعی تعریف آغاز بحث موالات میں گزر چکی اس مقام پر بر و اقساط کے معنی شرعی سمجھ لیجئے۔

البر التوسع فی الاحسان یعنی نیکی اور احسان کرنے میں وسعت و فراخی سے کام لینا القسط ھو النصیب بالعدل والاقساط ان یعطی قسط غیرہ بالعدل یعنی عادلانہ اور منصفانہ حصّہ کا نام قسط ہے اور اقساط کے یہ معنی ہیں کہ غیر کو اُس کا حصّہ عادلانہ اور منصفانہ دیا جائے اب ہر مسلمان بجائے خود انصاف کرلے کہ احسان و انصاف کیا مرادف موالات ہے؛ اگر جوشِ سخن پروری میں کوئی اس ادعائے باطل کا مدعی ہو جائے تو اُس سے نہایت عاجزانہ فقیر کی یہ التماس ہے کہ تفسیر ابن جریر متعلق آیۃ کریمہ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء کا صفحہ پلٹ کر پھر مطالعہ کرلیا جائے وہاں یہ الفاظ موجود ہیں تظاھرونھم علی المسلمین و تدلونھم علی عوراتھم یعنی مسلمانوں کے خلاف کفار کی پشت پناہی کرنا موالات ہے کفار کو مخفیات مسلمین پر مطلع کرنا موالات ہے اب آیۃ لا ینھاکم اللّٰہ الخ کی تفسیر میں بھی ابن جریر نے انہیں مقاصد کو اس طرح ادا فرمایا اذا لم یکن دلالۃ لہ علی عورۃ اھل الاسلام او تقویۃ لھم یعنی کفار کے ساتھ اُسی قسم کا احسان جائز ہے جس میں مسلمانوں کے سرائر و مخفیات پر اُنہیں باخبر نہ بنایا جائے یا اُس احسان سے اُنہیں تقویت نہ ہو نیز ہو اس لئے کہ یہ بر و احسان

نہیں ہی بلکہ موالات ہے جن چیزوں کو ابن جریر نے آیۃ کریمہ لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء کی تفسیر میں موالات کہا تھا اُن میں سے کسی ایک کی بھی اجازت و رخصت آیۃ لا ینھاکم اللہ الخ سے نہ سمجھی نہ لکھی بلکہ اُن کی ممانعت کی اس مقام پر مکرر تصریح فرماکر ہر کافر کے ساتھ ہر حال میں ترک موالات پر مہر فرمادی کیا اب بھی حکیم صاحب یہی ارشاد فرمائیں گے کہ بروا قساط مراد موالات ہیں ان تصریحات کے بعد بھی اگر حکیم صاحب یا اُن کے حواریین علمائے سیاسی اپنے اس قول پر کہ ہندوؤں سے موالات یا وداد یا محبت منطوق کلام الٰہی اور موافق تعلیم نبوی ہے متعصبانہ اصرار فرمائیں تو بجز گاندھی صاحب کے اور کوئی اُنھیں سمجھا نہیں سکتا۔ آیۃ کریمہ میں اگر ایسے کفار کے ساتھ جو مسلمانوں سے دینی لڑائی نہ لڑے نہ انھیں اُن کے مکانوں سے نکالے مولیٰ تبارک وتعالیٰ کو حکم موالات یا وداد یا محبت کا دینا ہوتا تو بجائے اس کے کہ دو لفظ تبروھم وتقسطوا الیھم ارشاد فرمائے تولوھم یا تودوھم یا تحبوھم کا مختصر ایک لفظ ارشاد فرمادیتا۔ افسوس ہے مسلمانوں کی عقلوں پر جنھوں نے دین کو محض واہ واہ سننے کے لئے اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کیا ہے کاش لکھتے وقت حکیم صاحب ابن جریر کی پوری عبارت پڑھ لیتے یا علمائے سیاسی ہی زحمت مطالعہ تفسیر برداشت کرتے تو شرعی مسئلہ میں خیانت نہ ہوتی یہ ہے حقیقت اُس آیۃ کی اور یہ ہی حکم حق سبحانہ کا۔ جسے محرف بناکر لیڈر اور اُن کے مقلد علماء نہایت دھوم دھام سے بیان کرتے ہیں مسلمانوں کو تلقین کرتے ہیں کہ کفار و مشرکین سے موالات رکھو وداد و محبت پیدا کرو بلکہ اُن کے غلام بنجاؤ۔

فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون ۝

اب دوسری آیۃ انما ینھاکم اللہ الخ کے متعلق اُسی مفسر ابن جریر کی تحقیق پڑھ لیجئے نیز خود قرآن شریف کے الفاظ دیکھئے اور پھر اسے سوچئے کہ وہ کافر جس نے مسلمانوں سے قتال فی الدین

کیا یا انھیں اُن کے گھروں سے نکالا یا اُن کے اخراج پر دشمنوں کو مدد پہونچائی. غرض ان تین امور میں سے کسی ایک امر کا بھی جو مرتکب ہو اُس کے ساتھ نیکی واحسان کا قرآن کریم نے نہ تو حکم صادر فرمایا نہ اُس کی ممانعت ہی فرمائی حالاں کہ سیاق کلام جب کہ یہ تھا کہ جو تم سے دین کے بارے میں نہ لڑے نہ تمھیں مکانوں سے نکالے اُس کے ساتھ نیکی واحسان اور عدل وانصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا ہے تو اب سیاق یہ ہوتا کہ جو تم سے دین کے بارے میں لڑے تمھیں مکانوں سے نکالے اُس کے ساتھ نیکی واحسان اور عدل وانصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے۔

لیکن قرآن پاک میں جب کہ ایسا نہیں تو کسی کو اس کا کب حق حاصل ہے جو اپنی رائے ناقص اور تمنائے فاسد کو خدا کا فرمان قرار دے یقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون ۝

فقیر یہ مسئلہ پہلے بیان کر چکا کہ کوئی کافر جب مسلمانوں کے ساتھ یہ رعایت ملحوظ رکھے کہ درپے آزار مسلمین نہ ہو تو اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کی اپنے پیروں کو یہی تعلیم ہونی چاہیے تھی کہ وہ بھی اُس کا عوض فراخی ودست سے ادا کریں۔

لیکن جو کافر ایسا نہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ سفاکی و بیرحمی سے پیش آتا ہے ان سے لڑتا ہے گھروں سے نکالتا ہے اُس کے متعلق یہ حکم ہوا کہ اس قسم کا فر سے بھی صرف موالات منع ہے۔

موالات مطلقاً کفار سے خواہ وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب بار بار بہ تاکید حرام فرمائی گئی لیکن اس جگہ اشد ظلم کا فر کا بیان کر کے اُن سے جو موالات منع فرمائی وہ اس لئے کہ مسلمان ظلم وستم سے گھبرا کر بے یار و دیار ہو کر اُن کے دین کی طرف مائل نہ ہو جائیں۔ یا آخر

سلین میں اُن کے معاون و مددگار نہ بنجائیں یا اُن کی سطوت و دولت کو دیکھکر اُن کے گرویدہ اور چاہنے والے ہوجائیں رہے موالات سے ماورا علائق اُن کے باب میں قرآن کریم نے سکوت فرمایا اس لئے کہ باعتبار ماحول اُن کا حکم متغیر ہوا کرے گا۔ کہیں برو نوال جذب قلوب کے موجب ہوں گے اور کہیں عفو وصفح کا فریں تورایمان کے باعث ہوں گے قرآن کریم عفو و اصلاح کی اُس طرح رغبت دلاتا ہے فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ پھر جس نے معاف کردیا یا صلح کر لی تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے ایک دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ واضح ارشاد ہے:۔

ادفع بالتی ھی احسن	برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو جو بہت ہی اچھا ہو جب تم اس تعلیم
فاذا الذی بینک وبینہ	الٰہی پر عمل کروگے تو جسے تم سے دشمنی تھی وہ دلسوز دوست تمہارا
عداوۃ کانہ ولی حمیم	بنجائے گا یہ پاکیزہ اخلاق اُنھیں سے عمل میں آئیگا جو صبر کرتے
وما یلقٰھا الا الذین صبروا	ہیں یعنی نفس کے حملہ کو روک کر شریعت کے موافق کام کرتے ہیں حسن اخلاق
وما یلقٰھا الا ذو حظ عظیم	بڑے نصیب والے بخت آور ہی کو ملتا ہے۔

اس آیۃ شریفہ کے متعلق امام فخر الدین رازی کے یہ الفاظ ہیں۔

فانک اذا صبرت علیٰ سوء اخلاقھم	جب تم بدینوں کے برے برتاؤ پر مسلسل صبر کروگے
مرۃ بعد اخریٰ ولم تقابل سفاھتھم	اُن کے سفاہت کے عوض میں نہ تو غضبناک
بالغضب ولا اضرارھم بالایذاء	ہوگے نہ اُنھیں وحشت دلاؤگے اور نہ اذیت
والایحاش استحیوا من تلک الاخلاق	دہی سے اُنھیں ضرر پہونچاؤگے تو پھر اُن بدینوں
المذمومۃ وترکوا تلک الافعال	کو اپنے مذموم اخلاق پر شرم آئے گی اور قبیح
القبیحۃ ثم قال فاذا الذی بینک	کاموں کو چھوڑ دیں گے پھر فرمایا فاذا الذی

وبینه عداوة کانه ولی حمیم
یعنی اذا قابلت اساءتهم بالاحسان
وافعالهم القبیحة بالافعال الحسنة
ترکوا افعالهم القبیحة وانقلبوا من
العداوة الی المحبة ومن البغضة
الی المودة ۃ

یعنی جب تم اُن کے برائیوں کا مقابلہ احسان سے کروگے اور اُن کے افعال قبیحہ کے مقابلہ میں افعال حسنہ پیش کروگے تو وہ بھی افعال قبیحہ چھوڑ دیں گے اور عداوت سے محبت اور بغض سے مودت کی طرف پلٹ پڑیں گے۔

جس طرح آیات منقولہ بالا میں عفو واصلاح مدارات حسنہ اور اخلاق زکیہ کی تعلیم ارشاد ہوئی ایک دوسرے مقام پر ہر حال میں انصاف وعدل اور دائرہ اعتدال میں مسلمانوں کو رہنے کی تاکید شدید کی گئی ہے۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم ان صدوکم
عن المسجد الحرام ان تعتدوا ۃ

جس قوم نے تمہیں زیارت مسجد الحرام سے باز رکھا اُس قوم کی عداوت اس کا سبب نہ ہونے پائے کہ تم حد سے متجاوز ہو جاؤ پھر ارشاد ہوا۔

ولا یجرمنکم شنآن قوم علی
الا تعدلوا اعدلوا هو
اقرب للتقوی ۃ

کسی قوم کی عداوت تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُس کے ساتھ عدل وانصاف کرنا چھوڑ دو وہاں عدل وانصاف کرو اس لئے کہ انصاف تقویٰ سے بہت ہی قریب ہے۔

قوت ومساوات کی حالت میں جس طرح شرارت کا عوض درگزر بدی کا عوض نیکی ظلم کا عوض عدل وانصاف اسلامی تعلیم ہے اُسی طرح حالت ضعف ومجبوری میں جب کہ غیر مسلم قوم مسلمین پر مستولی ہو جائے تو تباہی و بربادی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کو آئندہ بتدریج آمادہ ہو کے لئے ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة اور الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان۔

اور کہا ان تتقوا منھم تقاۃ اور یا ایھا الذین امنوا خذوا حذرکم کا ارشاد موجود ہے یعنی اپنے کو ہلاک نہ کرو ایمان والو اپنا بچاؤ کر لو جب دل تمہارا ایمان سے مطمئن ہے تو تمہارا وہ قول و فعل جس کے بہ جبر و اکراہ تم مرتکب ہوئے قابل مواخذہ نہیں۔

ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی خبیث النفس درگزر اور کریمانہ برتاؤ سے فساد و شر میں زیادہ سرگرم ہو گا یا ہوتا ہے تو پھر قرآن کے اس تعلیم کی تعمیل کا موقع ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ کفار و بیدین تم میں کرارہ پن پائیں فاقتلوھم حیث وجدتموھم اُنھیں جان سے مار ڈالو جہاں کہیں بھی پاؤ والذین اذا اصابھم البغی ھم ینتصرون وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا یعنی جو لوگ ایسے ہیں کہ جب اُن پر بیجا زیادتی ہوتی ہو تو وہ اُس کا عوض لے لیتے ہیں اور بُرائی کا بدلہ اُسی مقدار پر بُرائی خدا نے جائز فرمایا ہے

الحاصل آیۃ کریمہ انما ینھاکم اللہ الخ میں جو موالات منع اور دیگر امور سے سکوت رہا یعنی نہ تو اُس کی اجازت ہی عطا فرمائی نہ اُس کے متعلق نہی صادر کی اُس کی وجہ تنوعات حالت مسلم ہے اور ہر حالت کے لئے مُستقل حکم فرقان حمید میں موجود ہی۔

اگرچہ مفسر ابن جریر کا نہی کو حدود موالات حقیقی ہی میں منحصر رکھنا اور بر و اقساط کا اُس میں داخل نہ کرنا بجائے خود فقیر کے بیان کی تصدیق ہی لیکن بغرض مزید اطمینان الشیخ محمد عبدہ مفتی مصر کی عبارت اُنھیں کی تفسیر سے نقل کرتا ہوں۔

ناظرین کرام کو یہ معلوم ہونا چاہئیے کہ الشیخ محمد عبدہ کی جلالت شان مصر میں یہ تھی کہ اُن کے ہم عصر علماء نے اُن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا تھا فضلائے مصر اُستاذ الامام اور حکیم الامۃ کے لقب سے اُنھیں یاد کرتے تھے اور آج بھی اُستاذ الامام ہی لکھکر اپنی تحریروں میں حسن عقیدت کا ثبوت دیتے ہیں مصریوں میں اس وقت آثار حیات علو ہمت اور حریت کی

جد وجہد جو کچھ پائی جا رہی ہے اس کی داغ بیل اُسی عالی دماغ کی زبردست تعلیم و تربیت نے رکھی تھی۔

اسی آیۃ سورۂ ممتحنہ کے متعلق ایک بسیط و تفصیلی بحث کے بعد خاتمہ سخن پر بطور فیصلہ یہ فرماتے ہیں۔

خص هذا النهي بتوليهم و	یہ نہی دوستی اور نصرۃ کفار کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ فعل
نصرهم لا بمعاملتهم وحسن	جمیل اور حُسن معاملہ جو بر و احسان اور عدل کے ساتھ ہو یہ
معاملتهم بالبر والاحسان	رب العزۃ حق سبحانہ کی طرف سے انتہائے حلم اور
والعدل وهذا منتهى الحلم	درگزر ہی بلکہ فضل و کمال ہے۔
والسماح بل الفضل والكمال ؎	

آیۃ شریفہ لا تجد قوماً یومنون الخ کی تفسیر کرتے ہوئے لفظ موادت کی اس طرح وضاحت فرمائی کہ ہر طرح کے شکوک صاف ہو جاتے ہیں۔

فالموادة مشاركة في الاعمال فان	حاصل یہ کہ موادۃ اعمال میں باہم شریک ہونیکا نام
كانت شان من شؤون المومنين	ہے اگر یہ مشارکت اس شان کی ہے کہ مسلم اپنے اسلام سے
من حيث هم مؤمنون والكافرين	اور کافر اپنے کفر سے باہم ممتاز ہو رہے ہیں مشارکت عمل
من حيث هم كافرون فالممنوع منها	نے کسی کے مذہب پر اپنا اثر نہیں ڈالا ہے تو اس حالت
ما يكون فيه خذلان لدينك و	میں وہی مشارکت ممنوع ہوگی جس سے اسلام کی رسوائی
ايذاء لاهله او اضاعة لمصالحهم	ہوتی ہو یا اہل اسلام کو اذیت پہونچتی ہو یا مسلمین کی
واما ما عدا ذالك كالتجارة ونحوها	کوئی مصلحت تباہ ہو رہی ہو لیکن جو مشارکت عمل اس کے
من ضروب المعاملات الدنيوية	سوا ہوگی جیسی تجارت وغیرہ تو یہ معاملات دنیویہ کی اقسام

فلا تدخل فی ذالک النفی لانها لیست معاملة فی محادة الله ورسوله ای فی معاداتهما ومقاومة دینهما ؕ

ہے، اس نفی میں وہ داخل نہیں اس لئے کہ اس معاملے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت اور عداوت نہیں ہوتی ہے نہ اس سے دین کی بربادی ہے (الجزء الثالث من تفسیر الشیخ محمد عبدہ صفحہ ۲۷۸ و ۲۷۹)

الشیخ محمد عبدہ کی دونوں عبارتوں کو پڑھو دیکھو کس قدر واضح اور صریح الفاظ میں فرما رہے ہیں کہ بر و عدل کے ساتھ اس نہی کا کوئی تعلق نہیں دوسری عبارت اس کی تشریح کرتی ہے کہ موادۃ جس طرح سے قلبی ہوا کرتی ہے اُسی طرح موادۃ عملی بھی ہے موادۃ قلبی کسی کافر سے تو قطعاً حرام ہے لیکن موادۃ عملی سے اگر دین کا نقصان نہیں مثلاً تجارت وغیرہ تو وہ جائز و مشروع ہے اسی مضمون کو امام فخر الدین رازی نے معاشرۃ جمیلہ کہا ہے (دیکھو تفسیر کبیر کی عبارت منقولہ)

نزول کلام پاک کو تیرہ سو برس کا زمانہ ہو چکا اس تمام عہد میں مسئلہ موالات اُمتِ مرحومہ سے ایسا مخفی رہا کہ جب تک گاندھی نے چودھویں صدی میں اُسے نہ سمجھایا اُس وقت تک کسی کے بھی سمجھ میں نہ آیا۔

اب معلوم ہوا کہ سورۂ ممتحنہ کی آیۃ اصولی تقسیم ہے اب معلوم ہوا کہ جو کافر مسلمانوں سے قتال فی الدین نہ کرے اُس سے مومن کی موالات و محبت منطوق کلام ربانی ہے اب معلوم ہوا کہ بر و اقساط مرادف موالات ہیں وغیر ذالک من الهفوات التی لا تحصی اللهم احفظنا من هذا الافتراء علی الدین المبین بحرمة سید المرسلین وآله الطیبین الطاهرین ؕ

قرآن کریم نے یہودیوں کی یہودیوں سے اور نصرانیوں کی نصرانیوں سے موالات کی خبر دی ہے اور اسی جگہ مسلمانوں کو موالات یہود و نصاریٰ سے منع بھی فرمایا ہے یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض یہ آیت مع تفسیر گزشتہ صفحات ماسبق میں گزر چکی لیکن اسی کے ساتھ قرآن اس کی بھی خبر دیتا ہے کہ ایک فریق یہودی دوسرے فریق یہودی کا اور ایک گروہ نصاریٰ دوسرے گروہ نصاریٰ کا دشمن ہے اور پھر بغض و دشمنی بھی کیسی کہ قیامت تک مٹنے والی نہیں یہود کے متعلق ارشاد ہے والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ یعنی ہم نے یہودیوں کے آپس میں کینے اور عداوتیں ڈال دی ہیں جو قیامت تک نکلنے والی نہیں۔

نصاریٰ کے متعلق ارشاد ہے فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الیٰ یوم القیامۃ یعنی بغض اور عداوت کی آگ باہم عیسائیوں میں ہم نے ایسی بھڑکائی ہے جو قیامت تک دہکتی اور لہکتی رہیگی۔

دونوں ارشادوں میں (یعنی یہود و نصاریٰ میں باہم موالات بھی ہے اور بغض و عداوت بھی) اگر تطبیق و توفیق دیجائے تو معنی عنہ موالات کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے جہاں بعضھم اولیاء بعض فرما کر موالات کی خبر دی ہے وہاں یہ مراد ہے کہ جو یہود و نصرانی کا دین میں مخالف ہے اُس کے مقابلہ پر یہ سب باہم متفق ہو جاتے ہیں ایک فریق دوسرے فریق کا دوست اور معین و مددگار بنجاتا ہے لیکن جب غیر مذہب کا مقابلہ نہ ہو تو آپس میں عداوت و بغض کی آگ ان میں ایسی مشتعل ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو جلا کر خاک سیاہ کر دینا چاہتا ہے۔

پس مسلمانوں کو اُن کی دینی مدد اور دوستی سے حق سبحانہٗ نے منع فرمایا اور انھیں اپنے مسلمان بھائیوں سے موالات کا حکم دیا کما قال اللہ تعالیٰ والمؤمنون والمؤمنات

بعضھم اولیاء بعض ؕ

تمام ابحاث کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) کافر کے ساتھ دلی دوستی اور قلبی محبت کفر ہے۔

(۲) دل میں کافر کی دوستی نہیں لیکن عمل دوستوں کے مانند و مثل یہ حرام ہے۔

(۳) قلب محبت کفر و کفار سے پاک بلکہ بیزار لیکن کافر کے مذہبی اعمال میں عملاً شرکت کی جائے یہ حرام ہے۔

(۴) کافر کے دین کی حمایت حرام ہے۔

(۵) کافر کی ایسی مدد کرنا جس سے دین اسلام کا یا مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے

(۶) کافر سے ایسی مدد لینا جس میں اپنے دین یا اپنے دینی بھائیوں کا نقصان ہوتا ہو حرام ہے۔

(۷) مدارات فعل جمیل عمل معروف بر و احسان اور عدل و انصاف ہر حال میں جائز ہیں بلکہ بعض کفار کے ساتھ احسن و انسب۔

(۸) دنیاوی کاروبار اور لین دین ہر کافر حربی اور غیر حربی سے جائز کسی وقت بھی حرام نہیں۔

(۹) ان احکام میں کفار ہند اور کفار یورپ سب مساوی ہیں بجز اس کے کہ کفار اہل کتاب کا کھانا کھانا اور نکاح میں کتابیہ عورت کا لانا بموجب حکم قرآن پاک مباح و جائز ہے اس کے سوا جملہ احکام شرعیہ کفار اہل کتاب و کفار غیر اہل کتاب دونوں کے لئے یکساں ہیں۔

ترک موالات کے متعلق جن آیات کا اقتباس مفتیان سیاسی نے اپنے فتاوے میں کیا ہے اگر ان تمام آیات کا شان نزول اور مفسرین کی تحقیقات لکھوں تو بہت ضخیم کتاب ہو جائے

یاں لحاظ صرف چار آیات کے متعلق مفسرین کے اقوال لکھے گئے۔

دیگر آیات کا شان نزول اگر معلوم ہو اور پھر اُس آیۃ کے قبل اور مابعد کو ملا کر دیکھا جائے تو صاف مطلب سمجھ میں آجاتا ہے کہ موالات سے یا قلبی محبت مراد ہے یا ایسی اعانت و استعانت (یعنی مدد دینا یا مدد لینا) مراد ہے جس سے دین کا یا دینی بھائیوں کا نقصان خصوصاً مسلمانوں میں رجحان مذہب کفار کی طرف پیدا ہونے کا احتمال ہو اس کے سوا جتنے تعلقات ہیں وہ سب جائز و مرخص ہیں منہی عنہ تعلقات ہر حال میں ممنوع و حرام ہیں۔

نہایت نیازمندانہ سوال ہے کہ شہزادۂ مظلوم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ و اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ جب یزید لعین نے وحشیانہ درندگی اور ملحدانہ ظلم و ستم کا برتاؤ کیا تو کیا اُس وقت صحابہ و اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہی ترک موالات کیا جسے تم پیش کر رہے ہو۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن زبیر جب انتہائے مظلومیت سے عین صحن مسجد الحرام میں شہید ہوئے اور ظالموں نے خانۂ کعبہ پر سنگباری کی حرم کی حرمت بیت اللہ کی عظمت جو نص قرآن سے ثابت ہے اُس کا ادب بھی دل سے اُٹھا دیا تو کیا اُس وقت برگزیدہ جماعت تابعین اور صلحائے اُمت نے یہی کیا جسے تم دعوت حق کہکر مسلمانوں کے سامنے لاتے ہو آیۃ شریفہ انما ینھٰکم اللہ الخ کے مصداق یزید لعین اور حجاج بن یوسف دونوں ہر طرح سے ہیں۔

دین کے بارے میں یہ لڑے اور پھر کس سے مقابل ہوئے جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رُوح و ریحاں فرمایا تھا خاندان نبوت اور آل ہاشم کو بے خانماں انھوں نے کیا قرآن پاک میں آیۃ لا ینھٰکم اللہ عن الذین اور انما ینھٰکم اللہ عن الذین دونوں جگہ جو بجائے اسم ظاہر اسم موصول وارد ہوا ہے اُس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم کسی خاص گروہ و فرقہ

ے مخصوص نہیں جو مسلمانوں سے قتال فی الدین کرے گا انھیں مکانوں سے نکالے گا یا ان کے دشمنوں کی مدد کرے گا اُس سے مسلمانوں کی موالات ممنوع و حرام ہے۔ اس میں کسی مذہب وملت کی قید نہیں جیساکہ پہلی آیۃ لا ینھٰکم اللّٰہ کے متعلق تعمیم کو بہت وضاحت کے ساتھ ابن جریر نے کھول کر بیان کر دیا ہے لیکن وہ حضرات جنھیں دین کا ستون کہا گیا ہو اُن کے عمل میں اس کا سُراغ کہیں نہیں ملتا جس کی تم تحریک کر رہی ہو۔

ہاں جو کچھ رازداران رموزِ شریعت نے کیا صفحات تاریخ پر وہ تاباں و درخشاں ہیں ایک صدی بھی گزرنے نہ پائی جو خاندان نبوت میں سے خلفائے عباسیہ سریر آرائے مسند خلافت ہو گئے۔

تاتاریوں کے حوالے جب بغداد تباہ کیا اور مسلمانوں کے صدیوں کا سرمایہ خصوصاً علمی خزینہ خوں ریز ظالم ہاتھوں نے وحشت و بربریت میں آکر برباد کر دیا خلیفۃ المسلمین کو نہایت بیدردی و بیرحمی سے شہید کیا اور خود فاتحانہ و ملوکانہ حیثیت سے بغداد پر حکومت کرنے لگے اُس وقت مفتوح مسلمین نے تاتاریوں کے ساتھ کیا یہی طرز عمل اختیار کیا جس کی تم نشر و تبلیغ کر رہے ہو۔

واللّٰہ ثم باللّٰہ جو کچھ اُنھوں نے کیا آج اُسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلامی سلطنت اس چودھویں صدی میں بھی آخری سانس بھرتی ہوئی نظر آرہی ہے مفتوح و مظلوم قوم نے کس خوبی و کمال سے فاتح کو مفتوح بنا لیا دنیا کی تاریخ میں یہ عجیب واقعہ ہے ایک قوم ملک فتح کرتی ہے لیکن مفتوح قوم اُس کا مذہب اُس کا اخلاق فتح کرکے فرق فاتح و مفتوح مٹا دیتی ہے۔

اگر اہلِ بغداد اُس وقت کسی کا فرفرقہ کا دامن پکڑ لیتے تو نہ معلوم کبھی کا سلطنت اسلامی کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔

تریدون زینۃ الحیٰوۃ الدنیا

لے پرستارانِ ہنود کبھی ایمان کی قوت اور اسلامی اخلاق کی کشش بھی تم نے دیکھی ہے

کبھی تم نے کلمہ توحید جس دل پر نقش ہو اُس کے نعرۂ تکبیر کے زور وطاقت کا خیال بھی کیا ہے
تمہاری مادی آنکھیں کفار کی جمعیت دیکھکر پتھرا گئیں تمہارے مادی دماغ کفار کی
قوۃ فکریہ سے لرزاں و ترساں ہو گئے لیکن کیا تمہارے پاس کبھی کچھ ایمان کی بھی پونجی ہے؟
میری دلی دُعا ہے کہ اس کا جواب تم اثبات میں دے سکو پھر میں تم سے یہ کہوں کہ ایمان کے
زور سے توحید و خدا پرستی کے زور و قوت کا نظارہ کرو تو تمہیں اصلی شاہراہ عمل معلوم ہو جائے

میری دردمندانہ گزارش تعصب اور ہٹ دھرمی سے یکسو ہو کر سنو اس وقت سیاسی مفتیوں
نے الہامات گاندھی سے متاثر و مستفیض ہو کر موالات کی جو تعریف بیان کی ہے اور جن چیزوں کو
مصداق موالات قرار دیا ہے وہ محض القائے گاندھی کی تعمیل ہے اس کا نتیجہ حقیقی اسلامی خدمت
سے تغافل و بے پروائی ہے۔

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت تک موالات کے یہ معنی کسی نے نہ سمجھے نہ
اپنی کتابوں میں لکھے تفاسیر سے سیر کن شواہد پیش کر چکا ہوں جو انکشاف حقیقت کے لئے بالکل
کافی ہیں لیکن اس خیال سے کہ قرآن پاک کی عملی تفسیر حیات طیبہ حبیب کبریا احمد مجتبیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم ہے بعض احادیث مشہورہ جن سے ہر مسلمان صاحب ایمان کا کان آشنا ہے روایت کرتا
ہوں اسی کے ساتھ ائمہ مجتہدین یعنی فقہائے کرام کی کتب فقہ کا بھی حوالہ ہو گا مولیٰ تعالے
خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہدایت عطا فرمائے کہ وہ اپنے پیغمبر کے اتباع کا شرف
حاصل کرے اور غلامی کفار سے نجات پائے۔

یہودیوں سے معاہدہ مدینہ طیبہ جب دار الہجرۃ قرار پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے وہاں کے باشندگان یہود سے ایک عہد نامہ لکھکر اسے واضح فرمادیا کہ مسلمانوں اور یہودیوں
میں کیسے تعلقات رہیں گے ابن ہشام نے نہایت تفصیل سے مضمون عہد نامہ کو روایت کیا ہے۔

کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا بین المہاجرین والانصار وادع فیہ یہود وعاھدھم واقرھم علی دینھم واموالھم وشرط علیھم واشترط لھم ؂

رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ایک تحریر لکھی جس میں مہاجرین وانصار کا یہودیوں کے ساتھ معاملہ صلح منضبط کیا گیا اس تحریر میں اس کا عہد وقرار تھا کہ یہودیوں کے مذہب اور مال سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا شرطیں ایسی تھیں جس سے فریقین پر پابندی آتی تھی۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ شرط نہایت صفائی سے کی گئی ولا ینصر کافر علی مومن یعنی کسی کافر کی مسلمانوں کے مقابلہ اور ضرر رسانی پر مدد نہ کی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ معاہدہ کی حقیقت موالات سے جداگانہ ہے معاہدہ جائز اور موالات حرام موالات حقیقی کا صاف لفظوں میں انکار موجود ہے۔

مشرکین مکہ سے صلح | صالح النبی صلی اللہ علیہ وسلم المشرکین یوم الحدیبیۃ (رواہ البخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے روز مشرکین سے صلح فرمائی (بخاری شریف)

حدیث شریف میں وارد ہے الصلح جایز بین المسلمین الا صلحا احل حراما اوحرم حلالا یعنی مسلمانوں کو کفار ومشرکین سے صلح کرنا جائز ہے مگر نہ ایسی صلح جو خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دے۔ علماء سیاسی انصاف کریں کہ اگر وہ قوم ہنود سے معاہدہ یا مصالحت کر رہے ہیں تو موالات کا انھیں کب حق حاصل ہے یا انھیں ہولی اور رام لیلا میں شریک ہونے کی کہاں اجازت کیا حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دینا چودھویں صدی کے علماء سیاسی کو کسی آیۃ یا حدیث سے معلوم ہوا ہے تو براہ کرم اُسے پیش فرمائیں۔

اجارہ | ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی زمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اعطی خیبر الیهود علی ان — وہاں کے یہودیوں کو اس شرط پر عطا فرمائی کہ وہ جوتیں
یعملوها ویزرعوها ولهم شطر ما — بوئیں حق محنت و کاشت کا پیداوار میں نصف حصہ اُن کا
خرج منها (رواه البخاری) — ہوگا (بخاری شریف)

رہن

لقد رهن النبی — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے ایک
صلی الله علیه وسلم درعا له — یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی اور اس سے
بالمدینة عند یهودی واخذ — جو خرچ ازواج مطہرات کے لئے لیا (بخاری شریف)
شعیرا لاهله (رواه البخاری)

کافر کا کام انجام دے کر اجرت لینا

جلس رسول الله صلی الله — تشریف رکھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیه وسلم وعلی ینزع للیهودی — اور حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ یہودی کا
کل دلو بتمرة حتی اجتمع له — پانی کھینچنے لگے اس حساب سے کہ فی ڈول
شیء من تمر (الریاض) — ایک کھجور یہاں تک کہ تھوڑی کھجوریں جمع ہوگئیں۔

کافر کو نوکر رکھنا

استاجر رسول الله صلی الله — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
علیه وسلم عبد الله بن اریقط الدولی وکان — عبد اللہ ابن اریقط کو نوکر رکھ لیا اور
کافرا (ابن خلدون وابن ہشام) — وہ کافر تھا۔

کافر سے قرض لینا

وعن علی ان یهودیا — مولی علی کرم اللہ وجہہ سے روایت
کان یقال له فلان حبر کان له علی رسول الله — ہے کہ ایک یہودی جسے یہودیوں کا عالم
صلی الله علیه وسلم دنانیر فتقاضی النبی صلی الله — کہا جاتا تھا اس کی کچھ اشرفیاں رسول اللہ
علیه وسلم فقال له یا یهودی ما عندی ما — صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ آتی تھیں اس نے

اعطیك قال فانی لا افارقك فقالوا یا رسول اللہ یہودی یحبسك فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منعنی ربی ان اظلم معاھدا او غیرہ الخ (مشکوٰۃ)

تقاضا کیا آپ نے فرمایا اس وقت میرے پاس نقد نہیں جو تجھے دوں اس نے کہا کہ جب تک آپ ادا نہ فرمائیں گے میں آپ کو اُٹھنے نہ دوں گا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ایک یہودی کی یہ مجال ہے کہ وہ آپ کو روک لے آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے میرے رب نے یہی حکم دیا ہے کہ میں کسی پر ظلم نہ کروں خواہ وہ فریق معاہد ہو یا غیر معاہد۔

کافر کا علاج کرنا دوا بھیجنا

براء ملاعب الاسنہ ارسل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انی قد اصابنی وجع احسبہ قال یقال لہ الدبیلۃ فابعث الی بشیء اتداوی بہ فارسل الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعکۃ عسل وامرہ ان یستشفی (روض الانف)

براء نے جس کا لقب ملاعب الاسنہ ہے یہ التماس پیش کی کہ مجھے پیٹ کی بیماری نے ستا رکھا ہے جسے دبیلہ کہتے ہیں آپ کے پاس اگر کوئی دوا ہو تو بھیج دیجئے آپ نے ایک مشکیزہ شہد کا اُسے بھیج دیا اور حکم دیا کہ اسی سے اپنا علاج کر۔

واضح ہو کہ یہ اُس وقت ایسا سخت کافر شریر النفس تھا جس کے بھیجے ہوئے تحفہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر رد فرمایا کہ یہ تحفہ نہیں ہے مداہنت کی درخواست ہے لیکن دوا بھیجنے سے اغماض نہ فرمایا۔

وقد رد ھدیۃ الی براء ملاعب الاسنہ وقال انی نھیت عن زبد المشرکین (قال صاحب روض الانف) قولہ علیہ السلام

براء ملاعب الاسنہ کا ہدیہ آپ نے رد فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ مجھے مشرکین کی چکنی چپڑی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے صاحب روض الانف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

عن زبد المشركين ولم يقل عن هديتهم
يدل على انما كره ملاينتهم ومداهنتهم
لان الزبد مشتق من الزبد كما ان
المداهنة مشتقة من الدهن ؂

علیہ وسلم نے زبد مشرکین کو منع فرمایا اور یہ نفرمایا
کہ اُن کے ہدیہ لینے سے منع کیا گیا ہو اس سے یہ
معلوم ہوا کہ آپ نے مداہنت کو برا جانا اس لیے کہ لفظ
زبد مشتق ہے زبد بمعنی مسکہ سے جیسا کہ مداہنت مشتق
ہے لفظ دہن بمعنی روغن سے۔

ہدیہ دینا اور مشرک سے ہدیہ طلب کرنا

اهدى الى ابى سفيان
عجوة واستهداه ادما فاهداه
ابو سفيان وهو على شركه
(روض الانف)

رسول پاک نے ابوسفیان کو مدینہ طیبہ
کی بہترین کھجور عجوہ ہدیہ بھیجی اور اُس سے
مصالحہ یعنی نان خورش ہدیہ طلب فرمایا
ابوسفیان نے مصالحہ بھیجا حالاں کہ وہ اس وقت
تک مشرک تھے۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا

المقوقس صاحب
الاسكندرية كتب بعثت اليك بجاريتين
لهما مكان فى القبط عظيم وقد اهديت
لك كسوة وبغلة تركبها ولم يزد على
هذا ولم يسلم فقبل رسول الله صلى الله عليه وسلم
هديته واخذ الجاريتين مارية ام
ابراهيم بن رسول الله واختها شيرين
وبغلة بيضاء وهى دلدل وقال رسول الله
ضن الخبيث بملكه ولا بقاء لملكه

مقوقس شاہ اسکندریہ نے بجواب فرمان نبوی
جو خط لکھا اُس میں یہ بھی تھا کہ میں حضور کے لیے
کچھ کپڑا بھیجتا ہوں اور ایک سفید بغلہ اس پر
حضور ہی سوار ہوں اور دو جاریہ لیکن مقوقس
اسلام نہ لایا۔
تحفہ آپ نے قبول فرمایا بغلہ سفید جو عرب
میں نایاب تھا اُس کا نام آپ نے دلدل رکھا جاریہ
میں سے ایک کا نام ماریہ تھا جن کے بطن سے
سیدنا ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ

(طبقات ابن سعد) پیدا ہوئے تھے دوسری کا نام شیریں تھا۔ لیکن اُس کے اسلام نہ لانے پر آپ نے فرمایا خبیث سلطنت کے خیال سے ایمان نہ لایا حالاں کہ ملک و سلطنت اُس کا باقی رہنے والا نہیں ہے۔

دوسری روایت ثم هرقل کتب کتاباً وارسله مع دحیة یقول فیه للنبی صلی الله علیه وسلم انی مسلم ولکنی مغلوب علی امری	ہرقل نے جواب لکھکر حضرت دحیہ کے حوالہ کیا اُس میں یہ لکھا تھا کہ میں مسلمان ہوں لیکن رعایا سے مغلوب ہوں ایمان کا اظہار کر نہیں سکتا۔
وارسل الیه بهدیة فلما قرأ النبی صلی الله علیه وسلم کتابه قال کذب عدو الله لیس بمسلم بل هو علی نصرانیته وقبل هدیته وقسمها بین المسلمین (روض الانف)	جواب کے ساتھ کچھ تحفہ بھی بھیجا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ملاحظہ فرماکر ارشاد فرمایا خدا کا دشمن جھوٹا ہے وہ مسلمان نہیں بلکہ وہ اپنے نصرانیۃ ہی پر ہے ہدیہ قبول فرمایا اور مسلمانوں میں اُسے تقسیم فرما دیا۔

مقوقس نے جو ہدیہ بھیجا تھا اُس میں ذات مبارک کی تخصیص کر دی تھی اس لئے اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم مسلمانوں پر نہ فرمایا لیکن ہرقل نے تحفہ بھیجا اُس میں تخصیص نہ تھی اس لئے اُسے آپ نے تقسیم فرما دیا۔

کافر کا ہدیہ ایک قسم مال غنیمت میں سے ہے عنقریب مسائل فقہیہ سے واضح ہوگا۔

تیسری روایت رأی عمر حلة سیراء تباع فقال یا رسول الله ابتع هذه	عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ریشمی مخطط حلہ بازار میں فروخت ہوتے دیکھکر رسول اللہ

فالبسها يوم الجمعة واذا
جاءك الوفود قال انما
يلبس هذه من لا خلاق
له فاتى النبي صلى الله عليه
وسلم منها فارسل الى عمر
بحلة فقال البسها وقد قلت
فيها ما قلت قال اني لم
اعطكها لتلبسها ولكن
لتبيعها وتكسوها فارسل
عمر الى اخ له من اهل مكة
قبل ان يسلم (رواه البخاری)

صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ایک حلہ اپنے لئے
خرید لیں جب کوئی وفد آئے یا جمعہ کا دن ہو تو اسی زیب تن
فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ اے عمر ایسا لباس تو اس کے لئے
ہے جسے عالم آخرت میں کچھ حصہ اور نصیب نہیں۔ پھر کہیں
سے وہی حلے خدمت اقدس میں تحفۃً پہونچے آپ نے ان میں
سے ایک حلہ فاروق اعظم کے پاس بھیجدیا حضرت عمر نے
عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس کپڑے کا میرے پاس کیا مصرف
رہا جب کہ اس کے متعلق آپ نے ایسا ارشاد فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر میں نے اس غرض سے تمہیں
نہیں دیا کہ تم اسے خود پہنو بلکہ یہ کہ تم اسے بیچ کر نفع حاصل کرو یا
دوسرے کسی کو دے کر احسان و نیکی کرو عمر فاروق نے اپنے بھائی
کو جو مکہ میں تھے اور ہنوز ایمان نہ لائے تھے بھیجدیا۔

نفع مسلمین کے خیال سے کافر کو مال دینا

غزوہ خندق میں جب کہ کفار نے ایک بہت بڑی جمعیت
سے مدینہ طیبہ کا محاصرہ کر لیا تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے کفار سے اس امر پر صلح فرمانے کا ارادہ ظاہر کیا کہ مدینہ کے نخلستان کا ایک ثلث
پھل انہیں سالانہ دیا جائے گا صلح کی کتابت ہو گئی لیکن گواہی وغیرہ ہنوز باقی تھی آپ نے
سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ انصاری سے مشورہ طلب فرمایا ان انصاریوں نے عرض کیا
کہ یا رسول اللہ اگر یہ ایسا امر ہے کہ جسے آپ پسند فرماتے ہیں تو ہم راضی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ
نے حکم فرمایا ہے تو پھر تعمیل حکم الٰہی بسر و چشم اور اگر ہمارا نفع مقصود ہے تا کہ دشمنوں کے حملے

ہم محفوظ رہیں تو پھر انہیں ایک کھجور بھی نہ دینا چاہیئے حالت کفر میں تو کفار مکہ ہم سے بلا قیمت نہ لے سکے اور اب کہ اسلام ہم میں آیا اور رہیں حضور کے وجود باجود کی عزت و قوت حاصل ہوئی وہ کھجور کے عوض تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک البتہ ہم سے پا سکیں گے آپ نے یہ جواب سن کر صلح نامہ چاک فرما دیا۔

صاحب الروض الانف اس واقعہ کو لکھکر تحریر فرماتے ہیں۔

وفیہ من الفقہ جواز اعطاء المال للعدو اذا کان فیہ نظر للمسلمین واحتیاطاً لھم وقد ذکر ابو عبید ھذا الخبر وانہ امر معمول بہ وذکر ان معاویۃ صالح ملک الروم عن الکف عن ثغور الشام بمال دفعہ الیہ قیل کان الف دینار ۃ	اس سے فقہ کا یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ کافر کو مسلمانوں کے نفع اور احتیاط سے رہنے کے لئے روپیہ دینا جائز ہے اور ابو عبید نے روایت کیا ہی کہ یہ ایسا امر ہے جس پر عمل بھی ہوا ہے حضرت امیر معاویہ نے ایک لاکھ اشرفی روم کے بادشاہ کو اس غرض سے عطا فرمائی تھی کہ سرحد شام پر حملہ آوری نہ کی جائے۔

کافر کے ساتھ رفق و مدارات

ان عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت دخل رھط من الیھود علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالوا السام علیکم قالت عائشۃ ففھمتھا فقلت علیکم السام واللعنۃ قالت فقال رسول اللہ	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی اور زبان دبا کے السلام علیکم کی جگہ السام علیکم کہا یعنی تم پر موت آئے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے یہودیوں کی شرارت سمجھ لی اور پردے کے پیچھے سے جواب دیا تمہیں موت آئے اور تم پر خدا کی لعنت ہو رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم مهلاً یا عائشة ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ (وفی روایة) علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش (رواہ البخاری)

علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ درگزر کرو ان کی شرارتوں کا خیال نہ کرو بیشک اللہ ہر کام میں نرمی و ملائمت پسند فرماتا ہے (بخاری شریف)

مدارات کی دوسری روایت

عن عائشة ان رجلاً استأذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما رآہ قال بئس اخو العشیرة وبئس ابن العشیرة فلما جلس تطلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی وجهه وانبسط الیه فلما انطلق الرجل قالت له عائشة حین رأیت الرجل قلت کذا وکذا ثم تطلقت فی وجهه وانبسط الیه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشة متی عاهدتنی فحاشاً ان شر الناس عند اللہ منزلة یوم القیامة من ترکه الناس اتقاء شرہ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے حاضری کی اجازت طلب کی آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اپنے خاندان کا برا شخص ہے لیکن جب وہ حضوری میں حاضر ہو کر بیٹھا تو آپ خندہ رو ہو کر اور کھل کر ملے۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دیکھ کر تو آپ نے اسے ایسا فرمایا تھا پھر آپ خندہ رو و کھل کر اس سے ملے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عائشہ تم نے مجھے فحش گو کب پایا بیشک خدا کے نزدیک ایسا شخص بہت ہی برا ہے جسے لوگ اس کے فحش گوئی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ (بخاری شریف)

کسی کی بری عادت کو اس خیال سے اگر ظاہر کر دیا جائے کہ لوگ آگاہ ہو کر اس کے شر و بدی سے محفوظ رہیں تو یہ جائز ہے اسی غرض سے آپ نے ایک کلمہ فرما دیا کہ اپنے قبیلہ و خاندان میں یہ برا شخص ہے لیکن ملاقات و گفتگو میں انبساط و اخلاق سے یہ سبق امت کو

دیا گیا کہ مدارات برے کے ساتھ انتہا یہ کہ کافر کے ساتھ بھی کرنا چاہیئے۔ اب

فقہائے کرام کی تحقیقات

ملاحظہ ہو جس سے معلوم ہوگا کہ وہ کون سے امور ہیں جنہیں کافر کے ساتھ مومن کا عمل میں لانا جائز و مباح ہے۔

دشمن کے ملک میں بغرض تجارت جانا

اذا خرج للتجارة الی ارض العدو بامان فان کان امر لا یخاف علیه منه وکانوا قوماً یوفون بالعهد یعرفون بذالك وله فی ذالك منفعة فلا باس (محیط)

جب کوئی مُسلمان بغرض تجارت دشمن کے ملک میں اماں لے کر جائے تو اگر ایسا امر ہو جس سے کوئی اندیشہ نہیں اور وہ لوگ عہد پورا کرتے ہوں اور ایفائے عہد میں مشہور ہوں اور اس تجارت میں مسلمان کا نفع ہوتا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔

دار الحرب میں کس قسم کی بیع حیوان کی اجازت ہے

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارة لم یمنع ذالك منه وکذالك اذا اراد حمل الامتعة الیهم فی البحر فی السفینة لا یمنع من ادخال البغال والحمیر والثور والبعیر (ہندیہ)

جب مسلمان دار الحرب میں بغرض تجارت اماں لے کر جانے کا ارادہ کرے تو وہ اس ارادہ سے روکا نہ جائے گا۔ یہی حکم ہے اگر کشتی پر سامان لاد کر سفر دریا طے کر کے دار الحرب میں مال تجارت لے جائے۔ خچر گدھا بیل اور اونٹ کے لیجانے میں مضائقہ نہیں۔

دار الحرب کے کس قسم اجناس کے بیع کی اجازت ہے

فان کان خزا من ابریشم او ثیابا رقاقا من القز فلا باس

اگر ریشمی کپڑے خز کے یا باریک کپڑے قز کے لیجائے تو کچھ حرج نہیں اسی طرح دھات کی قسم میں سے صُفر و شبہ دار الحرب میں لیجا کر

بادخالها اليهم ولا باس بادخال الصفر والشبه اليهم لان هذا لا يستعمل للسلاح (ہندیہ)

بھیجنا ممنوع نہیں کیونکہ ان معدنی اشیاء کا استعمال ہتیار کے لئے نہیں ہوتا۔

گھوڑا اور ہتیار دار الحرب میں لیجانا منع ہے

قال محمد لا باس بان يحمل المسلم الى اهل الحرب ما شاء الا الكراع والسلاح ﮈ (ہندیہ)

امام محمدؒ نے فرمایا کہ بغرض تجارت مسلم جو چاہے لاد کر اہل حرب کے ملک میں لیجائے لیکن گھوڑا اور ہتیار نہیں (ہندیہ)

دشمن کو ہدیہ بھیجنا

لو ان عسكرا من المسلمين دخلوا دار الحرب فاهدى اميرهم الى ملك العدو هدية فلا باس به وكذالك لو ان اميرا لثغور اهدى الى ملك العدو هدية واهدى ملك العدو اليه هدية (محيط)

اگر مسلمانوں کا لشکر دار الحرب میں داخل ہوا پھر امیر لشکر نے دشمنوں کے بادشاہ کو کچھ تحفہ بھیجا تو اس میں کوئی حرج نہیں اسی طرح مسلمانوں کے امیر سرحد نے دشمنوں کے بادشاہ کے پاس ہدیہ بھیجا یا دشمنوں کے بادشاہ نے مسلمانوں کے امیر سرحد پاس ہدیہ بھیجا تو کوئی حرج نہیں۔

دشمن کا ہدیہ مرسل الیہ کس حال میں تقسیم کریگا اور کس حال میں اُس کا خاص ہوگا

قال محمد ما يبعثه ملك العدو من الهدية الى امير جيش المسلمين او الى الامام الاكبر وهو مع الجيش فانه لا باس بقبولها ويصير فيأ للمسلمين وكذالك اذا اهدى ملكهم الى قائد من قوائد

امام محمدؒ نے فرمایا کہ دشمن کے بادشاہ نے سردار لشکر مسلمین کے پاس یا امام اکبر کے پاس ہدیہ بھیجا درآں حالیکہ لشکر ہمراہ ہو تو اُس کے قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں مسلمانوں کے لئے یہ ہدیہ حکم میں مال غنیمت کے ہے۔ اسی طرح جائز ہے جب اُن کا بادشاہ مسلمانوں کے کسی فوجی افسر کے پاس ہدیہ بھیجے درآں حالیکہ

المسلمین لہ منعۃ | قوت مالعہ فوجی اُس کے ساتھ ہو اس لئے کہ یہ ہدیہ مسلمانوں
ولو کان اھدیٰ الیٰ | کے حق میں حکم مال غنیمت کا رکھتا ہی اور اگر مسلمان کے کسی ایسے
واحد من کبار المسلمین | بڑے کے پاس بھیجا جس کے ساتھ قوت مانعہ نہیں تو یہ ہدیہ
لیس لہ منعۃ یختص | اُس بڑے کا ذاتی ہوگا اور خاص اُسی کا ہوگا۔
ھو بھا (محیط)

کافر کا نوکر رکھنا

من ارسل اجیرا | کسی نے اپنے مجوسی نوکر یا خادم کو بھیجا
لہ مجوسیا او خادما فاشتری لحما | اُس نے گوشت خریدا اور یہ کہا کہ میں نے یہودی
فقال اشتریتہ من یھودی او نصرانی | یا نصرانی یا مسلم سے خریدا ہی تو مسلمان کو گنجائش
وسلم وسعہ اکلہ (ہدایہ) | اُس گوشت کے کھالینے کی ہی۔

واضح ہو کہ مجوسی و دیگر اہلِ کفار (سوائے کفار اہلِ کتاب) کسی کا قتل کیا ہوا جانور مسلمان کو کھانا جائز نہیں۔ اہلِ کتاب خدا کا نام لے کر ذبح کرتے تھے شریعت نے ان کا ذبیحہ حلال کیا لیکن آج کل نصرانی ذبح نہیں کرتے لہذا اُن کا کھانا حرام ہی۔

کافر کی نوکری کرنا

مسلم اٰجر نفسہ | کسی مسلمان نے مجوسی کی مزدوری کی
من مجوسی لا باس بہ (فتاویٰ امام طاہر بخاری) | تو کچھ حرج نہیں۔

کافر کو امور کفار کے لئے مقرر کرنا

الکافر یجوز | کافر عہدۂ قضا پر اس لئے مقرر کردیا جاوے
تقلیدہ | تاکہ ذمیوں کے معاملات و مناقشات کا
القضاء لیحکم بین اھل الذمۃ ذکرہ | فیصلہ کرے تو یہ جائز ہے امام زیلعی نے
زیلعی فی التحکیم (درمختار) | تحکیم میں اس مسئلہ کا ذکر فرمایا ہی۔

مفتیان سیاسی کی خیانت

یہ مسئلہ بار بار زبان قلم پر آچکا کہ موالات کے سیاسی

مفتیوں نے دو ترجمے کئے ہیں ایک محبت و دوستی اور دوسرا مناصرۃ (یعنی مدد دینا یا مدد لینا) مفتیان سیاسی مناصرۃ سے مطلق مدد دینا یا لینا ارادہ کرتے ہیں تاکہ نان کوآپریشن کے حدود دائرۂ شریعت میں آجائیں اور یہی اُن کی خیانت ہے۔

موالات جب مناصرۃ کے معنی میں لیا جائے گا تو وہاں نصرۃ علی المومنین مراد ہوگا یعنی ایسی مدد جس سے مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو یا نصرۃ الکفر مراد ہے یعنی کفر کی مدد۔

معاشرتی تمدنی اور اخلاقی امور میں مناصرۃ ہرگز ہرگز ممنوع نہیں۔

مفتیان سیاسی کی فریب دہی

لیڈروں کو اس وقت کفار ہند سے موالات حقیقی چونکہ مرکوز خاطر ہے اس لئے سیاسی مفتیوں نے یہ فریب آمیز مغالطہ پیش کیا کہ عدم موالات یا عدم وداد کا حکم عام کفار سے متعلق نہیں بلکہ یہ حکم اُنھیں کفار سے مخصوص ہے جو مسلمانوں سے قتال فی الدین کریں یا اُنھیں اُن کے مکانوں سے نکالیں یا اُن کے اخراج پر دشمنان اسلام کی مدد کریں اس فریب کی بہت اچھی طرح قلعی کھولی جا چکی روز روشن کی طرح یہ ثابت کر دیا گیا کہ آیات آتیہ پکار پکار کر یہ حکم دے رہی ہیں کہ مطلقاً کفار سے موالات اور وداد حرام ہے منہی عنہ ہے کوئی مفسر کوئی مجتہد نسخ اطلاق کا قائل نہیں موالات کے معنی شرعی بیان کرنے کے بعد تفاسیر مفسرین سے شہادت بھی گزر چکی اب احادیث وسیر و نیز کتب فقہ سے روایات صحیحہ معتبرہ نقل کر دی گئیں ہر شخص بجائے خود فیصلہ کرلے کہ موالات یا مناصرۃ کے اگر یہ معنی جو مفتیان سیاسی اختراع کر رہے ہیں لے جائیں تو نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ یہ لازم آتا ہے کہ خود صاحب وحی و کتاب شارع علیہ السلام نے کفار سے یہود سے بطرز گوناگوں موالات پیدا کی کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔

فرزندانِ اسلام دین کی غیرت مذہب کی حمایت دشمنان ایمان کی عداوت کلام اللہ کا فہم کیا تمہاری ہی قسمت کے لئے روز ازل سے امانت تھا موالات کے اگر یہ معنی ہوتے جسے تم بیان کر رہے ہو مناصرۃ کا اگر یہ مفہوم ہوتا جسے تم سمجھانا چاہتے ہو تو سب سے پہلے وہ وجود مقدس جس کا آستانہ مہبط جبریل تھا اس حکم کی تعمیل کر کے عملی نمونہ اُمّت مرحومہ کے لئے چھوڑ جاتا۔

غزوۂ خندق کی روایت پڑھو مدینہ طیبہ پر اُنہیں کفار نے ہجوم کیا تھا جنھوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا مکانوں سے نکالا تھا دشمنان اسلام کی مدد کی تھی لیکن دیکھو انھیں مدینہ کا ایک ثلث ثمر دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلح فرمانا چاہتے ہیں اور اس کافر کی امداد نہیں خیال فرماتے اگر تم ہوتے تو سورۂ ممتحنہ کی آیت تلاوت کر کے معنی موالات سمجھا دیتے۔

تمہارے فتوے کی رُو سے دارالحرب میں مال لیجانا کفار کی مدد ہی کافر کو ہدیہ دینا کفار کی مدد ہی کافر سے ہدیہ لینا کفار کی مدد ہے خاص کر جب کہ حالت جنگ ہو اُس وقت تو تمہارے فتوے کی بلند آہنگی کا کیا کہنا۔

لیکن اے شریعت اسلام سے بیگانہ محض مفتی احادیث صحیحہ اور مسائل فقہیہ تو یہ بتاتے ہیں کہ یہ سارے امور بنفس نفیس حضور پُر نور ہادیِ سُبل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے برت کر فرق موالات و مدارات فرق وداد و معاشرت جمیل واضح فرما دیا۔

دشمن کا ملک ہی ہو لشکر اسلامیہ دارالحرب میں خیمہ زن ہیں سپہ سالار اسلام دشمن کے بادشاہ کو ہدیہ بھیجتا ہی شریعت اجازت دیتی ہی دشمن کا بادشاہ سپہ سالار اسلام کو ہدیہ بھیجتا ہی شریعت قبول کرنیکی اجازت دیتی ہی جن چیزوں کو کلام اللہ حدیث رسول اللہ تعامل ائمہ دین جائز بتائیں اس چودھویں صدی کا مفتی اُسی نظر

ناجائز بلکہ حرام قطعی کہنے کا حق رکھتا ہے جو اُسے جائز سمجھے اُسے وہ دائرہ ایمان و اسلام سے خارج کرسکتا ہے۔ اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذ بك من شرورھم

کفار کا عمل بائیکاٹ | ایضاح حق جس تثبیت کا خواہاں تھا بعونہ تعالیٰ اُس سے فارغ ہوچکا ہوں لیکن بایں خیال کہ نادر باید رسانید چند مشہورہ معتبرہ روایتیں نقل کرتا ہوں تاکہ نان کوآپریشن نے جو موالات کی عبا پہنکر ممبر و مسجد تک اپنے کو پہنچایا ہے اُس کے اس پیرہن مغصوب و مسروق کا کوئی تار جسم کفر پر باقی نہ رہ جائے۔

روایت اوّل | بائیکاٹ جس کا ترجمہ لیڈروں نے عدم تعاون و مقاطعہ کیا ہے اس کی تحریک آغاز عہد اسلام میں کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کی غرض سے کی تھی۔

دارالندوہ میں بائیکاٹ کی تحریک | دارالندوہ میں کفار مکہ جمع ہوئے اور ایک عہدنامہ لکھا حاضرین کے دستخط سے اُس کی توثیق کی گئی مضمون اُس کا یہ تھا۔

لا ینکحوا الیھم ولا ینکحوھم ولا یبیعوھم شیئاً ولا یبتاعوا منھم (ابن ہشام) | پیغمبر خدا اور اُن کے ساتھ بنی ہاشم کی نہ چیزیں خریدیں گے نہ اُن کے ہاتھ کسی قسم کی چیز بیچیں گے ہمارے شادی بیاہ اُن کے یہاں نہ ہوں گے نہ اُن کے شادی بیاہ ہمارے یہاں ہوں گے۔

یہ ہی خاموش مقابلہ اور مقاومت مجہول جسے کفار مکہ نے ایجاد کیا۔

ایک روایت کی رو سے تین برس اور دوسری روایت کی رُو سے دو برس تک کفار مکہ اس عہدنامہ پر سختی سے مصر رہے شعب ابی طالب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عرصہ میں تشریف فرما رہے اس مقاطعہ سے آل ہاشم کو سخت تکلیف پہونچائی آخر آپ نے

حضرت ابوطالب کی وساطت سے اُنھیں ہدایت کا پیام بھیجا کہ تمہارے عہد نامہ کو دیمک نے چاٹ لیا اس میں سے صرف اسم ذات اللہ باقی رہ گیا ہے یہ آپ کا معجزہ تھا بعد تصدیق اس خبر کے عہد نامہ فسخ ہوا اور خاندان ہاشم نے اس بندش سے راحت پائی۔

اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر لین دین اور کاروبار دنیاوی میں کفار سے مدولینا حرام و منہی عنہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے ہزار چند زیادہ تکلیف برداشت فرماتے لیکن حاشا وکلا کبھی کفار کو اس بندش کے توڑنے کی ہدایت نفرماتے۔

یہ حیلہ نہ پیدا کیا جائے کہ اس وقت تک عدم موالات کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی وہ سب آیتیں جن میں موالات کفار سے نہی وارد ہے مدنی سورتوں میں ہیں اس حیلہ کی یوں گنجائش نہیں کہ مداہنت جس کا رتبہ موالات سے کہیں کم ہی قیام مکہ میں ممنوع ہو چکا تھا جس سے اس نتیجہ پر پہونچے کہ معاشرت دُنیاوی میں لین دین موالات تو کجا مداہنت بھی نہیں۔

یہ امر مخفی نہیں کہ کفار نے سو سو طرح سے چاہا کہ کچھ بھی دین کے باب میں حضور نرمی فرمائیں کم از کم ہمارے معبودوں کو باطل نہ فرمائیں لیکن وہ مجسمہ حق وصداقت جسے اپنے رب کے جناب سے یہ حکم ملا تھا کہ فاصدع بما تؤمر واعرض عن المشرکین یعنی جس کا تمھیں حکم دیا جاتا ہے اُسے کھول کر پہونچاؤ اور مشرکین کی پروانہ کرو اس کی بارگاہ سے ہمیشہ کفار کے کانوں میں یہی صدا پہونچتی رہی انتم وما تعبدون حصب جھنم یعنی تم اور تمہارے معبود سب کے سب جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے۔

آیۂ کریمہ ودوالو تدھن فیدھنون کی ہی یعنی کفار تو دل سے چاہتے ہیں کہ اگر تم کچھ ملایم پڑو تو وہ بھی ملایم ہو جائیں اس آیۂ شریفہ میں انتہائے بلاغت کے ساتھ اللہ تعالےٰ

اس کی خبر دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مداہنت محال ہے۔

حق سبحانہٗ نے اِنْ تُدْهِنُ نہ فرما کر لَوْ تُدْهِنُ فرمایا یہ اس لئے کہ اگرچہ حرف شرط لَوْ اور اِنْ دونوں ہیں لیکن اِنْ کی وضع امکان کے لئے ہے اور لَوْ کی وضع محال کے لئے اوّلاً یہ کہ جملہ قضیہ شرطیہ ہے اور ظاہر کہ شرطیہ بغیر صدق مقدم وتالی بھی صادق ہوتا ہے انتفائے مداہنت کے لئے شرط کے ساتھ بیان کرنا کافی تھا۔ لیکن نہیں اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ حرف شرط لَوْ بجائے اِنْ کے ارشاد فرمایا تاکہ یہ معلوم ہو کہ مداہنت رسول سے محال ہے دونوں مسئلوں کی دلیل آیۃ لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا میں موجود ہے۔

بائیکاٹ اور ہڑتال کو اب بھی موالات کہنا دراصل خدمت دین سے چشم پوشی کا مرادف ہے۔ اس روایت سے اس قدر یاد رکھئے کہ مقاطعہ کی رسم عرب میں تھی کفار نے اس پر عمل بھی کیا تھا دو برس تک اس کی تکلیف پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم برداشت فرما چکے تھے اس قدر یادداشت کسی موقع پر کام آئیگی۔

جنگ بدر | مسلمانوں سے یہ پوشیدہ نہیں کہ کفار مکہ سے جنگ بدر میں اولین مقابلہ عساکر اسلامیہ کا تھا لیکن اسی ایک مقابلہ نے جہاد اسلامی اور حرب تمدنی کا فرق ایسا آشکارا کردیا جس کے زرّیں حروف صفحات تاریخ پر ہمیشہ یادگار رہیں گے جہاد خدا کی ایک ایسی رحمت ہے کہ جس خطۂ زمین پر اس کی حقیقت مشہود ہوئی وہاں کی زمین اور زمین کے بسنے والوں نے وہ حیات پائی ہے جو خلق وجود کا حقیقی راز اور مایۂ ناز تھا لیکن اسی کے مقابلہ میں حرب تمدنی خدا کا ایک قہر ہے جو گوناگوں تباہی قومی ملکی اخلاقی اور علمی اپنے ساتھ ساتھ لاتی ہے۔

یورپ کو اپنی تہذیب پر ناز ہے لیکن وہ آئے اور دیکھے کہ اسلام جب میدان جنگ

میں اپنی فوجوں کو آراستہ کرتا ہے اور پھر حکم الٰہی مجاہدین فی سبیل اللہ کی شمشیر و سنان کو جنبش دیتا ہے تو اس کی ہر حرکت کس طرح دائرہ حکم الٰہی میں گردش کرتی ہے۔

خواہش نفس ہیجان غضب شدت کینہ خیرگی حواس اور غیر متعدل جوش ان کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔

مجاہد کا ہاتھ تحت امر الٰہی اُس انجن کے مانند ہے جسے اُس کا سائق ایسی قوت ومہارت سے چلا رہا ہو کہ بال برابر بھی ریل کی پٹری سے وہ اُترنے نہیں پاتا انجن اگر ریل سے اُتر جائے تو ہزاروں جانوں کا خون ہو جائے اسی طرح مجاہد فی سبیل اللہ اگر راہ حق سے راہ ہوا میں حرکت کر جائے تو للہیت و اخلاص کا خون ہو جائے۔

واقعۂ بدر میں ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ وہی کفار مکہ ہیں جنھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو طرح طرح کی تکلیفیں بانواع مختلفہ پہونچائی ہیں تیرہ برس پیغمبر اور اُس کے متبعین مسلمین پر کفار مکہ نے ستم وجفا کی مشاقی کی ہے ہجرت کے بعد بھی جس کے ایمان واسلام کا وہ پتہ پا گئے ہیں اُس کی ہستی تہ و بالا کر ڈالی ہے۔

آج اُنھیں کفار نے ایک بہت بڑی تعداد میں فوج واسلحے سے مسلح ہو کر مدینہ پر فوج کشی کی ہے ادھر اللہ کا حبیب تین سو تیرہ بے سروسامان مسلمانوں کو لے کر اُن کی مدافعت پر روانہ ہوا ہے بدر کے مقام پر حق و باطل کا مقابلہ ہوتا ہے قادر مطلق مولیٰ تعالےٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل فتح عطا فرماتا ہے ستر کافر مومنین کے ہاتھوں سے جہنم واصل ہوئے ستر کافر مومنین کے ہاتھوں میں قید و گرفتار ہوئے۔

اب سورۂ ممتحنہ کی آیۃ پھر تلاوت کر لیجئے تاکہ واقعات مابعد کے سمجھنے میں اس آیۃ کی تفسیر آپ کو فعل رسول سے معلوم ہو سکے۔

لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون ۝

اللہ ان لوگوں کے متعلق جو دین کے معاملہ میں تم سے نہیں لڑے اور نہ اُنھوں نے تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اس سے منع نہیں کرتا کہ تم ان کے ساتھ بھلائی اور منصفانہ سلوک کرو بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی دوستی سے روکتا ہے جو تم سے دین کے معاملہ میں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں امداد پہونچائی اور جو ان سے دوستی رکھیں وہی ظالم ہیں۔

یہ دو آیتیں ہیں پہلی آیۃ لا ینھاکم اللہ سے شروع ہوئی ہے اور دوسری آیۃ کا انما ینھاکم اللہ سے آغاز ہے۔ لیکن اسے اچھی طرح دیکھلو کہ پہلی آیۃ میں جس چیز کی اجازت ہے یعنی بر واقساط جس کا ترجمہ بھلائی اور منصفانہ سلوک کیا گیا ہی دوسری آیۃ میں اس سے منع نہیں فرمایا ہاں دوسری آیۃ میں جس سے منع فرمایا ہے یعنی ولا جس کا ترجمہ دوستی اور مدد کیا گیا ہی اُس کی اجازت پہلی آیۃ میں عطا نہیں فرمائی۔ آیۃ پڑھو اور ترجمہ سے مطابقت دیتے جاؤ یہ ترجمہ بعینہ تمہارے شیخ الہند مفروض کے فتوے سے نقل کیا گیا ہے اس طرح اجازت اور نہی کیوں وارد ہوئی اس کی تفصیل صفحات ماسبق میں گزر چکی اجازت اور سکوت میں جو فرق ہی وہ ظاہر ہے لیکن جب کہ اجازت پر ترغیب بھی دلائی جائے تو اب فرق بت ہی اجلی اور نمایاں ہوگیا اسی کے ساتھ اس قدر اور سمجھ لیجئے کہ دونوں آیتوں میں دونوں حکم تعمیم کے ساتھ ہیں کسی فرقہ کی تخصیص ان دو آیتوں میں سے کسی ایک میں بھی

نہیں کی گئی افعال و اعمال پر حکم جواز و نہی صادر ہوا ہے نہ کہ ملت و مذہب پر اب الحکم عدم موالات کا استثنا کریجے۔

پہلا حکم لایتخذ المومنون الکافرین اولیا یعنی مومنین اپنا دوست یا مددگار کافر کو نہ بنائیں۔

دوسرا حکم یا ایھا الذین آمنوا لاتتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء یعنی اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو اپنا دوست و مددگار نہ بناؤ۔

ان دونوں آیتوں میں علت عدم موالات ان گروہوں کا کافر ہونا ہے مسلمانوں کے ساتھ پیروان ادیان باطلہ کا کیسا ہی برتاؤ کیوں نہ ہو لیکن محض اس وجہ سے کہ وہ کافر ہیں موالات مومن سے محروم رہیں گے۔

تیسرا حکم انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علیٰ اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں اُن لوگوں کی دوستی اور امداد کرنے سے منع فرماتا ہے جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے مقاتلہ کیا اور تمھارے گھروں سے تم کو نکالا اور تمھارے دشمنوں کی تمھارے اخراج پر مدد کی اور جو کوئی تم میں اُن ظالموں سے دوستی رکھے یا اُن کی مدد کرے تو وہی ظالم ہے۔

اس آیۃ میں عدم موالات کی علت افعال قبیحہ اور اعمال شنیعہ ظلم و ستم کو قرار دیا ہے ان افعال خبیثہ کا جو بھی مرتکب ہوگا اُس سے مسلمانوں کو ترک موالات کرنا ضروری ہے خواہ وہ نصرانی ہو یا یہودی ہو یا کافر مشرک ہو یا مدعی اسلام ہو۔

ان تمام تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے واقعات بدر کی طرف نظر ڈالیے۔

کافر کے ساتھ وفا اور انصاف

جماعت کفار میں ایک کافر ہے جس کا نام ابوالبختری ہے اس کے متعلق حکم ہوتا ہے کہ اگر میدان جنگ میں اس کا مقابلہ ہو جائے تو مسلمان اسے قتل نہ کریں بلکہ زندہ میرے حضور میں حاضر کیا جائے صحابہ عرض کرتے ہیں کہ اُس کی جاں بخشی آپ نے کیوں فرمائی ارشاد ہوتا ہے کہ قیام مکہ میں اس نے اپنے ہاتھ اور زبان سے مجھے تکلیف نہیں پہونچائی تھی آج اُس کا عوض یہ ہے کہ اُس کی جاں بخشی کیجائے ابوالبختری کا مقابلہ ہوتا ہے صحابہ اُسے امان دیتے ہیں لیکن وہ اپنے ساتھی کی بھی اماں طلب کرتا ہے اُس کے متعلق اجازت نہ تھی صحابہ عذر کرتے ہیں ابوالبختری لڑنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور آخر کار مارا جاتا ہے صحابہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں

فقال والذی بعثك بالحق لقد جهدت علیه ان یستاسر فاٰتیك به فابٰی الا ان یقاتلنی فقاتلته فقتلتهٗ

صحابی نے عرض کیا قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے اُس کے قید کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اُس نے انکار کیا اور مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا پھر میں بھی مقابلہ پر اُس کے تیار ہوا اور آخر میں نے اُسے قتل کر دیا۔

دوسری روایت

سہیل بن عمرو ایک کافر بدر کے روز گرفتار ہوا یہ شخص بلا کا مقرر تھا مخالفت اسلام پر مجامع کفار میں پُرزور تقریریں کیا کرتا تھا فاروق اعظم اس کی سزا کے متعلق ایک تحریک پیش فرماتے ہیں رحمۃ للعالمین اُسے نامنظور فرماتے ہیں اور جواب میں ایسا کلمہ ارشاد ہوتا ہے جو عدل و انصاف کی ایک بے نظیر مثال ہے:

ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال لرسول الله صلی الله علیه

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت ہو تو سہیل بن عمرو کے اگلے دو دانت

وسلم یا رسول الله دعنی انزع ثنیتی سهیل بن عمرو ویدلع لسانه فلا یقوم علیك خطیبا فی موطن ابدا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا امثل به فیمثل الله بی وان کنت نبیا۔

اُکھاڑ دوں اُس کی زبان باہر نکل پڑے گی تو آپ کے خلاف تقریر کرنے پر کھڑا نہ ہوا کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اُسے مثلہ نہ بناؤں گا پھر تو مجھے بھی اللہ مثلہ بنادے گو کہ میں نبی ہوں۔

تیسری روایت ان دونوں سے زیادہ واضح اور لائق وہ سلوک پیغمبر ہے جس کی رعایت کافر قیدیوں کے ساتھ کی گئی خوب یاد رہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں آج جو گرفتار ہیں کل تک انھیں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا مکانوں سے نکالا تھا قیدی ہیں کافر ہیں ظالم ہیں دشمن جانی ہیں لیکن خدا کا برگزیدہ رسول انھیں حالت اسیری میں دیکھکر اپنے یاروں کو حکم دیتا ہے

استوصوا بالاساری خیرا قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی میں تمھیں وصیت کرتا ہوں

اس وصیت رسول کی صحابہ نے کیوں کر تعمیل فرمائی اُسے قیدیوں کی زبان سے سُنئے۔

فکانوا اذا قدموا غداءهم اوعشاءهم خصونی بالخبز واکلوا التمر لوصیة رسول الله صلی الله علیه وسلم ایاهم

قیدیوں کا بیان ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب دن کا کھانا یا رات کا کھانا آتا تو روٹی ہمیں دیتے اور کھجور خود کھاتے یہ ایثار و خاطر داشت یوں تھی کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی۔

چوتھی روایت فکان فداء المشرکین بدر کے روز مشرکین کا فدیہ کم از کم فی

ومقدار بعة آلاف درهم بالرجل الى الف درهم الا من لاشئ له فمن رسول الله صلى الله عليه وسلم

مشرک چار سو درہم اور زیادہ سے زیادہ ہزار درہم تھا لیکن جس مشرک کے پاس کچھ نہ تھا اُس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرمایا۔

چوتھی روایت کی مزید تفصیل

ابوعزہ عمرو بن عبد الله

كان محتاجاً ذا بنات فكلم رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله لقد عرفت مالي من مال واني لذو حاجة وذو عيال فامنن علي فمن عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم واخذ عليه ان لا يظاهر

قیدیوں میں ابوعزہ عمرو بن عبد اللہ بہت ہی محتاج شخص تھا اور اس کے کئی لڑکیاں تھیں اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ خود جانتے ہیں کہ میرے پاس مال نہیں اور میں ایک مرد محتاج اور عیال دار ہوں مجھ پر منت رکھیے اور کرم فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر احسان فرمایا اور یہ قول لے کر کہ پھر کافروں کی مدد نہ کرنا آپ نے چھوڑ دیا۔

کافر کو معلم بنانا

فمن لم يكن عنده شئ امر ان يعلم غلمان الانصار الكتابة

جن قیدیوں کے پاس کچھ نہ تھا اور وہ لکھنا جانتے تھے اُن کا فدیہ یہ مقرر ہوا کہ وہ اطفال انصار کو لکھنا سکھائیں جب انھیں لکھنا آجائے تو یہ قید سے آزاد ہیں۔

اقساط کی کھلی مثال

لما كانت اسارى بدر كان فيهم العباس عم رسول الله صلى الله عليه وسلم فسهر النبي صلى الله عليه ليلته فقال له بعض اصحابه ما اسهرك يا نبي الله

بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی تھے قیدیوں کی مشکیں باندھ دی گئی تھیں حضرت عباس کراہنے لگے بغل میں قیدیوں کے خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا حضرت عباس کے کراہنے سے

فقال اینن العباس فقام رجل فارخی من وثاقہ فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مالی لا اسمع اینن العباس فقال رجل من القوم انی ارخیت من وثاقہ شیا قال فافعل ذالک بالاساری کلھم ۔

آپ بے کل ہو گئے آنکھوں سے نیند اڑ گئی بعض صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ بیخوابی کا کیا سبب ہے آپ نے فرمایا عباس کی کراہ یہ سن کر حاضرین میں سے ایک صحابی اُٹھے اور حضرت عباس کے بند ڈھیلے کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے پوچھا کہ عباس کے کراہ کی آواز کیوں نہیں سُنتا ہوں حاضرین میں سے ایک نے عرض کیا کہ میں نے اُن کی بندش ڈھیلی کر دی ہے آپ نے فرمایا کہ ساری قیدیوں کی بندش ڈھیلی کر دی جائے

اے مفتیان شریعت گاندھی ان واقعات کو پڑھو اور ہمیں بتاؤ کہ قیدیوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا یہ احسان و انصاف ہے یا بدی اور ظلم۔ اگر یہ واقعات سراسر رحمت شفقت عدل اور انصاف بتاتے ہیں تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ سورہ ممتحنہ کی آیۃ ایک اصولی تقسیم ہے کس قدر لغو اور باطل ہے۔ یا یہ کہو کہ یہ احسان و انصاف اُن لوگوں کے ساتھ ہوا جو اقسام ثلثہ ظلم میں سے ایک کے بھی مرتکب نہ تھے نہ تو اُنھوں نے مسلمانوں کو قتل کیا تھا نہ مکانوں سے نکالا تھا نہ اُن کے دشمنوں کی مدد کی تھی تو آفتاب پر خاک ڈالنا ہے یا یہ کہو کہ یہ موالات و مداہنت ہے اگر تمہارے نزدیک یہ موالات ہے یا مداہنت تو تمھیں تمہارا فتویٰ مبارک ہو ہمیں اُسوہ حسنہ رسول کی تعمیل کرنے دو تمہیں اپنے پیشوا کی تعلیم اور اُس کی تعمیل نصیب ہو یوم ندعوا کل اناس باماھم کا جس روز ظہور ہو گا تم گاندھی کے ساتھ ہو گے اور مسلمین رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم

کے واء حمد کے نیچے ہوں گے۔

فتح مکہ پہ نظر سورۂ ممتحنہ فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی ہے لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا اُس وقت اُنھی کفار کے ساتھ جنھوں نے تیرہ برس تک مسلمانوں پر ظلم وستم کی مشاقی کی تھی جن کی شرارتوں نے مسلمانوں کو بے خانماں بنا کر ہجرت پر مجبور کیا تھا جن کے پیہم حملوں نے مدینہ طیبہ میں بھی راحت وسکون سے بیٹھنے نہ دیا تھا اب کہ مکہ فتح ہوتا ہے اور کفر کے سارے گھمنڈ خاک مذلت میں فنا ہو رہے ہیں رسول کا برتاؤ ایسے فریق محارب جنگجو جفا کار کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔

روایات معتبرہ ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ رسول اللہ کا نقیب مکہ کی ہر گلی کوچہ میں یہ صدا دے رہا ہے کہ

من دخل دار ابی سفیان فھو	جو ابوسفیان کے مکان میں داخل ہو جائے اُسے
اٰمن ومن اغلق علیه بابه فھو	امن ہے جو اپنے مکان کا دروازہ بند کرلے اُسے
امن ومن دخل المسجد فھو اٰمن	اماں ہے۔ جو مسجد الحرام میں داخل ہو جائے اُسے اماں ہے۔

ایک صدائے اماں ہے کہ ہر در و دیوار سے گونج رہی ہے کفار کی جماعت سامنے کھڑی ہے سطوت محمدی نے سارے حوصلے پست کر دیئے ہیں اپنی جفائیں یاد ہیں لیکن وہ ذات جسے خود اُس کا رب العزۃ یہ فرمائے کہ وما ارسلناك الا رحمة للعالمین اُس کے رحمت وکرم پر کفار ومشرکین مکہ کو بھی یہ اعتماد ہے کہ جب اُن سے بارگاہ نبوت سے یہ سوال ہوتا ہے۔

قال یا معاشر قریش ما	اے جماعت قریش تمہارا کیا خیال ہے آج تمہارے خونخوار ظلم وستم کا
ترون انی فاعل فیکم	کیا عوض دیا جائے گا تو وہ فوراً جواب میں یہ کہہ اُٹھتے ہیں

نحن کریم وابن اخ کریم — آپ کرم کرنے والے بھائی ہیں اور ایسے باپ کے بیٹے ہیں جو کرم کرنے والا بھائی تھا۔

ارشاد ہوتا ہے۔

انتم الطلقاء — جاؤ تمھیں آزاد کیا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین — آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمھیں بخشے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

الحق کل اناء یترشح بما فیہ ہر ظرف سے وہی ٹپکتا ہے جو اُس میں ہوتا ہے وہ سینہ جو کہ رحمت وکرم شفقت وعطا کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہو اُس میں جب جوش آئیگا تو شفقت وکرم ہی کی موجیں لہریں مارتی ہوں گی۔

انھیں مشرکین میں کچھ مرد وزن ایسے بھی مجرم وخطاکار تھے جن کا خون ہدر کردیا گیا تھا ہدر کے یہ معنی کہ جہاں کہیں پائے جائیں فوراً قتل کردیئے جائیں ان میں سے ایک نے خانۂ کعبہ کے پردوں میں اپنے کو جا چھپایا صحابہ نے یہ خبر پہونچائی حکم ہوا وہیں تہ تیغ کیا جائے۔ لیکن ان میں سے بھی اگر کسی کی سفارش کی گئی تو اُسے قبولیت کا شرف عطا فرمایا گیا۔

حضرت عکرمہ کا واقعہ — عکرمہ بن ابی جہل کا بھی خون ہدر کیا گیا تھا اُن کی بی بی ام جمیل ایمان لائیں اپنے شوہر کی جان بخشی کی سفارش کی حکم ہوا معاف کیا۔

عکرمہ بن ابی جہل ہدر کی خبر سُن کر فرار کر چکے تھے بی بی نے پیچھا کیا جہاز پر سوار ہو کر قصد روانگی کا تھا جو بی بی نے پالیا جان بخشی کا مژدہ سُنایا عکرمہ کو یقین نہیں آتا کہ اپنی اذیت رسانی یاد کرتے ہیں تو بی بی کا پیام مشکوک معلوم ہوتا ہے آخر بڑی ردوکد

کے بعد اُنھیں یقین آتا ہے اب نہایت بیتابانہ شوق میں حاضر بارگاہ رسالت ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یہ عورت یعنی ام جمیل یہ کہتی ہے کہ آپ نے میرے گناہوں کو معاف فرما دیا کیا اس کا قول سچ ہے ارشاد ہوا ہاں سچ کہتی ہے میں نے معاف کیا عرض کرتے ہیں کہ یہ کرم یہ عفو سوائے نبی برحق کے کسی بشر میں ہو نہیں سکتا یہ کہا اور کلمہ طیبہ پڑھکر داخل اسلام ہوئے۔

حضرت عثمان بن طلحہ کا واقعہ حضرت عثمان بن طلحہ کلید بردار خانۂ کعبہ کی تلاش میں حضرت بلال بھیجے جاتے ہیں جب وہ حاضر ہوئے خانۂ کعبہ کی کنجیاں پھر اُنھیں کو یہ فرما کر عطا کر دی گئیں کہ ہمیشہ کے لئے کلید برداری تمہارے خاندان کو مبارک ہو۔

خطب الناس یومئذٍ ودعا عثمان بن طلحة فدفع اليه المفتاح وقال خذوها یا بنی ابی طلحه تالدة وخالدة لا ینزعها منکم احد الا ظالمٌ۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ القا فرمایا حضرت عثمان بن طلحہ کی طلبی ہوئی یہ فرماتے ہوئے کعبہ کی کنجیاں اُن کے حوالہ کی گئیں اے بیٹو ابو طلحہ کے ہمیشہ کے لئے یہ کنجیاں لو اب تم سے کوئی چھین نہ سکے گا مگر وہ جو کہ ظالم ہو۔

اس کے بعد ارشاد ہوا۔

یا عثمان الیوم یوم بر ووفا — اے عثمان آج کا دن وفا اور بر کا دن ہے۔

(حضرت عثمان بن طلحہ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے تھے لیکن قیام مکہ ہی میں تھا)

میں نہیں سمجھ سکتا کہ باوجود ان واقعات کے پھر بھی جو شخص یہ کہتا ہے کہ برداقساط فریق غیر محارب کے ساتھ مخصوص ہے وہ ان واقعات کو کیا سمجھتا ہے اگر اس کا نام احسان اور عدل نہیں تو کیا ہے خود حضور ہی نے اس دن کا نام یوم بر ووفا قرار دیا تو

اب اسے سلمان بر واحسان نہ کہیں تو کیا کہیں ؟

صفحات ماسبق میں واضح بیان ہو چکا کہ آیۃ انما ینہاکم اللہ الخ میں جو موالات منع اور بر و اقساط سے سکوت فرمایا گیا اُس کی وجہ تنوعات حالت ہی اور ہر حالت کے لئے فرقان حمید میں حکم موجود اب ہر حکم کی تعمیل فعل رسول سے واضح ولائح کر دی گئی۔

بدر کی لڑائی میں ستر قیدی تھے اُن میں سے بعض قتل کئے گئے بعضوں کو زرفدیہ لے کر رہا کیا گیا بعضوں کو تعلیم کتابت کی خدمت لے کر چھوڑ دیا گیا بعض جو نادار تھے اُنھیں احساناً وامتناناً آزاد کیا گیا غرض جس کے مناسب حال جو طرز عمل تھا وہی ہوا۔

فتح مکہ کے روز گیارہ مرد اور چھ عورتوں کا خون آپ نے ہدر فرمایا تھا جن میں سے چار مرد اور چار عورتیں قتل ہوئیں بقیہ مجرمین دولت ایمان اور نعمت اسلام سے سعادت اندوز ہوئے جن میں سے ایک حضرت عکرمہ بن ابوجہل ہیں اور ان کا واقعہ اوپر مذکور ہو چکا اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہی کہ تفسیر المنار کی عبارت پیش کر دوں شاید یہی عبارت موجب ہدایت ہو۔

ولا تنس ان هذه الآيات نزلت قبل فتح مكة وكان المشركون في عنفوان طغيانهم واعتدائهم وقد عمل عليه الصلوٰة والسلام يوم الفتح بهذه الوصايا فعفا عن قدرة وحلم عن عزة وسلطة وقال انتم الطلقاء. واحسن الى المؤمن

ہاں یہ فراموش ہونے پائے کہ آیات عدم موالات کا نزول فتح مکہ سے قبل ہی اُس زمانے میں کفار کی سرکشی اپنے جوش شباب اور حد افراط پر تھی فتح مکہ کے دن بیشک پیغمبر خدا نے ان وصیتوں کی اس طرح تعمیل فرمائی کہ باوجود کمال قوت اور انتہائے سطوت و شوکت کفار سے ارشاد ہوا کہ تم سب آزاد ہو احسان و کرم کا ایسا دریا رواں تھا جس سے مومن کافر

والكافر والبر والفاجر ومثله اهل للفضل والاحسان ولقد كان للمؤمنين فيه اسوة حسنة ولكن بعد تحمسو المسلمين اليوم من سنته ومن كتاب الله الذى تادب هو به اللهم اهد هؤلاء المسلمين بهداية كتابك ليكونوا بحسن عملهم حجة له بعد ما صار اكثرهم بسوء العمل حجة عليه ۵

نیکوکار اور بدکار ہر ایک سیراب ہو رہا تھا۔ مسلمانوں کے لئے فتح مکہ کے واقعات اسوۂ حسنہ ہیں ضرورت سے زیادہ مسلمان بننے والے آج اپنے پیغمبر کی سنت راشدہ اور وہ کتاب الٰہی جس کی تعلیمات سے اُس نے اُن کی ادب آموزی کی تھی دُور ہو گئے ہیں اے اللہ تو مسلمانوں کو ہدایت قرآنی کی طرف رہبری فرما تاکہ نیک عمل اُن کے لئے حجۃ ہو نہ کہ بُرے اعمال اُن پر حجۃ ہو جائیں۔

اب میں نہیں سمجھ سکتا کہ آیات سورہ ممتحنہ کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے جس کے دل میں کچھ بھی نور ایمان ہے اور قوت مدرکہ اُس کی باطل نہیں ہوئی ہے وہ ان تمام منقولات کے مطالعہ سے فارغ ہو کر ضرور اس نتیجہ پر پہونچے گا کہ موالات کسی کافر سے کسی حال میں درست نہیں اور وہ امور جو موالات حقیقی سے ماسوا ہیں اُن کا تعامل ہر حال میں جائز و صحیح۔

لیکن اب ہم ایک ایسی صاف اور بین حدیث بخاری شریف سے پیش کرتے ہیں کہ اگر ایمان کا شعبۂ حیا کچھ بھی سرسبز ہے تو تمہارے لیڈر خود ہی کہہ اُٹھیں گے کہ نان کوآپریشن کو ترک موالات کہنا سراسر کذب اور افترا ہے جس کے ترک پر ہم مصر ہیں نہ یہ دین کی خدمت ہے نہ اتباع سنت رسول ہے نہ کہیں اس مقابلہ کا سراغ حیات مقدس رسول اکرم میں پایا جاتا ہے نہ یہ جہاد ہے نہ مسلمانوں کی خیر خواہی ہے بلکہ محض حکم گاندھی کی تعمیل ہے

اور سرکارِ کفر و شرک کی غلامی۔

حدثنا عبد الله بن یوسف قال حدثنی
اللیث قال حدثنی سعید ابن سعید سمع
اباهریرة قال بعث النبی صلی الله علیه
وسلم خیلا قبل نجد فجاءت برجل من
بنی حنیفة یقال له ثمامة ابن اثال
فربطوه بساریة من سواری المسجد
فخرج الیه النبی صلی الله علیه وسلم فقال
ماعندك یا ثمامة فقال عندی خیر
یا محمد ان تقتلنی تقتل ذادم وان تنعم
تنعم علی شاکر وان کنت ترید المال
فسل منه ما شئت فترکه حتی کان الغد
ثم قال له ماعندك یا ثمامة قال
عندی ما قلت لك ان تنعم تنعم علی
شاکر فترکه حتی کان بعد الغد
فقال ماعندك یا ثمامة
فقال عندی ما قلت
لك فقال اطلقوا ثمامة فانطلق
الی نخل قریب من المسجد فاغتسل

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
دستہ سواروں کا نجد کی طرف روانہ
فرمایا اُس فوج نے بنو حنیفہ میں سے
ایک شخص کو گرفتار کر لیا مدینہ
پہونچکر ستون مسجد سے اُسے باندھ
دیا اس شخص کا نام ثمامہ بن اثال تھا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف
فرما ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ ثمامہ کیا
ارادہ ہے اُنھوں نے کہا نیک ارادہ
اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر
آپ مجھے قتل فرمائیں گے تو میرا خون
رائیگاں نہ جائے گا میں جتا
دیکھنے والا ہوں۔
اور اگر آپ انعام فرمائیں تو ایسے شخص پر انعام ہوگا
جو شکر گزار رہے گا اور اگر مال کا ارادہ ہے تو جس قدر
چاہئے مانگئے دیا جائے گا یہ جواب سن کر آپ نے

ثم دخل المسجد فقال اشهد
ان لا اله الا الله وان محمدا
رسول الله يا محمد والله ما
كان على الارض وجه ابغض
الي من وجهك فقد اصبح وجهك
احب الوجوه الي والله ما كان
من دين ابغض الي من دينك
فاصبح دينك احب الدين الي
والله ما كان من بلد ابغض
من بلدك فاصبح بلدك احب
البلاد الي وان خيلك اخذتني
وانا اريد العمرة فماذا ترى فبشره
رسول الله صلى الله عليه وسلم
وامره ان يعتمر فلما قدم مكة
قال له قائل صبوت قال لا
ولكن اسلمت مع محمد رسول الله صلى الله
عليه وسلم ولا والله لا تاتيكم
من اليمامة حبة حنطة حتى ياذن
فيها النبي صلى الله عليه وسلم ۵

انھیں ستون سے کھول دیا دوسرے دن صبح کو پھر
ملاقات ہوئی تو آپ نے پھر وہی سوال کیا کہ کیا
ارادہ ہے جواب میں ثمامہ کے انھیں کلمات گذشتہ کا
اعادہ تھا پھر تیسری صبح کو سوال ہوا اور جواب میں
وہی الفاظ سابقہ تھے اب حکم ہوا کہ ثمامہ آزاد کر دیے
جائیں وہ آزاد ہو کر چلے اور مسجد نبوی کے قریب
جو نخلستان تھا وہاں پہونچکر اچھی طرح غسل کیا اور
پلٹ کر پھر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور کلمہ
اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ کلمہ طیبہ
پڑھنے کے بعد عرض پرداز ہوئے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
قسم ہے اللہ کی روئے زمین پر آپکے چہرے سے زیادہ مبغوض
چہرہ میرے نزدیک کوئی دوسرا نہ تھا لیکن آج روئے زمین میں
کوئی صورت آپکے چہرۂ انور سے زیادہ محبوب میرے نزدیک
نہیں قسم اللہ کی آپکے دین سے زیادہ مبغوض کوئی دین نہ
تھا لیکن اب آپکے دین سے زیادہ محبوب کوئی دین نہیں
قسم اللہ کی آپکے شہر سے زیادہ مبغوض کوئی شہر نہ تھا لیکن
آپکے شہر سے اب زیادہ کوئی شہر محبوب نہیں اس کے بعد
یہ التماس پیش کی کہ آپکے سواروں نے مجھے اس وقت گرفتار
کیا ہے جب کہ میں نے عمرہ کی نیت کر لی تھی اب کیا
ارشاد ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں صدق ایمان پر بشارت عطا فرمائی اور حکم دیا کہ اب مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرح عمرہ ادا کرو۔

جب ثمامہ مکہ پہنچے اور لبیک کا نعرہ بلند کیا کفار نے اُن سے کہا کہ ثمامہ کیا تم بے دین ہو گئے فرمایا نہیں میں نے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا قسم ہے اللہ کی اب یمامہ سے ایک دانہ گیہوں کا تمہارے پاس نہ آئے گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پروانگی نہ عطا فرمائیں (بخاری شریف)

بخاری شریف کی روایت ختم ہوئی قطع نظر اس الطاف کے جو حضرت ثمامہ پر بحالت کفر مبذول رہا قابل لحاظ آخر کا واقعہ ہے کفار مکہ کا آذوقہ یمامہ کے غلہ پر تھا ثمامہ وہاں کے رئیس تھے مکہ سے واپس اکر جب یمامہ پہنچے تو اس کی بندش کر دی کہ ایک دانہ اناج کا مکہ نہ جانے پائے غلہ کا بند ہونا تھا کہ کافروں کو تارے نظر آنے لگے بدحواس ہو کر بارگاہ نبوت میں مستغیث ہوئے ثمامہ کو حکم دیا گیا کہ غلہ کی بندش نہ کرو جس طرح معاملہ ہوتا تھا جاری رکھو۔

بخاری شریف میں ثمامہ کا یہ کہنا مذکور ہے کہ بغیر اذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دانہ بھی گیہوں کا مکہ نہ آنے پائے گا لیکن بقیہ حصہ روایت کا ابن ہشام اور طبقات ابن سعد میں مذکور ہے۔

صحیح بخاری کے تمام شراح ابن ہشام کی روایت قبول کرتے ہیں فتح الباری اور عینی شرح بخاری ملاحظہ ہو ابن ہشام کے الفاظ ان دونوں محدثین نے نقل فرمائے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ فتح الباری اور عینی کے بعد یہ کہنے کی ضرورت ہے کہ قسطلانی و کرمانی نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن ہشام نے اُن چند ایام کی مہمانی جو حالت کفر میں کی گئی اُس کی تفصیل بھی لکھی ہے مہمانی کے متعلق ابن ہشام کے یہ الفاظ ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسنوا اسارہ و رجع الی اهله فقال اجمعوا ما کان عندکم من طعام فابعثوا به الیه و امر بلقحته ان یغدی علیه بها و یراح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب سے یہ فرمایا کہ اپنے قیدی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ پھر آپ ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے کہ تمہارے پاس جو کچھ کھانا ہو اُسے جمع کرو اور ثمامہ کو بھیج دو علاوہ اس کھانے کے ایک شیر دار اونٹنی مقرر کر دی گئی جو صبح و شام دونوں وقت ثمامہ کے پاس دودھ کی غرض سے جاتی تھی۔

غلہ کی بندش اور اُس کی پروانگی کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔

ثم خرج الی الیمامة فمنعهم ان یحملوا الی مكة شیئا فكتبوا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم انك تامر بصلة الرحم وانك قد قطعت ارحامنا وقد قتلت الآباء بالسیف و الابناء بالجوع فكتب رسول الله صلی الله علیه وسلم الیه ان یخلی بینهم وبین الحمل (ابن ہشام)

پھر یمامہ پہنچکر ثمامہ نے وہاں کے بیوپاریوں کو منع کر دیا کہ کچھ بھی غلہ مکہ نہ جانے پائے کفار مکہ نے آنحضرت کی خدمت میں خط بھیجا کہ صلہ رحم کا سبق دیتے ہو اور اور خود قطع کرتے ہو باپوں کو میدان جنگ میں مار ڈالا اور بیٹوں کو بھوک سے مارے ڈالتے ہو آپ نے ثمامہ کو لکھ بھیجا کہ بار برداری غلہ کی بندش اٹھا لو اور کاروبار کو حسب معمول جاری رہنے دو۔ (ابن ہشام)

یہ واقعہ اوپر گزر چکا کہ ایک وقت میں کفار مکہ نے یہی معاملہ پیغمبر خدا کے ساتھ

کیا تھا اور دو برس تک خاندان ہاشم مصیبت و تکلیف برداشت کر چکے تھے اب ایک موقع ایسا آیا تھا کہ کفار مکہ سے پورا عوض اُس مقاطعہ کا لیا جاتا تو بہ چند وجوہ خلاف عدل نہ تھا۔

(۱) اہل مکہ کافر تھے (۲) مسلمانوں سے بارہا قتال فی الدین کر چکے تھے۔

(۳) مسلمانوں کو گھروں سے نکالا تھا (۴) مسلمانوں کے اخراج پر مدد کی تھی۔

(۵) مسلمانوں سے بلکہ خود پیغمبر سے دو برس تک مقاطعہ جاری رکھا تھا نہ چیز خریدتے تھے نہ اُن کے ہاتھ کچھ بیچتے تھے۔

(۶) یمامہ سے غلہ کا بند ہو جانا اُنھیں مضطر کر چکا تھا اگر اس پر ذرہ زیادہ زور دیا جاتا تو کفر کی کمر ٹوٹ جاتی۔

(۷) کفار نہ صرف مکہ بلکہ خانہ کعبہ پر متصرف تھے بیت اللہ کو کثرت اصنام سے صنم خانہ بنا رکھا تھا۔

(۸) مسلمان حج اور عمرہ ادا نہیں کر سکتے تھے خود ثمامہ کو لبیک کہنے پر کفار نے پکڑ لیا تھا لیکن اے لیڈرو باوجود ان تمام باتوں کے مقاومت مجہول جس کی ایجاد پر تمہیں ناز ہے پیغمبر خدا نے اس بندش و بائیکاٹ کے توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔

بخاری و مسلم شریف کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثمامہ نے حمایت دین کے خیال سے بطور خود غلہ کی بندش کی تھی شروح بخاری اور سیر کی معتبر کتابیں مثل ابن ہشام و ابن سعد یہی بتاتی ہیں اصابہ کی عبارت بھی یہی ظاہر کرتی ہے لیکن علامہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو اسی عہد پر رہا فرمایا تھا کہ کفار مکہ کو وہ غلہ نہ بھیجیں گے۔

بہرحال اس قدر مسلم ہے کہ غلہ کی آمد یمامہ سے بند ہوگئی اور جب کفار مکہ پریشان ہو کر متنفیث بارگاہ رسالت ہوئے تو وہ بندش توڑ دی گئی۔

کفار نہ تو اپنے کفر سے باز آئے نہ انہوں نے خانہ کعبہ سے بتوں کو ہٹایا نہ حرم محترم سے اپنا قبضہ اٹھایا نہ یہ وعدہ کیا کہ آیندہ سے نہ تو مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں گے نہ کبھی دعوت اسلام کے سنگ راہ ہوں گے صرف قحط کی مصیبت دیکھ بھیجی وہ بھی تلخ الفاظ میں اس حدیث جلیل سے حسب ذیل امور معلوم ہوئے۔

(۱) بائیکاٹ یا نان کوآپریشن کا عرب میں دستور تھا (۲) بائیکاٹ کے موجد کفار مکہ ہیں۔

(۳) کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بائیکاٹ کیا تھا جس کا سلسلہ دو برس تک جاری رکھا تھا۔

(۴) ثمامہ نے کفار مکہ سے بائیکاٹ کیا (۵) کفار مضطر و بیقرار ہوئے (۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کے فعل کو اپنے حکم سے منسوخ فرما دیا اور بائیکاٹ اٹھ گیا (۷) اقسام جہاد میں سے اگر بائیکاٹ کوئی قسم جہاد ہوتا اور اس طرز عمل سے دشمن کو مغلوب بنا لینا اگر دین کی خدمت ہوتی تو اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی منسوخ نہ فرماتے بلکہ اور ترغیب و تحریص فرما کر اسی مقاومت مجہول سے مکہ معظمہ کو کفار و مشرکین سے خالی کرا لیتے۔

(۸) بائیکاٹ یا نان کوآپریشن ہرگز مرادف ترک موالات نہیں۔

(۹) بائیکاٹ یا نان کوآپریشن کو جو ترک موالات کہتا ہے وہ بڑا گستاخ و بے ادب ہے اس کے نزدیک مشرکین مکہ سے پیغمبر خدا نے موالات کی جو غلہ کی بندش توڑنے کا حکم فرمایا۔

(۱۰) اس گستاخی کے خیال میں کفار کی منت و خوشامد یا گریہ و زاری پر مسلمانوں کو

اپنا مذہب چھوڑ دینا یا کفر قبول کر لینا یا مسلمانوں کا اُن کے دین کا ضرر و نقصان کرنا سب جائز ہے پس ہی جس نے رو رو کر اور ہاتھ کہنیوں تک جوڑ کر مذہب گاندھی میں داخل ہونے کی سعادت پائی ہو اُس کے سامنے اگر کافر رو کر اشد ترین کفر کی تحریک کرے تو اس وقت یہ گستاخ نہ صرف کفر قبول کرے گا بلکہ اُسے شادی مرگ نصیب ہو گی۔

استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ۵

مسئلہ نان کوآپریشن کی حقیقت اب بالکل ہی عریاں ہو گئی علماء کا یہ ادعا کہ یہ ہمارے اجتہاد اور قوت دماغی کا نتیجہ ہے واضح ہو چکا نان کوآپریشن کے متعلق مولٰنا عبدالباری صاحب کا خط پھر ملاحظہ فرمایئے اُن کا یہ فرمانا کہ اس کار کا واقف کار نہیں ہوں جو وہ کہتے ہیں وہی کرتا ہوں بالکل بجا و درست اور محض صدق و حق ہے۔ شریعت اسلام ایک شریعت معروف ہے اس کا قول معروف اس کا عمل معروف اس کی مقاومت معروف۔ لیکن مذہب کفر و بُت پرستی مجہول اس کا قول مجہول اس کا عمل مجہول اُس کی مقاومت مجہول پھر پرستاران ہنود مجہول ہی مجہول کی صدا نہ بلند کریں تو اور کیا کریں۔

انقلاب عالم کے ارکان ثلاثہ حقیقت اسلام سے ناآشنا و بیگانہ ملک گیر و متسلط بادشاہ کو مبلغ توحید اور رمز کی اخلاق کا شریک عمل جاننا ہے ملکوں کا فتح کرنا قوموں کا مغلوب بنا لینا انسانوں کے قوائے جسمانیہ و دماغیہ پر چھا جانا اس ناآشنا کے نزدیک دین ہے مذہب ہے اسی لئے وہ طریقہ جسے کسی وقت کفار مکہ نے ایجاد کیا تھا اور اس مقاومت مجہول سے صدائے حق کو پست اور مبلغ اسلام کو شکست دینا چاہتے تھے آج اسی کو ہمہ گیر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

گاندھی سے ایسا ہونا تو تعجب نہیں اگر کسی کافر کی مُردہ تحریک کوئی کافر زندہ کرے تو اس میں تعجب کا کیا موقع ہی ہاں تعجب یہ ہے کہ علمار جنہیں ورثۃ الانبیاء ہونے کا دعویٰ علوم دینیہ کے ضامن وکفیل ہونے کا ادعا اور اسی کے ساتھ بعض بڑے منازل سلوک میں کامل ومکمل ہونے کے مدعی وہ بھی کافر کے ساتھ ہم نوا ہو کر یہ کہنے لگے کہ یہ خاص قرآن کریم کا حکم ہے اور ایسے وقت میں یہی طریق کار اور نظام عمل ہے یہ کہا اور سارے ملک میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا گھر گھر مسلمانوں میں تفرقہ ڈال دیا ایسی تحریک جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو اُسے عین شریعت کہکر خاندانوں میں جنگ وجدل پیدا کر دی حدیث شریف میں وارد ہے۔

من احدث فی امرنا ہٰذا | جو شخص دین میں ایسی باتیں پیدا کرتا ہے جو دین سے نہیں تو اس کی
ما لیس منہ فھو رد | یہ ایجاد دین کے نزدیک مردود ہی۔

اسلام کا درد ہوتا مسلمانوں کی محبت ہوتی زوال خلافت کا اگر صدمہ ہوتا تو قوت پیدا کرنے کے صحیح ذرائع اختیار کرتے اسوۂ حسنہ جسے حق سبحانہٗ نے فرمایا ہے اُس کی پیروی نہایت سرگرمی سے کرتے لیکن جب کہ حکومت ہند قربان لے کا سرور پیدا کر رہی ہو تو پھر اس کے سوا اور کیا چارہ کار تھا کہ سوراج چاہنے والوں کی کفش برداری کی جائے۔

یہ خاکدان ہستی عالم کون وفساد ہے تغیر وتقلب کی گوناگوں ہستیاں یہاں اپنی اپنی نوبت سے آئیں اور سطح خاکی کے بسنے والوں کو تہ وبالا کر ڈالا جزئی انقلابات سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر اُن تغیرات کو شمار کر لیا جائے جو بمنزلہ اصول کلیہ ہیں اور جن کے تحت میں سارے جزئیات داخل ہو جاتے ہیں تو وہ تین قسموں میں منحصر ہو جاتے ہیں۔

(۱) سلطنت (۲) تہور (۳) علم وفن

سلطنت کا اثر | جب کبھی سلطنت ایک قوم کے ہاتھ سے نکل کر دوسری قوم کے ہاتھ میں پہونچی یا خود اپنی ہی قوم نے نظام سلطنت کے تغیر میں کامیابی حاصل کی ہے تو اس انقلاب و تغیر نے اُس ملک کی تاریخ کا نیا باب شروع کر دیا ہے مفتوح نظام یا مفتوح قوم کے نقش مٹتے جاتے ہیں اور فاتح نظام یا فاتح قوم کے نقش و نگار ہر شعبہ میں اپنا جلوہ دکھاتے ہیں لیکن حکومتوں کا قایم کرنا یا قوۃ کو مرتبہ سلطنت تک پہنچانا کوئی انسانی کمال نہیں دنیا کا دکھ اور اہل دنیا کا درد سلطنت و حکومت سے نہ کبھی زائل ہوا نہ آیندہ زائل ہو یہ واقعہ ہے کہ سلطنت کسی قسم کی بھی کیوں نہو اُس کا خلاصہ ہمیشہ یہی ہوگا کہ تمام محکوم آبادیوں کے جذبات اور قوائے دماغیہ شخص واحد یعنی بادشاہ یا ایک محدود افراد کی جماعت جنھیں ممبر پارلیمنٹ یا ارا کین مجلس سے خطاب کر لیجئے ان میں جذب ہو کر فنا ہو جائے۔

انسان کے جذبات جس سے فنا ہوتے ہوں انسان کے قوائے عقلیہ اور احساسات دماغیہ جس سے برباد و تباہ ہوتے ہوں کیا اُسے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے دکھ کی دوا یہ ہے یہ خدا کا عتاب ہے کہ انسان بھیڑ بکری کی طرح چند آدمیوں کے ہاتھوں میں گرفتار رہ کر اپنے حیات کے دن پورے کرے سلطنت و حکومت کا وجود دنیا کا سخت مہلک مرض ہے نہ کہ دوا و علاج۔

تہور کا اثر | اسی طرح تو جب کہ ملک گیری و جہانداری کے لئے اس کی نمائش کی گئی ہو تو زمین کے بسنے والوں پر یہ قہر آسمانی ہے کوئی جماعت یا قوم یا شخص واحد جب کہ نشہ تہور سے مست ہو کر کسی آبادی کا رُخ کرے تو راحت و سکون درس و تدریس صنعت و حرفت شعبہائے معاشرت و تمدن اور آئین مذہب و ملت کا بیشمار انعاموں کے ساتھ ساتھ خون ہو جاتا ہے جس قدر نفوس شمشیر و سناں سے محفوظ رہے وہ جوش تہور سے ایسے پامال ہوئے کہ اب

آن کا سکون وحرکت فاتح ومنصور کے چشم وابرو کا مظاہر بن گیا فی الحقیقت جوش تہور بھی انسانوں کے غلام بنانے کا ایک دوسرا نام ہے اس لیے یہ دوسری قسم مرض کی ہے نہ کہ دوا و علاج -

علم کا اثر اب علم وفن کو لیجئے اگرچہ اس کا لباس بیدردی و بیرحمی کے نقش ونگار سے صاف معلوم ہو رہا ہے اس کی شکل وصورت سلطنت وتہور کی طرح خونخوار بھی نہیں اس کی سنجیدگی ومتانت میں دلکشی بھی پائی جاتی ہے لیکن باعتبار واقعہ یہ اپنے دونوں شریکوں سے کچھ کم جفا کار نہیں اعضا وجوارح پر جس بیرحمی سے ایک مستولی سلطان حکومت کرتا ہے قوائے ذہنیہ اور دماغیہ پر علم وفن اسی شدت سے اپنی فرماں روائی کرتے ہیں بلکہ اگر امعان نظر سے کام لیا جائے تو علم کی ہمہ گیری سلطنت وتہور سے کہیں زیادہ موثر ثابت ہوگی مال وزر عہدہ ومناصب امن وامان وازیں قبیل دیگر امور کا تعلق سلطنت وحکومت سے ہوا کرتا ہے بادشاہ انھیں چیزوں میں نرمی یا گرمی کرنے کا اختیار وقدرت رکھتا ہے لیکن وہ امور جن سے فی الحقیقت قوم قوم بنتی ہے وہاں حکومت وقوت دونوں بابریدہ و دست شکستہ ہیں قوم کی اخلاقی زندگی جو ہر طرح کی ترقیوں کا راز ہے قوم کا علمی شغف جس پر دارومدار فضیلت انسانی ہے قوم کے مراسم و دستور جس پر اقتصاد وتمدن کی بنیاد ہے اور سب سے بڑھکر قوم کی دماغی زندگی جس سے حوصلہ میں وسعت خیالات میں بلندی ضمیر میں روشنی پیدا ہوتی ہے ان سب کا سرچشمہ اہل علم کا گروہ ہوتا ہے -

مالکان قلم نے بارہا نبرد آزماؤں کے نیزوں کو شکست دی ہے ان کی سیف لسانی نے بارہا شمشیر زنوں کے منہ پھیر دیئے ہیں دور نہ جائیے ملک غیر اور عہد ماضی کی مثال نہ ڈھونڈھئے حالات حاضرہ پر ایک نظر ڈالئے آج ملک میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ نتیجہ ہے

صرف چند تعلیم یافتگان ملک کا۔

واقعات گزر رہے تھے لیکن ملک بے خبر تھا گلے پر چھری چل رہی تھی لیکن احساس مٹ چکا تھا جو کلوروفارم انھیں سُنگھایا گیا تھا اُس کی بیہوشی میں یہ مدہوش تھے چند تعلیم یافتہ اشخاص اُٹھے واقعات کی اصلی خون آلود شکل دکھائی ناظرین دیکھکر متاسف ہوئے اور دو آنسو غم کے بہائے لیکن تصویر دکھانے والوں نے انھیں دم لینے نہ دیا بلکہ کچھ اس طرح ان کے پیچھے پڑ گئے کہ اپنی بزم ماتم میں انھیں نوحہ خوان بنا کر چھوڑا۔

اب وہ باتیں جن کا خیال اگر وہم میں بھی گزر جاتا تو کئی کئی روز تک خوف و ہیبت سے نیند اُڑ جاتی بھوک ساقط ہو جاتی لیکن آج کا دن ہے کہ ہر کوچہ و برزن میں وہی ہولناک خیالات ایک ایک کے مُنہ پر آرہے ہیں کہنے والا کہتا ہے اور سُننے والے کو مزہ نہیں آتا سُن کر منہ بناتا ہے کہ پھیکا ہے بے مزہ ہے کچھ تلخی نہیں آخر یہ ماجرا کیا ہے ہندوستانیوں کے جذبات اکبارگی کیوں متغیر ہو گئے یہ علمی گروہ کی وہی زبردست حکومت ہے جس کی قوت نے اب ظہور کیا ہے۔

اگر پبلک کی آواز یا اُن کا اتفاق خیال چاہیئے تو تعلیم یافتہ گروہ کی ایک کافی مقدار کو اپنا ہم آہنگ بنا لیجئے پھر پبلک آپ کے ساتھ ہے۔

یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ عوام نہ اپنی رائے رکھتے ہیں نہ اُن کی کوئی آواز ہے ملک میں تعلیم یافتہ گروہ جب کسی خیال کی ترویج یا ہمہ گیری چاہتا ہے تو وہ اپنی تقریر و تحریر سے عوام میں اُسی خیال کو پیدا کر دیتا ہے وہ اپنے خیال کے صور کو اس بلند آہنگی سے پھونکتا ہے کہ عوام کے خیال اُسی کے خیال کا عکس اور عوام کی آواز اُسی کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔

اس وقت ہندوستان کا ہنگامہ بالکل اپنی مثال میں صحیح ہے خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کی

آواز اور ان کا جوش تو ہو بہو چند تعلیم یافتوں کے خیال اور آواز کا نور ہے اخلاق تہذیب اور مذہب اس بیدردی سے پارہ پارہ کئے جا رہے ہیں کہ شاید آئندہ کے لئے ایک تار بھی باقی نہ رہے گا۔

خلافت سے جنگ انگریزوں سی موالات اس اجمال کی ہم ایک مختصر تفصیل پیش کرتے ہیں اٹلی کی سلطنت حملہ آور ہوئی اور جنگ طرابلس شروع ہو گئی اُس وقت چند تعلیم یافتوں نے تحریک چندہ کی بنیاد ڈالی اور کا سلسلہ جنگ بلقان تک جاری رہا اسی اثنا میں اٹلی کا مال بائیکاٹ کیا گیا ترکی ٹوپیاں وہاں کی بنی ہوئی جن کے سروں پر تھیں اُنھیں آگ کے سپرد کیا گیا۔

قسطنطنیہ وفد طبیہ کے جانے کی تجویز پیش ہوئی اور کامیابی کے ساتھ یہ کام انجام تک پہونچا اس کے بعد خلافت اور اُس کی ہمدردی کی تحریکیں نسیاً منسیاً کر دی گئیں اب تعلیم یافتہ گروہ کی توجہ قسطنطنیہ سے منعطف ہو کر سیاست ہند کی طرف پلٹی پبلک کی توجہ بھی ادھر ہی مڑ گئی اٹلی و دیگر بلاد یورپ کا مال فروخت ہوتا رہا اور مسلمان بلا جھجک اُسے خریدتے رہے اور علماء کے فتاوے بائیکاٹ سے جو متعلق تھے جب تعلیم یافتوں کے آئین سے خارج کر دیئے گئے تو عوام نے بھی انھیں ردی میں ڈال دیا ہاں جو نغمہ تعلیم یافتوں نے چھیڑا تھا اُس راگ کو پبلک برابر الاپتی رہی اس عرصہ میں ترکی یا خلافت مٹتی رہی فنا ہوتی رہی لیکن کسی کی آنکھ نم بھی نہیں ہوئی طرفگی یہ کہ جب ہندوستانی فوجیں میدان جنگ میں بھیجی جانے لگیں تو ہندو اور مسلمان دونوں نے مل کر رنگروٹوں کی بھرتی میں پوری کوشش کی اب قرضہ جنگ کا چندہ ہوا دل کھول کر ہندو اور مسلمانوں نے روپیہ دیا تحریک ہوئی کہ دعائیں ہوں ہندو مندروں میں اور مسلمان مساجد میں جمع ہوئے اور یہ رسم بھی ادا کی گئی پھر تحریک ہوئی کہ آدر روڈ منایا جائے ملک کی دونوں بڑی آبادیوں نے مل کر جشن بھی منایا۔

سب سے بڑی روسیاہی یہ ہوئی کہ وفد طبیہ جب قسطنطنیہ جا رہا تھا تو سامان جراحی و لوازم شفاخانہ جس کی خریداری خالص اُس روپے سے ہوئی تھی جو محض مجروحین ترک ہی کے لئے جمع کیا گیا تھا آج اُسے وفد طبیہ کا صدر اُن دشمنوں کو بخشش کئے دیتا ہے۔ جو خلافت اور علم بردارانِ خلافت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لئے روانہ ہوئے ہیں۔

اس امانت میں خیانت کرتے ہوئے نہ تو عطا کرنے والے کو خوف الٰہی دامنگیر ہوتا ہے نہ اس وقت کے بے شمار مفتی و مجتہدوں میں سے کسی کو مسئلہ شرعی یاد آتا ہے نہ عوام ہی اسے کچھ معصیت سمجھتے ہیں۔

ہاں یہ بحث علما میں ضرور آئی کہ سلطنت کے اس قرضۂ جنگ کا سُود لینا مسلمانوں کو حلال ہے یا نہیں بعض علماء نے فتویٰ حلت کا دیا اور مثال اس جزئے سے لائے کہ ذی ثمر درخت میں سے اگر کوئی پھل ٹپک پڑے اُسے کوئی راہ رو اُٹھالے تو وہ پھل اُس کے لئے حلال ہے پس یہ سود و ربو نہیں سلطنت خود بخود بغیر مطالبہ دیتی ہے تو کیا وجہ جو مسلمان اس کے لینے سے پرہیز کریں۔

فوجوں کی بھرتی کا یہ حیلہ پیدا کیا گیا کہ سلطنت انگلستان حملہ آور نہیں ہوئی ہے بلکہ خود ترکوں کی جانب سے حملہ آوری ہوئی ہے ایسی صورت میں فوجی مدد ممنوع نہیں۔

غرض سخت سے سخت روسیاہ کن امور وقوع پذیر ہوتے رہے اور مسلمان نہایت اطمینان و سکون سے بیٹھے ہوئے تباہی کا نہ صرف تماشا دیکھا کئے بلکہ اپنے ہاتھ اور مال سے اُس میں شریک ہوئے اس عرصہ میں ہندوستان کی پالیسی میں ایک تغیر عظیم اتفاقی طور پر پیدا ہو گیا اور یہ رولٹ بل کے ثمرات تھے۔

اب تعلیم یافتوں نے غیر طلبی ہند کے لئے جو اپنی آواز اسلامی لحن میں بدل کر مسلمانوں کو

ماکار اتو سب کے سب خلافت خلافت پکارنے لگے۔

واقعہ کربلا سے مثال | کتب تاریخ میں واقعہ کربلا کے متعلق ایک روایت ہے کہ بعد شہادت شہزادۂ مظلوم حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ و دیگر اہلِ بیت و فدائیان اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین جب قافلہ اسیران اہلِ بیت کا اونٹوں پر روانہ ہوا تو جوق در جوق اہلِ کوفہ کا مکانوں کی چھتوں پر ہجوم تھا اس مقدس گروہ دودمانِ نبوت کو حالتِ اسیری اور بے سروسامانی میں دیکھ کر مرد و زن روتے جاتے تھے۔ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا خواہر امام علیہ السّلام اُن کوفیوں کی طرف ایک نظر ملامت و نفرت انگیز ڈال کر مستفسر ہوئیں کہ اے اہلِ کوفہ تم ہماری مظلومیت و بیکسی پر آنسو بہاتے ہو تو آخر میرے بھائی کو شہید کس نے کیا گلزار نبوت کو تاراج کرنے کی شقاوت و روسیاہی کس نے حاصل کی افسوس ہے تم پر اور تمہاری ہمدردی پر۔

یہی الفاظ آج خلافت کی زبان ہندوستانیوں کو کہہ رہی ہے مسٹر گاندھی جنھوں نے رنگروٹوں کی بھرتی و دیگر اعانت جنگ میں ایسی سرگرمی دکھلائی کہ بقول اُن کے "اُن کی صحت خطرناک مرض میں مبتلا ہو گئی"۔ خیر انھیں تو جانے دیجئے اس لئے کہ اسلام کا اضمحلال اگر کفر و شرک کا مقصود و مرغوب نہیں تو وہ کفر ہی کیا ہوا نہیں ان نوحہ خواں مسلمانوں سے پوچھئے اور علی الخصوص اُن علماء سے جن کا تقریباً آج کل روزنامچہ اخباروں میں چھپا کرتا ہے جن کی تعداد جمعیت اس وقت پانچ سو کہی جاتی ہے ان سے سوال کیجئے کہ جس وقت ہندوستانیوں کا خزانہ جا رہا تھا اور مسلمان چند سکہ چاندی کے لئے خلافت مٹانے کو جا رہے تھے تمہارے علم کو کیا ہو گیا تھا تمہاری جرأت کہاں سو رہی تھی تمہاری حق گوئی کس گوشہ میں چھپی ہوئی تھی تمہارا ایمان کس تہ خانے میں بند تھا تمہاری حریت اور تمہاری بیخوفی کہاں مدہوش غش کھائے پڑی تھی کیا تمھیں اُس وقت یہ حدیث یاد نہ آئی۔

(۱) من حمل علینا السلاح فلیس منا ؕ	(۱) جس نے ہم پر ہتیار اُٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ۔
(۲) من اشار الیٰ اخیہ بحدیدۃ لعنہ اللہ	(۲) جو اپنے مسلمان بھائی کی طرف لوہے سے اشارہ کرے اُس پر خدا کی لعنت ۔
(۳) لا یشیر احدکم علیٰ اخیہ بالسلاح ؕ	(۳) خبردار کوئی تم میں سے اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتیار سے اشارہ بھی نہ کرے ۔

اس معنی میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں اگر حدیث تم نے پڑھی نہیں یا موقع پر تمھیں یاد نہ آئی تو کیا تم تلاوت قرآن بھی نہ کرتے تھے کیا یہ آیۃ تمھاری تلاوت میں نہیں آتی تھی ۔

ومن یقتل مومنا متعمدا	جو مسلمان کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے
فجزاؤہ جہنم خالدا فیھا	تو اُس کی سزا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے خدا کا
وغضب اللہ علیہ ولعنہ	غضب اور اُس کی لعنت قاتل پر ہے اور ایسوں
واعد لہ عذابا عظیما ؕ	کے لیے بہت بڑا عذاب تیار ہے ۔

اسے بھی چھوڑ دو یہی آیتیں جنھیں ترک موالات کے لیے پیش کر رہے ہو کیا کل تک وہ بھی تمھیں یاد نہ تھیں لیکن

علماے حکومت ہند کی لیگ گروہ ناخدا ترس اے جماعت علماء سو یوں کہو کہ یہ احادیث اور یہ حکم الٰہی تو آج تک تمھیں نہ سنایا ہی اس لئے کہ تمھارا رہبر اور تمھارا مذکر تو گاندھی ہے آج تک اُس نے تمھیں یاد نہ دلایا تو پھر تمھیں یاد کیوں کر آئے اگر قرآن شریف یا کتب احادیث و سیر تمھارے رہبر و مذکر ہوتیں تو تمھیں سب کچھ یاد آجاتا فی الحقیقت تم معذور ہو تمھارا مرتبہ عوام کا ہے تمھارے دماغ علوم سے خالی تمھارے سینے جذبات سے کورے تمھارے قلوب دولت ایمان سے مفلس تمھاری زبانیں گنگ اور تمھارے اقلام خشک تم تو ایک قالب بیجان ہو جو تمھارے

لیڈر کہتے ہیں تم اُسی کی محاکات کر دیتے ہو اور اُن لیڈروں کا منبع فیض سرکار گاندھی اور اُن کی ہندو پارٹی ہے سلسلہ یوں ہی کہ ایک تحریک مسٹر گاندھی پیش کرتے ہیں تعلیم یافتہ مسلمان اُسے لبیک کہتے ہیں علماء سیاسی کا جبہ وعمامہ اُسے شرعی جامہ پہناتا ہے ان علماء کی یہ مجال نہیں کہ وہ بطور خود کوئی تحریک پیش کر سکیں یا کسی تحریک کے سامنے امنا وصدقنا کے سوا کوئی آواز بلند کرنے کی جرأت بھی کریں۔

ان علماء کا کیا ذکر خود اُس عالم کو لیجئے جسے لیڈروں نے شیخ الہند کا لقب دے کر ایک عجیب وغریب ہستی ثابت کیا ہے اُس کے قلم میں بھی یہ قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اُن افعال خبیثہ کی شناعت ومعصیت بتا سکے جسے موالات کفار میں علی التوالی والتواتر لیڈران مع گروہ مسلمین بار بار عمل میں لا رہے تھے مسئلہ قربانی گاؤ کے متعلق دبی زبان سے اتنا کہنے پائے تھے کہ مسلمانوں نے جو طریقہ انسداد قربانی کا ایجاد کیا ہے وہ مذموم ہے انھیں ایسا کرنا نہ چاہیئے تو لیڈروں نے وہیں زبان پکڑ لی اس آواز کو مردہ کر دیا گیا اور بادِ صحرا سے زیادہ حیثیت اس ہدایت کو نہ دی گئی نہ تو صحائف وجرائد ہی میں اس کی اشاعت عامہ ہوئی نہ لیڈروں کے رزولیوشن میں تغیر آیا نہ اپنی خطا وغلطی کا کسی نے اعتراف کیا۔ اگر کسی نے اُن کے شیخ الہند کا قول متعلق قربانی گاؤ یاد بھی دلایا تو ہنس کر ٹال گئے کہ یہ ناآشنائے حقیقت کہتا گیا ہے اس چودھویں صدی میں شریعت جب کہ تلقینات گاندھی کا نام ہے تو پھر شریعت اسلام کا ذکر ہی عبث ہے۔

قشقہ لگایا گیا علماء سیاسی خاموش رہے کافر کی ٹکٹی اُٹھائی گئی علماء سیاسی خاموش رہے کافر کا ماتم سر دپا برہنہ ہو کر کیا گیا علماء سیاسی خاموش رہے رام لچھمن پر پھولوں کا تاج رکھا گیا علماء سیاسی خاموش رہے گاندھی کی جے پکاری گئی گئو ماتا کی جے بلند کی گئی علماء

سیاسی خاموشی ہی حد یہ کہ گاندھی کو کہا گیا کہ اگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو گاندھی نبی ہوتا علماء سیاسی اب بھی خاموش رہے اس خاموشی سے شیخ الہند بھی مستثنےٰ نہ ہو سکے اگرچہ خادمان اسلام تقریراً و تحریراً انھیں اعمال کفریہ پر بیدار بھی کرتے رہے لیکن پھر بھی کسی عالم سیاسی میں اتنی جرأت نہ ہوئی جو وہ چالیس اعمال و اقوال کفریہ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی اپنے قلم کو جنبش دیتا تا آنکہ بماہ نومبر ۱۹۲۰ء دہلی میں جلسہ جمعیۃ العلما منعقد ہوا وہاں یہ مسائل کسی نے پیش بھی کئے لیکن یہ کہکر کہ مصلحت وقت اس کی مقتضی نہیں بات ٹال دی گئی حالاں کہ اس اجلاس کی کرسی صدارت ایک عالم ہی کی نشست کا فخر رکھتی تھی ہاں مسٹر شوکت علی نے ایک مذاق ضرور کیا کہ بجب عادت قدیم مزاح میں ایک تقریر فرمائی جس میں تلک کی ٹکٹی اٹھانے پر ظریفانہ جملوں میں توبہ کی گئی تھی شاید یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ ان کا فعل مسلمانان ہند کا فعل اور ان کی توبہ مسلمانان ہند کی توبہ لیکن ستم ظریفی یہ ہوئی کہ بعض نا آشنا متعصب ہندو مذاق کو حقیقت سمجھے اور اپنے اخبارات میں خوب غیظ و غضب کے مضامین شائع کئے لیکن یہاں سے سکوت رہا اس لئے کہ جو مقصد تھا وہ حاصل ہوچکا تھا بات رفع دفع ہوگئی لیکن علماء سیاسی کے سکوت میں اب بھی فرق نہ آیا جمعیت کے پانچسو علماء میں سے کسی ایک میں بھی اس کی ہمت نہ ہوئی کہ مسٹر شوکت علی کے پر مذاق توبہ کے دامن میں پناہ گزیں ہو کر ان اعمال و اقوال کفریہ کے متعلق جن کی تعداد تقریباً چالیس سے بھی متجاوز ہی کسی ایک قول یا ایک فعل کی بھی شناعت بیان کر دی یہ ہر اس و سکوت علماء سیاسی کا ان مسائل کے متعلق ہی جن سے ہندوؤں کو کوئی شغف نہیں یہ تو محض لیڈروں کا جوش کفر پرستی ہے رہا وہ مسئلہ جس کا استیصال مسٹر گاندھی چاہتے ہیں یعنی گائے کی قربانی اس کے متعلق اگر علماء سیاسی خاموش رہتے تو یہ ناقابل

خود گناہ نہ معلوم اُنھیں کیا سے کیا بنا دیتا لہذا اس پر فتوے ہوئے مضامین لکھے گئے رسائل تصنیف کئے گئے اور یہ عجیب تماشا دکھایا گیا کہ گزشتہ سال تک گائے کی قربانی ہندوؤں کے وید اور شاستر سے ثابت کی جاتی تھی لیکن جب ایک فرقہ کے امام مسٹر گاندھی ہوئے تو اُن کے گروہ کو اب عدم جواز قربانی گاؤ قرآن و حدیث سے معلوم ہونے لگا۔

حقیقت یہ ہے کہ علماء اور اُن کے متبعین جب غالب ہوتے ہیں تو عوام اگر دین کے خلاف کوئی کلمہ نکالنا چاہتے ہیں تو غالب گروہ اُن کا گلا دبا دیتا ہے لیکن جب عوام غالب ہوتے ہیں اور علماء اور اُن کے متبعین مغلوب تو عالم جب کوئی بات دین کی کہنا چاہتا ہے تو غالب گروہ یعنی عوام علماء کا گلا دبا دیتے ہیں یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حدیث شریف میں دی گئی ہے۔

جمعیت اسلامی کی تخریب | دوستو یہ واقعات و حقائق ہیں دشنام دہی ہے وہ رو سیاہی کیوں کٹ جائیگی جو موالات کفار کی وجہ سے تمام نوکھے دینداروں کے چہرہ پر چڑھ رہی ہے علماء سیاسی جس بے حسی کے ساتھ لیڈروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہیں وہ ان کی ایک ایک حرکت سے نمایاں ہے جمعیت کے جس عالم نے اپنے ایمان پر بہت بڑا احسان کیا اُس نے یہ کہا کہ ہم سیاسیات میں مسٹر گاندھی کی پیروی کرتے ہیں اُن کا کہا مانتے ہیں لیکن مذہبی امور میں ہم ہرگز اُن کی بات نہ مانیں گے نہ اپنا مذہب چھوڑیں گے نہ احکام مذہبی میں کوئی تغیر و تبدل کریں گے یہ کہا اور اپنے قوت ایمان کا متعدد اخبارات میں خوب ڈنکا بجایا۔

حالاں کہ جمعیت میں جو عالم شریک ہو جائے اُس کی خالص توحید صلابت ایمان شیفتگی اسلام اور اخلاص عمل کے متعلق جملہ اوہام و شکوک کا استیصال ہو جاتا ہے نہ معلوم اراکین جمعیت کو اس کہنے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی۔ جن اعمال و اقوال کا اس نئے دور میں

ایجاد ہو رہا ہے وہ اس امر کی کافی دلیل ہے کہ یا قرن اولیٰ میں ایسے علماء ربانی پائے جاتے تھے یا پھر اس مجلس میں جسے جمعیۃ العلماء کا لقب دیا گیا ہے۔

علماء جمعیت ناحق اس کے باور کرانے کی کوشش فرماتے ہیں یہاں شبہ کسے ہوا تھا جو آپ نے دفع دخل مقدر کی زحمت اٹھائی خود آپ کی تحریریں اور آپ کے متبعین کے افعال و حرکات آپ کے ایمان و اسلام کا آئینہ ہیں۔

اسلام نے اپنے متبعین کو کفار سے بیگانگی کا حکم اس تاکید و مبالغہ سے دیا تھا کہ معاشرتی امور میں بھی یہ ہدایت کی گئی تھی کہ کفار کی تقلید اس میں بھی نہ ہونے پائے وضع لباس شکل و صورت ماکل و مشارب سلام و تحیۃ تعزیۃ و تہنیت غرض جملہ شعبہائے حیات مسلم تقلید کافر سے مصوٗن و محفوظ رہے چنانچہ آج تک مسلمان یہی جانتے تھے اور بقدر توفیق اسی پر اُن کا عمل بھی تھا لیکن اس دَوْر میں مسلمانوں کی عصبیت اس طرح فنا کر دی گئی کہ معاشرتی و تمدنی امور کا کیا ذکر دینی امور میں کفار کی تقلید کمال ارادت و عقیدت سے ہونے لگی اور اسے ایمان و اسلام کا لقب عطا کیا گیا۔

کہنے والا منہ بھر کر کفر کا کلمہ کہتا ہے سامع اُسے سنتا ہے اور جوش طرب میں آکر رقص کرتا ہے علماء سیاسی دیکھتے ہیں سنتے ہیں لیکن کہیں اپنے سکوت کہیں اپنی مداہنت اور کہیں اپنے فتاوے سے ایجاد کفر و تکرار کفر پر ترغیب و تحریص دیتے ہیں یہ وہی زمانہ ہے جس کے متعلق مسلم شریف میں روایت موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی آخر الزمان
دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث

حضرت ابی ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں جھوٹے دجال تمہارے
پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جنھیں نہ تم نے کبھی سنا ہوگا

بما لم تسمعوا انتم ولا آباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم ؎

نہ تمہارے باپ کے کان آشنا ہوئے ہوں گے اپنے کو اُن سے اور اُن کو اپنے سے بچانا خبردار وہ تمہیں گمراہ نہ کرنے پائیں اور نہ تمہیں فتنہ میں ڈالیں۔

جس مسلمان میں ایک ذرہ ایمان کا باقی ہے وہ دیکھ لے کہ یہ زمانہ وہی زمانہ ہے یا نہیں دیکھو ہندوؤں کے متعلق جس قدر احادیث وآیات قرآنیہ آج پیش کی جا رہی ہیں اس سے مسلمانوں کے کان کبھی آشنا ہوئے تھے تاریخ کی کتابیں موجود ہیں ہمیں بتاؤ کس عہد میں ہندوؤں کو مسلمانوں نے اپنا رہبر بنایا تھا مسلمانوں نے ہندوستان پر سات سو برس تک فرماں روائی وجہاں بانی کی ہے ہزاروں علماء اس خاک ہند سے پیدا ہوئے لیکن اس کا پتہ بتاؤ کہ کس صدی کے علماء نے کفار ہند کو اہل کتاب قرار دیا رام لچھمن پر پھولوں کا تاج مسلمانوں نے کس زمانے میں رکھا آج سے پیشتر جس قدر علماء کرام گزرے اُن کی تصانیف یا اُن کے حالات زندگی میں کہیں اس کا سراغ ملتا ہے اس طرح ہندو پرستی تو اسی صدی کے مدعیان علم کے لئے مخصوص تھی تاکہ مخبر صادق کا ایک ایک حرف صحیح ہو جائے۔

نبوت و سلطنت کا فرق بہرحال اس بحث کو چھوڑ کر اصل مدعا کی طرف آئیے کہ ایک مستولی بادشاہ ایک نبرد آزما فاتح یا ایک صاحب علم وفن ان سب کی حکومت دنیا کے لئے موجب ہلاکت وبربادی ہے اس لئے کہ ان سب کا نصب العین انسان کے جذبات وقوائے دماغیہ کا اپنی تحقیقات واختراعات یا اپنے اختیارات وقدرتوں میں جذب کر لینا ہے لیکن نبوت ورسالت کا نصب العین انسان کو ہر طرح کی غلامی سے آزاد کرنا قوانین انسانی کی بندش سے رہا کرنا اور تقرب الی اللہ کا راستہ بتانا ہوتا ہے اللہ کے بندوں پر اللہ ہی کی حکومت ہوتی ہے اُس کے خلق کئے ہوئے اعضاء وقوا اُسی کے فرمان کے بموجب حرکت کرتے ہیں

نشو و نما پاتے ہیں خلاصہ یہ کہ انسان پر اُس کے خالق کی حکومت ہوتی ہے نہ کہ خود انسان ہی کی۔ قانون الٰہی یعنی کتاب آسمانی جو پیغمبر اپنے رب العالمین کی طرف سے لاتا ہے اُس کا نشر و تبلیغ اور اسی کے ماتحت انسان کے سارے شعبہائے زندگی کی تعلیم اس کا مقصد ہوتا ہے قوانین الٰہیہ کی حکومت اور اس کے ماتحت زندگی بسر کرنے میں کوئی فرق نہیں ہوتا شخص خواہ مفلس ہو یا سلطان ذی جاہ بدوی ہو یا متمدن جاہل ہو یا علامہ الٰہی کی حکومت سب پر یکساں ہوتی ہے ہر ایک مسلمان اس واقعہ سے آگاہ ہے کہ فاروق اعظم جیسا جلیل الشان خلیفہ جب کہ ایک مجمع عام میں جمعہ کے روز خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے اسمعوا واطیعوا مسلمانوں سنو اور کہا مانو تو ایک شخص کھڑا ہو کر بید ھڑک کہدیتا ہے لا اسمع ولا اطیع نہیں سنوں گا نہ کہا مانوں گا سوال ہوتا ہے کہ اس اعراض کی علت کیا جواب ملتا ہے کہ تقسیم کے وقت جو حلہ تمہارے حصہ میں آیا تھا وہ عبا کے لئے ناکافی تھا تم نے اپنی عبا کہاں سے پوری کی فاروق اعظم کے بیٹے کھڑے ہو کر گواہی دیتے ہیں کہ میں نے اپنا حصہ باپ کی نذر کر دیا تھا اس شہادت کے بعد معاملہ طے ہو جاتا ہے اور معترض مطمئن ہو کر یہ کہتا ہوا بیٹھ جاتا ہے الآن اسمع واطیع اب سنوں گا اور کہا مانوں گا اسی روایت سے قانون الٰہی اور قانون شاہی کا فرق تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا لیکن مزید اطمینان کے لئے ایک اور واقعہ یاد کرو فاروق اعظم کے ایک بیٹے پر ایسی خطا ثابت ہوتی ہے جس سے تعزیر شرعی اُن پر لازم آتی تھی فاروق اعظم بمجرد استماع جرم مکان تشریف لے جاتے ہیں بیٹے کو دستر خوان پر سے اُٹھا کر کشاں کشاں مجمع عام میں لاتے ہیں حد شرعی جاری ہوتی ہے ہنوز ضرب تازیانہ کی تعداد پوری نہیں ہوئی ہے جو بیٹا پیاس سے بیتاب ہو کر پانی مانگتا ہے باپ اور بیٹے کی گفتگو حد شرعی کے

الفاظ میں سنئے۔

حتی بلغ سبعین فقال یا ابتِ اسقنی شربۃ من ماء فقال یا بنی ان کان ربك یطهرك یسقیك محمد صلی اللہ علیہ وسلم شربۃ لا تظمأ بعدھا ابدًا یا غلام اضربہ ؕ

جب ستر کوڑے مارے جاچکے تو بیٹے نے کہا اے باپ تھوڑا پانی پلا دیجے فاروق اعظم نے فرمایا اے بیٹا اگر خدا نے تجھے گناہ سے پاک فرمادیا تو جنت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں سے تجھے ایسا جام پلائیں گے کہ جس کے بعد تو کبھی پیاسا نہ ہوگا یہ جواب دے کر غلام کو حکم دیا کہ ہاں کوڑے کی ضرب پوری کرو۔

جب بیٹے کی حالت بہت ہی زار ہوگئی تو اُس وقت باپ بیٹے میں جو وداعی گفتگو ہوئی ہے اُسے بھی سنئے۔

حتی بلغ ثمانین فقال یا ابتِ السلام علیك فقال وعلیك السلام ان رایت محمدًا فاقرہ منی السلام وقل لہ خلفت عمر یقرء القرآن و یقیم الحدود یا غلام اضربہ ؕ

جب اسی کوڑے پڑچکے تو بیٹے نے کہا کہ اے باپ السلام علیک رخصت ہوتا ہوں۔ فاروق اعظم نے فرمایا وعلیک السلام اے بیٹے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدمبوسی نصیب ہو تو عرض کرنا کہ آپ نے عمر کو چھوڑا وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور حدودِ شرعیہ کو قائم کرتا ہے اس کے بعد غلام کو حکم دیا کہ ہاں حد پوُرا کیا جائے۔

پہلے واقعہ میں خود ذات امیر المومنین پر احتساب بھرے مجمع میں کیا گیا ہے اعتراض ایسا خفیف ہے کہ امیر المومنین کی ذات اور شان کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ ایسی ضعیف جرح کی حاجت ہی کیا تھی رعب شاہی اور داب جہانداری ایسے معترض کو

گردن زدنی بتائے گا لیکن درگاہ نبوت کا تعلیم یافتہ جیں بہ جبیں بھی نہیں ہوتا مدعا خطبہ موقوف کر دیتا ہے اور مدعا علیہ کی حیثیت سے صفائی کا گواہ جب پیش کر لیتا ہے اور معترض مطمئن بھی ہو جاتا ہے تب خطبہ شروع کرتا ہی پھر یہ بھی دیکھو کہ آیندہ زندگی میں بھی کہیں اس کا گلہ اور شکوہ نہیں آتا۔

دوسرا واقعہ حکم الٰہی کی ہمہ گیری کی ایک عجیب مثال ہی امیر المومنین ہی اگر چاہتا بیٹے کے لئے کوئی سبب پیدا کر دیتا لیکن نہیں جذبۂ احتساب کی یہ شدت ہی کہ مجرم کو پانی دینے کی بھی رعایت گوارہ نہیں ذرہ نظر بلند کیجئے اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کو دیکھئے بیشمار مثالیں اس کی تمہیں ملیں گی جس سے فرق ملک گیر اور نبی کا روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا محض تبرکاً و تیمناً میں دو واقعوں پر اکتفا کرتا ہوں جنگ بدر کا موقع ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی صف جہاد فی سبیل اللہ کے لئے آراستہ فرما رہے ہیں سواد بن غزیہ صف سے آگے نکلے ہوئے ہیں اُن کے پیٹ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر کی لکڑی سے چوکا دے کر فرمایا کہ صف میں داخل ہو سواد عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ مجھے آپ نے تکلیف پہونچائی اس کا عوض دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتہ شکم مبارک سے اُٹھا دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہاں عوض لے لو سواد شکم مبارک کو بوسہ دیتے ہیں اور جسم اطہر سے لپٹ کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ بے ادبی معاف ہو معرکہ سخت ہی دشمن کی فوج بیکراں پیش نظر ہی ہو سکتا ہی کہ میرا رب مجھے مرتبہ شہادت عطا فرمائے تو اُس کے جناب میں ایسا جسم لے کر پہنچونگا جو اُس کے حبیب کے جسم سے مس ہوا ہی اسی کی برکت سے رحمت و مغفرت کی اُمید ہی کیا ایک سپاہی اپنے بادشاہ سے محضر عام میں ایسا کہنے کی مجال رکھتا ہے کیا ایک

بادشاہ اس طرح حق العباد ادا کرنے پر اس خندہ پیشانی کے ساتھ آمادہ ہو سکتا ہے کبھی نہیں اور ہرگز نہیں۔

دوسرا واقعہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ آخری وعظ ہے جو آپ نے مرض وفات میں ارشاد فرمایا ضعف کا استیلا ہے سر میں درد اس شدت کا ہے کہ پٹی سے سر مبارک باندھ دیا گیا ہے اسی حالت میں مسجد نبوی میں تشریف لا کر ممبر کو زینت وسعادت دی جاتی ہے اُمت اپنے پیغمبر کی آخری وصیت سننے کے لئے جوق در جوق جمع ہو رہی ہے جب مسلمان جمع ہو کر ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اُس وقت ارشاد ہوتا ہے کہ اگر میں نے کسی کو مارا ہو تو آج وہ شخص اپنا عوض لیلے اگر کسی کو گالی دی ہو تو وہ بھی اپنا عوض پورا کرے اگر کسی کا قرض ہو تو وہ اپنا مطالبہ پیش کرے حاضرین میں سے ایک شخص تین درہم کا مدعی ہوتا ہے جو علی الفور ادا کیا جاتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر کا حقوق العباد کے متعلق اس طرح کہنا محض زبانی نہ تھا بلکہ عملاً اُسے کر کے دکھا دینا تھا کہ جن احکام الٰہی کو اُمت تک پہونچایا گیا ہے خود پیغمبر کی زندگی انھیں احکام کی کس قدر تابع و مطیع ہے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

دل چاہتا تھا کہ اس مبحث کو اور کھول کر بیان کرتا اپنے آقا اپنے مولیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھنے کی سعادت حاصل کرتا لیکن اس وقت چونکہ کفار و مشرکین سے موالات کرنے والوں کی ہدایت منظور ہے اس لئے اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور لیڈران قوم سے نہایت عاجزانہ التماس کرتا ہوں کہ ایک سیاست اسلامی ہے اور ایک سیاست یورپ دونوں میں فرق آسمان وزمین کا ہے سیاست اسلامی عین دین ومذہب ہے اور سیاست یورپ سرتاسر کید وحیل۔

عود الی المقصود ہو سکتا ہے کہ تمہاری تحریک نان کوآپریشن اصول یورپ کے موافق تمہیں کامیابی کا یقین دلاتی ہو لیکن یہ کیا ستم ہے کہ تم اسے تعلیم دینی و مذہبی قرار دے کر سیاست اسلامی کو داغدار بنا رہے ہو ملک گیر اور داعی الی اللہ کا فرق مٹا رہے ہو وہ اصول جسے ایک ملک گیر اپنے دشمن و مقابل کے حق میں روا رکھتا ہے تم اُسے تعلیم قرآن قرار دیتے ہو۔

فقیر کی یہی عاجزانہ التماس ہے کہ مسائل کی صورت مسخ نہ کیجئے شریعت کو یورپ کی پالیسی کا مرادف قرار دے کر اپنے ہاتھوں کا کھلونا نہ بنایئے جو کچھ تمہیں کرنا ہو اُس کو شوق سے کرو روکنے والا کون ہے لیکن خدا کے لئے دین اسلام کو ذبح نہ کرو اپنے عروج اور چند روزہ عزت و وجاہت کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف نہ کرو اسلامی مسائل کو اپنے حرص و آز کا شکار نہ بناؤ۔

جنگ بدر اور فتح مکہ کے واقعات گزر چکے خلافت فاروقی اور عہد نبوت کے بعض حالات بھی پیش کئے جا چکے اس پر بھی اگر تمہیں بادشاہت و نبوت میں فرق نہ معلوم ہو اور نان کوآپریشن و ترک موالات میں تم تمیز نہ کر سکو تو پھر تمہارے ایمان پر انا للہ وانا الیہ راجعون تلاوت کرنا چاہیئے۔

دوستو خدا کے واسطے اپنی جانوں پر رحم کرو اپنے اعمال قبیحہ اقوال کفریہ اور تحریف مسائل شرعیہ سے توبہ کرو ایمان کی حقیقت سمجھو اور اُس کی قدر پہچانو خدمت اسلام کا خدام اسلام سے طریقہ سیکھو مسٹر گاندھی اور ان کے ہنود پارٹی کا جام ولاکب تک پیتے رہوگے

دنیا چند ست آخر کار با خدا وند ست۔

ایک اور شبہ کا ازالہ اس جگہ ایک یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ تحریکات جب کہ تحت احکام شرعیہ نہیں اور وہ امور جنھیں ترک موالات کہا جاتا ہے وہ ہرگز داخل موالات نہیں تو پھر آخر اس کی

کیا وجہ جو یہ تحریک عالم گیر ہو رہی ہے۔

اس شبہ کے دو جواب ہیں ایک کو مجمل اور دوسرے کو کسی قدر مفصل بیان کرتا ہوں پہلا مجمل جواب تو یہ ہی کہ اس تحریک میں حکومت و بادشاہت کی چاشنی دی گئی ہے مسلمانوں کو دینی زندگی اور اسلامی اخلاق سے بیگانہ وشی اور دنیا طلبی میں غلو و انہماک تو تھا ہی اُس پر جو حکومت کا سبز باغ لیڈروں نے دکھایا تو سب کے سب اس طرف ٹوٹ پڑے چھوٹوں کو بڑوں پر جاہلوں کو عالموں پر فساق کو پرہیزگاروں پر مُنہ آنے اور گالیاں دینے کا ایسا موقع کب ملا تھا خود بینی و خود رائی اور رواج کی دلکشی ہے جس نے اس تحریک کو عالم گیر بنا رکھا ہے اس وقت اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہی کہ خود حکومت ہند نے اپنے انداز حکمرانی سے ہندوستانیوں میں ایسا مادہ پیدا کر دیا ہی کہ ایک ادنیٰ اشارہ انھیں برانگیختہ کر دینے کے لئے کفایت کرتا ہے تفصیل اس کی یہ ہی۔

حکومت سے عام گلہ حکومت کے لئے جہاں سیاست کا جزبت ضروری ہی وہاں عدالت کا عنصر اس سے بھی زیادہ اہم و ضروری ہی شششہ کے بعد سے جس طرح کہ حکام ہندوستان میں آتے رہے اُن کی طرز عملداری میں سیاست کا جز اس قدر غالب ہوتا گیا کہ رفتہ رفتہ عدالت کا عنصر معدوم ہو گیا ہندوستانی آخر انسان تھے جب ضبط کا یارا نہ رہا تو ان سے فریاد کی آوازیں بلند ہونے لگیں اسی بزم فغاں کا نام کانگریس پنڈال ہی۔

فقدان عدالت کی توضیح اس سے ہوتی ہی کہ ہندوستان کی آبادی اگر تقسیم کی جائے تو باستثنار بعض پانچ قسموں پر منقسم ہو گی تعلیم یافتہ ملازم پیشہ مزدور پیشہ زمیندار اور کاشتکار

تعلیم پانے والوں کو یہ شکایت رہی کہ طریقہ تعلیم نصاب تعلیم اور معیار امتحان ایسا تباہ کن ہے

کہ یونیورسٹی سند فراغ جب ایک ہاتھ میں دیتی ہے تو اُسی کے ساتھ صحت جسمانی و دماغی بھی الوداعی مصافحہ کرتے ہوئے رخصت ہو جاتی ہی دولت کا ایک کثیر حصّہ عمر کا بیش بہا زمانہ تعلیم کی نذر ہو جاتا ہے اور پھر بھی قابلیت و استعداد سے ذہن نا آشنا و بیگانہ ہی رہتا ہی طرفگی یہ کہ ان نقائص و شدائد کے ساتھ عمر کی پابندی ایک بلا انگیز بند و قید ہی سولہ برس سے کم عمر والا میٹرک میں شریک نہ ہو اور جس کی عمر پچیس برس سے متجاوز ہو جائے وہ صیغۂ ملازمت کی اُمید نہ رکھے تعلیم کا ایسا طریقہ رکھا گیا کہ بجز دفاتر کی محرری اور پیشی کے کسی اور کام کا سلیقہ ہی نہ آیا۔

امتحانات کی سختی کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ سینٹ ہال الٰہ آباد میں طالب العلم داخل ہوتا ہی پرچہ سوال کا ہاتھ میں لیتا ہی محنت سے خستہ دماغ پر ایسا زور پڑتا ہے کہ دفعتہً پاگل ہو جاتا ہے اسی دیوانگی میں دو تین روز زندہ رہکر مر جاتا ہے اس طرح کا واقعہ مکرر ہوتا ہے لیکن یونیورسٹی کا ظالم و خونخوار دیوتا رحم کی طرف مائل ہوتا نہیں جانتا وہ طلبہ جو اپنی آنکھوں کو رو بیٹھے یا وہ انگریزی خواں جن کا پھیپھڑا زخمی ہو گیا یا جنھیں ضعف معدہ نے گوشۂ گمنامی و ناکامی میں بٹھا دیا اُن کا وجود شہر کے ہر محلہ میں موجود ہے تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے چلاتے ہیں لیکن ان کی آواز کی شنوائی نہیں ہوتی۔

نہ نصاب تعلیم ایسا رکھا جاتا ہے جس کا پڑھنا اور یاد کرنا سہل ہو نہ طریقۂ تعلیم میں وہ شان پیدا کی جاتی ہی جس سے طالب العلم میں صحیح استعداد و قابلیت پیدا ہو نہ نوعیت امتحان میں تغیر آتا ہے جس سے ہندوستانیوں کی صحت کو اماں نصیب ہو یونیورسٹیوں کا جب یہ بیداد ہو تو پھر تعلیم یافتہ جماعت گلے کیوں لبریز نہو (۲) پچیس برس کے اندر جس خوش نصیب نے یونیورسٹی کے دست تطاول سے فراغت پائی تو اُس نے ملازمت کی سلسلہ جنبانی شروع

کی رہی سہی ہستی خاک میں ملاتے ہوئے جب کسی عہدہ کا منہ دیکھنا نصیب ہوا تو اس حالت میں گزر کرنے لگے کہ نہ پیٹ بھر کھانا نہ راحت رساں لباس تنخواہ ماہ بماہ ملتی ہے لیکن باوجود انتظام بیس روز سے زیادہ کفایت نہیں کرتی اُس پر کام کا یہ عالم کہ باوجود اس کے کہ سارا دن کچہری میں صرف ہوا پھر بھی شام کے وقت بستہ دبا کر گھر پہنچے عافیت وراحت کے عوض چراغ کے سامنے دیدہ ریزی و دماغ سوزی ہو رہی ہے یہ وجہ ہے کہ دو آدمیوں کا کام ایک کو انجام دینا پڑتا ہے اور ایک کی تنخواہ دو آدمیوں کو ملتی ہے رشوت ستانی اور خامی اخلاق کی یہی تنگدستی بنیاد ہے اسی کے ساتھ اس قدر اور شامل کر لیجئے کہ اعلیٰ عہدہ ومنصب اور ایسے امتحانات کی سندیں جن سے اعلیٰ عہدہ کا استحقاق ہو ہندوستان اور ہندوستانیوں کے لئے ممنوع رہا انصاف شرط ہے کہ ایسی صورت میں ملازم پیشہ اپنے سینہ میں وسعت کہاں سے لائے۔

(۴و۵) زمینداروں کا یہ حال ہے کہ قانون کی بندش میں ایسے جکڑ دیئے گئے ہیں کہ کاشتکاروں سے کچھ بول نہیں سکتے رعایا ہر کہ سر پر چڑھی آتی ہے اُس پر تحصیلدار اور نائب تحصیلدار کا دورہ اور بھی زمینداروں کو پیٹے ڈالتا ہے جہاں تحصیل کا دستور نہیں بلکہ بندوبست دوام ہے وہاں سروے بھیجکر زمینداروں کو خستہ وشکستہ کر دیا گیا۔

قانون ایسے پریچ بنائے کہ کاشتکار زمیندار سے اور زمیندار کاشتکار سے برابر گتھا رہے کچہریوں کی ساری رونق زمینداروں اور کاشتکاروں کے تنازعات کی بدولت ہر اسی تنازع کا نتیجہ ہے کہ نہ کاشتکار راحت ورفاہیت کی زندگی بسر کرتا ہے نہ زمیندار چین سکھ سے بیٹھنے پاتا ہے اس بے چینی اور بدمزہ زندگی نے زمیندار اور کاشتکار دونوں کو بددل بنا رکھا ہے۔

علاوہ ازیں روزمرہ کے معاملات میں ہندوستانیوں سے ایسا ذلیل وخوار برتاؤ کیا جاتا ہے کہ جذبہ غیرت جل کر خاک سیاہ ہو جاتا وہ اجتماع جس کی غایتہ ہم نوالہ وہم پیالہ ہونا ہے اُس میں بھی تلخی وخشکی ایسی ہوتی کہ لقمہ گلوگیر ہو جاتا ریل کا سفر جس میں ہر ایک مسافر کی حیثیت مساویانہ ہوتی ہے وہاں بھی تفضیح وتوہین کا عمل بکثرت پیش آیا کیا غرض رعب وداب قایم رکھنے کے لئے اس افراط سے کام لیا گیا کہ یونین کی ہر ادا اس کا مبلغ درس دیتی تھی کہ تم جب ہندوستانی ہو تو پھر تمہیں قالب بیجان ہو کر میری غلامی کرتے زندہ رہنا چاہیئے یہ تسلیم کہ تم نے یونیورسٹی کی سند حاصل کر لی انگلینڈ بھی ہو آئے بیرسٹری کی سارٹیفکٹ ودیگر علمی سندیں بھی یورپ کی یونیورسٹیوں سے حاصل کر لیں لیکن آخر ہو تو ہندوستانی لہذا اپنے احساسات وحیات کا ہمارے سامنے نام لینا جرم عظیم سمجھو والیان ملک کے ساتھ قطع نظر دیگر حالات صرف ریزیڈنٹ صاحبوں کے غیرت سوز رویہ تھا ہی ہر خوشگواری کے منقطع کر دینے کے لئے کافی تھے یہ حالات وواقعات ایسے نہ تھے جو عام بے چینی پیدا کئے بغیر رہ سکتے - جب ضبط کا یارا نہ رہا تو کانگریس میں رزولیوشن پاس ہونے لگے اور ہندو اخبارات اُس کی تائید ونشر میں معین ومددگار ہوئے اگرچہ چشم نمائی کا سلسلہ مسلسل جاری رہا لیکن کانگریس کی الاپ بڑھتی ہی گئی واقعہ پنجاب سے نوبت یہاں تک ہو پہنچی کہ سر نہیں یا سر وہی نہیں۔

مسلمانوں کا مخصوص گلہ مذکورہ بالا شکایتیں ایسی تھیں کہ جن میں ہندو اور مسلم دونوں قومیں بحیثیت مساوی فریادی وماتمی تھیں لیکن مسلمانوں کی افسردگی کے وجوہ کچھ ان سے ماوراء بھی ہیں۔

(۱) ہندوؤں نے کانگریس قایم کی گورنمنٹ کا منشا اس کے خلاف تھا مسلمانوں نے گورنمنٹ کا ساتھ دیا اور نہایت زور وقوت سے کانگریس کی مخالفت کی جس کا یہ اثر تھا کہ

کانگریس کا پنڈال ہمیشہ مسلمانوں سے خالی دکھائی دیا۔

(۲) گورنمنٹ نے تحفظ ہند وغیرہ کے نام سے جس قدر قانون وضع کئے ہندوؤں نے مخالفت کی مسلمانوں نے گورنمنٹ کی تائید میں اپنی آوازیں بلند کیں عام مسلمانوں کو سمجھایا کہ قانون کی سختی سے وہ ڈرے جس کے دل میں چور ہو تم خاموشی سے اپنے کام میں لگے رہو آں راکہ حساب پاک ست از محاسبہ چہ باک۔

(۳) گورنمنٹ نے قانون مطابع پاس کیا ہندوؤں نے مخالفت کی مسلمانوں نے یہاں بھی تائید ہی کی لیکن ان سارے موافقات و تائیدات کا صلہ یہ تھا کہ اخبارات ان کے بند ہوئے مدیران کے قید ہوئے ضمانتیں ان کی ضبط کی گئیں حقوق ملکی میں یہ پس پشت ڈالے گئے

(۴) ان سب سے بڑھکر مسجد کانپور کا واقعہ ہے جس میں مسلمانوں کی مذہبی توہین کی گئی مسٹن صاحب اپنے نام سے ایک سڑک بنانا چاہتے ہیں اس کے وسعت و استوار کے لئے مسلمانوں کی مسجد شہید کر دی جاتی ہے۔

مسلمانان ہند نے اپنی فریاد لندن تک پہنچائی لیکن مسٹن صاحب کی ضد کچھ ایسی نہ تھی جو مسلمانوں کی فریاد کی شنوائی ہوتی یہ معاملہ کس قوم کے ساتھ ہوا اور اس نے کیا اثر پیدا کیا اس کے لئے صفحات تاریخ میں سے اس واقعہ کو پڑھ لیجئے۔

جامع مسجد دمشق سے متصل ایک گرجا تھا جس کا نام یوحنا کا گرجا تھا امیر معاویہ کے زمانہ میں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ گرجا مسجد میں شامل کر لیا جائے دربار خلافت نے عیسائیوں کو طلب کیا وہ دینے پر راضی نہ ہوئے ضرورت ملتوی رکھی گئی۔

عبدالملک بن مروان نے اس ضرورت کو اپنے عہد میں پورا کرنا چاہا درخواست کے ساتھ رقم کثیر بھی ان کے سامنے پیش کی لیکن عیسائی پھر بھی راضی نہ ہوئے ضرورت

ملتوی کر دی گئی۔

اب زمانہ ولید کا آیا اس نے بھی زرِ خطیر پیش کیا اور گرجا عیسائیوں سے طلب کیا لیکن وہ کسی طرح راضی نہ ہوئے ولید نے غصہ میں جھلا کر کہا کہ اگر بزور لے لوں تو کیا کرو گے عیسائی بولے کہ جو شخص گرجا توڑتا ہے وہ پاگل یا کوڑھی ہو جاتا ہے اب ولید کا غصہ بھڑکا خیال گزرا کہ کہیں لوگوں میں یہ وہم عقیدہ کا مرتبہ نہ حاصل کر لے خود ہی ولید نے کدال لے کر گرجا کی دیوار ڈھانی شروع کر دی عیسائی اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور گرجا شامل مسجد ہو گیا۔

جب زمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا آیا عیسائیوں نے استغاثہ دائر کیا کہ ہمارا گرجا زبردستی چھین کر شامل مسجد کر دیا گیا ہے تحقیقات ہوئی واقعہ صحیح ثابت ہوا حکم ہوا کہ اس قدر حصہ مسجد کا توڑ کر عیسائیوں کے حوالہ کر دیا جائے۔

مسلمان بیتاب ہوئے کہ جس زمین پر برسوں اذان پکاری نمازیں پڑھیں اب وہ پھر گرجا ہوئی جاتی ہے لیکن بیتاب ہو کر کیا کر سکتے تھے جب کہ امیر المومنین کا حکم نافذ ہو چکا تھا آخر انہیں عیسائیوں کی خوشامدیں کیں اور غوطہ کے کل گرجے جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھے وہ سب عیسائیوں کو دیدیئے تب عیسائی راضی ہوئے اور مسجد قایم رہی۔

مسلمانوں نے گرجاے کر اپنی مسجد وسیع و ستوی بنائی تھی عیسائی معبد کو اسلامی مسجد کر لیا تھا اس سے زمین کی صفائی اور پاکی میں کسی طرح کا کوئی فرق نہیں آتا تھا مگر صرف اس خیال سے کہ عیسائیوں پر زبردستی نہ ہونے پائے دو بادشاہوں نے اپنی خواستگاری طلب کا رائیگاں ہونا پسند کیا لیکن عیسائیوں کی دل آزاری روا نہ رکھی ولید نے بیشک قبضہ کر لیا لیکن یہ نتیجہ اُن کے سوء کلام کا تھا جس سے اعتقاد کا خطرہ تھا لیکن جب زمانہ عمر بن عبدالعزیز کا آیا تو نہایت فیاضی سے عیسائیوں کے حق میں فیصلہ صادر کیا گیا مٹن اور اُن کے حامی

اس واقعہ کی طرف نظر کریں اور دیکھیں کہ وہ قوم جس کی مسجد شہید کی جاتی ہے اُس نے اپنے ایام سلطنت میں عیسائیوں کے ساتھ کیا کیا تھا اور آج اُس کے ساتھ کیا کیا جا رہا ہے کبھی قوت مسلمانوں کی قوم بھی طاقت و قوت رکھتی تھی ایک وہ زمانہ بھی تھا کہ سارا یورپ اُس کے چشم و ابرو کے اشارہ پر چلنے کے لئے کمربستہ و آمادہ تھا بہت بڑی عیسائیوں کی آبادی مسلمانوں کی رعایا بن کر صدیوں تک زندگی بسر کرتی رہی ہے آج اُس قوم کے بے شمار احسانوں کا اگر عوض آپ ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اُسے تختۂ مشق ستم تو نہ بنایئے۔

بیشک مسٹن روڈ بن کر تیار ہو گئی اور مسٹن صاحب کو اس کی خوشی بھی ہوئی کہ ان کے نام کی ایک سڑک یادگار رہی لیکن یہ یاد رہے کہ اس سڑک کا نام جب تک باقی ہے شہید مسجد ہر اُس سڑک کے گزرنے والے کو آپ کی بیداد اور اپنی مظلومیت و شہادت یاد دلاتی رہے گی۔

حیف صد حیف سڑک کی وسعت دیکھی گئی لیکن مسلمانوں کی تنگ دلی کا لحاظ نہ کیا گیا سو سڑکیں تنگ ہوں لیکن رعایا کا دل جب کشادہ ہے تو کیا مضائقہ۔

سڑک پیچ در پیچ خم در خم ہو مگر رعایا کے قلوب و روابط راست و مستقیم ہوں تو لطف حکومت و فرماں روائی ہے آپ نے سڑک سیدھی بنائی لیکن قلوب منحرف ہو گئے آپ نے سڑک میں وسعت پیدا کی لیکن قلوب تنگ ہو گئے۔

اس واقعہ نے مسلمانوں کو بہت ہی مایوس کر دیا تھا لیکن پھر بھی ضبط و تحمل سے کام لیتے رہے فتنہ و فساد مسلمانوں کی سرشت نہیں اس لئے خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے اگرچہ مسلمانوں کے لیڈر جو معاملہ مسجد کانپور میں سرگرم کار تھے کسی مخفی دلنواز اثر سے متاثر ہو کر انہوں نے ایک مغالطہ آمیز صورت بنام مخلص ایسی پیش کر دی کہ عوام یہ سمجھے کہ مسجد کا حصہ محفوظ

رہ گیا اور سمتھ صاحب کی ضد پوری ہو گئی۔

قیدی رہا کر دیئے گئے اور اس مسرت میں بڑی شاندار گارڈن پارٹی مسلمانوں کی طرف سے آراستہ کی گئی عالم صاحب فتوے دے کر انگریزوں کے منظور نظر ہوئے اور جنٹلمین صاحب اسی ہزار کی تھیلی لے کر کامیاب واپس ہو گئے افسوس اس کا ہے کہ عالم صاحب کو بجز ایک نگاہ شاباش سمتھ صاحب کی جناب سے اور کچھ نصیب نہوا لیکن اصل حقیقت کب تک چھپی رہتی آخر سچے مسلمانوں پر کھل کر رہی۔

(۵) افسردہ و پژمردہ کر دینے والے واقعات ہندوستان میں ہو ہی رہے تھے جو خلافت کے متعلق لائڈ جارج وزیر انگلستان نے اپنا فیصلہ شائع کیا اس فیصلہ نے کھلے لفظوں میں یہ بتا دیا کہ نہ صرف ہندوستان کے مسلمان بلکہ پوری قوم مسلم خواہ وہ کسی سرزمین میں بستی ہو وزیر انگلستان کے خیال میں ایک سر دلاش ہے جسے پیوند خاک کر دینا چاہئے ہے

مسئلہ خلافت | مسلمانوں کی بیتابی کی سب سے زیادہ قوی علت اُن کی یہی مذہبی ذمہ داری ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت اختصار کے ساتھ اس کی کچھ تفصیل کر دی جائے تاکہ عالم اسلامی کے نہ مٹنے والے اضطراب کی حقیقی علت معلوم ہو جائے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ذات کو حق سبحانہٗ نے خاتم النبین فرما کر ہمیشہ کے لئے نبوۃ کا دروازہ بند فرما دیا اب محال قطعی ہے کہ کوئی دوسرا نبی یا رسول ہو اسی طرح شریعت محمدی کو خاتم الشرائع اور ہر پہلو سے کامل و تمام فرما کر اس سے آگاہ کر دیا کہ قیامت تک یہی شریعت قایم رہے گی کسی نئی شریعت کا نزول نہوگا۔

پس ایک ایسی شریعت جسے قیامت تک دنیا میں قایم رکھنا تھا اُس کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ اس خاکدان عالم میں جہاں فرزند آدم بستے ہیں نہ کہ ملک و فرشتہ

اس کی حفاظت اس طرح کی جائے کہ مذہب کا بازو سیاست سے قوی کر دیا جائے۔

یہ ایک حقیقت واقعی ہے کہ جو مذہب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا یا اپنی مامون زندگی کے لئے طاقت روا نہیں رکھتا اُس کا وجود محالات عادیہ میں سے ہے ایسا مذہب فلسفہ خیال سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتا۔ وہ ہاتھ جس میں اخلاق حسنہ کی کتاب ہو محفوظ و فائدہ بخش اُسی وقت ہو گا جب کہ دوسرے ہاتھ میں خونچکاں شمشیر بھی نظر آ رہی ہو مذہب اسلام پاکیزہ سے پاکیزہ تر اخلاق کی ہمیں تعلیم بھی دیتا ہے اور پھر ارتکاب جرائم پر حد و تعزیر سے سد باب عصیاں بھی کرتا ہے اس کی تبلیغ کے یمین و یسار سیف و سنان میمنہ و میسرہ بن کر حمایت و حفاظت میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں قلب سلیم کے لئے تذکیر و موعظت ہے اور مفسدین و اعدا کے لئے تیغ جوہر دار ہے

آں کہ میگویند آں بہتر ز حسن

یار ما ایں دارد و آں نیز ہم

اسلام کے محفوظ و مامون رہنے کے لئے تین اصول قرار دیئے گئے پہلا اصل یہ تھا کہ مسلمانوں کا کوئی مرکز ہونا چاہیئے دوسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام کا ایک لیڈر ہونا چاہیئے تیسرا اصل یہ تھا کہ مرکزی مقام پر ایسی قوت مجتمع رہے کہ کوئی بد اندیش نظر اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت بھی نہ کرے۔

حرمین شریفین یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ زادہما اللہ شرفاً و تعظیماً مرکز اسلام قرار پائے جزیرۃ العرب کے شمول سے مرکزی مقام کا استحفاظ تصرف اغیار سے پورا کر دیا گیا ذات مقدس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام مرکزی کے امیر اور مسلمانوں کے ہر طرح کی حاجتوں کا ماوا و ملجا سارے کلمہ گو مسلمان مرکزی مقام اور امیر مرکز کے خادم و مطیع

قرار پائے۔

کتب احادیث و سیر کے جاننے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ شریعت کی روشنی اُسی ذات پاک سے تھی تزکیۂ نفس اُسی روح پرور کے انفاس قدسیہ سے تھا میدانِ جنگ میں وہ سپہ سالار تھا انتظامات ملکی میں ایک بڑا مدبر سلطان تھا نزاعات باہمی و مناقشات کے فیصلے میں ایک بے نظیر حاکم عادل تھا۔

غرض کہ مسلمانوں کی کوئی ضرورت و حاجت ایسی نہ تھی جس میں بجز اپنے پیغمبر کے کسی اور طرف وہ متوجہ ہوتے جب یہ مجمع الانوار عہد ختم ہو گیا اور پیغمبر نے اپنی اُمت سے پردہ کیا تو تعلیم گاہ نبوت کے ارشد تلامذہ یعنی خلفاء اربعہ کا زمانہ نوبت بہ نوبت اسی جامعیت کے ساتھ اُمت محمدیؐ کی نگہبانی کرتا رہا۔

ہاں جب بنو اُمیہ کا عہد آیا تو اُس وقت بارگاہِ خلافت میں یہ جامعیت باقی نہ رہی معاش خلیفہ کی بارگاہ میں لے جاتا معاد ائمہ اہل بیت کے آستانوں پر حاضر کرتا تھا اور مسائل شرعیہ کے لئے محدثین و فقہا کا حلقہ درس تھا۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ خلیفۃ المسلمین کی اطاعت و خدمت اُس وقت بھی ائمہ دین و عامہ مسلمین نے اپنے اوپر واجب ہی سمجھی جس وقت کہ بارگاہ خلافت سے جامعیت مٹ چکی تھی اس کے وجوہ و دلائل جسے دیکھنے کا شوق ہو وہ فقیر کا رسالۃ البلاغ مطالعہ کرے اس مقام پر محض سلسلہ سخن قایم کرنے کے لئے اس قدر کہدینا ضرور تھا کہ وہ شمشیر اسلامی جس کے سایہ میں بیٹھکر علما رفقہ و حدیث کا درس دیتے صوفیہ تزکیۂ نفس و صفائے باطن کی تعلیم فرماتے اُس کا قایم و باقی رکھنا جملہ مسلمانان عالم پر فرض کفایہ ہے۔

سلطنت ترکی اس وقت تک مسلمانان عالم کی طرف سے اُن کے سارے فرائض و تحفظ دین سے متعلق تھے ادا کرتی تھی مرکزی مقام جس کی خدمت فرض کفایہ ہے سلطنت ترکی ہی نے اسے اپنے ذمہ لے لیا تھا ساری دنیا اپنے قصر وایوان باغ وراغ کی تعمیر و تزئین میں مصروف تھی لیکن سلطنت عثمانیہ کا تاجدار بیت اللہ و مدینۃ الرسول کی خدمت میں مشغول تھا۔

حرمین شریفین کا انتظام ان مقامات کی تحسین و تزئین قنادیل کا روشن کرنا ائمہ و موذنین و مفتیان دین متین کی خدمت حکام سیاسی انتظامی کا تقرر و تنخواہ سب خزانہ سلطانی سے ادا ہوتا رہا غلاف خانہ کعبہ کی تیاری اور اس سُنت رسول کے قایم رکھنے کی سعادت اُسی کو نصیب ہوتی رہی خلیفۃ المسلمین نے اس میں کبھی کوتاہی کی نہ کبھی مسلمانوں کی طرف استمداد کا ہاتھ بڑھایا ان کے مال و دولت کو اُس نے انھیں کے لیے چھوڑ دیا تھا جس طرح خدمت حرمین شریفین فرض کفایہ ہے اُسی طرح اُس کی محافظت بھی فرض کفایہ ہے اس وقت کہ خلافت عثمانیہ کو چھ صدیاں گزر چکی ہیں کوئی بتائے کہ بجز خلیفۃ المسلمین کے کس نے مرکزی مقام کی حفاظت میں اپنا خون بیدریغ بہایا ہے خلیفۃ المسلمین نے حفاظت کی خدمت اپنے ذمہ لے کر تمام مسلمانان عالم کو اس فرض سے ایسا سبکدوش کر دیا کہ ان کے لئے راحت رساں مکانوں میں عیش کی فرصت تھی لیکن اُس کے لئے میدان جنگ تھا اور دشمنوں کا مقابلہ خویش و اقربا یار و احباب زن و فرزند کے اجتماعی معاشرت سے ہم لطف لیتے رہے لیکن وہ خدا کی راہ میں اپنا گلا کٹا کٹا کر اپنے بچوں کو یتیم بیویوں کو بیوہ بناتے نوجوان والدین کو داغ مفارقت دے جاتے ہم راتوں کو نشگہ کی نیند سوتے تھے لیکن انھیں توپوں کی گرج اور بندوقوں کی سہناک آوازوں کے ساتھ اعزہ واحباب کے کٹے ہوئے

اور دم توڑنے کی صدائیں سننے سے مہلت نہ تھی، ہم نرم بستر اور گرم لحاف میں لپٹ کر راحت کے مزے لوٹتے لیکن وہ تھے کہ خاک و خون میں برابر تڑپتے رہے چھ سو برس سے خلافت عثمانیہ مسلمانوں کے گوناگوں خدمات اسلامیہ کی ضامن و کفیل تھی۔

پیادہ فوج کی سپہ سالاری لوا رجہاد کی علم برداری رفادہ حجاج کے کھانے کا انتظام سقایہ حجاج کے پانی کی سبیل یہ جملہ امور بارگاہ خلافت ہی سے سرانجام پاتے تھے آج اُس کی ہستی فنا کر دی گئی مسلمانوں کا ایسا محسن مٹا دیا گیا آستانہ نبوت کے خادم کا گلا گھونٹ دیا گیا پھر مسلمان بے چین نہوں تو کیا ہوں۔

کسی کا جگر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے قلب پاش پاش کر دیا جائے جسم ریزہ ریزہ کر دیا جائے اور پھر اس سے یہ پوچھا جائے کہ تو تڑپتا کیوں ہی یہ عجیب بیرحمانہ اور حیرت انگیز طرز کلام ہے۔

فرض کر لیجئے کہ اس وقت مسلمان بے حیائی اور بیدردی کے مجسمہ بن جائیں اور سب کے سب خاموش و ساکت ہو جائیں تو اس سے صورت واقعہ اور نفس مسئلہ کیوں کر بدل جائے گا اگر مخدر دوا مثل کوکین وغیرہ گلے پر مل دی جائے اور پھر دار دئے بیہوشی سنگھا کر کوئی مدہوش کر دیا جائے اس کے بعد اُس کا گلا کاٹ دیا جائے سر تن سے جدا کر دیا جائے تو بیشک مقتول نہ واویلا کرے گا نہ تڑپے گا لیکن اُس کے سر بُریدہ ہونے سے انکار کیوں کر کیا جائے گا۔

یہ مسئلہ ابھی کہہ چکا ہوں کہ مقامات مقدسہ کی خدمت اور حفاظت دونوں مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جب اُس کا خادم و محافظ نہ رہا تو یہ فرض اب سارے مسلمانان عالم کی گردن پر ہے۔ جب تک وہ اسے انجام نہ دیں گے اس فرض کا مطالبہ برابر ان سے متقاضی رہے گا یہ ہو نہیں سکتا کہ لیت و لعل اور تن آسانی و تن پروری کے اعذار بارد،

پیش کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔

یہ مسئلہ بالکل قطعی ہے کہ نصب امام امت پر واجب ہے شرائط امام میں تو البتہ گروہ مسلمین کا اختلاف پایا جاتا ہے لیکن نصب امام کے واجب ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ رہی قوت دفاعی اُس کا ہمہ وقت موجود رکھنا فرض ہے اس سے تو کسی کو بھی اختلاف نہیں۔

اسی جگہ ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیجئے خلافت یعنی نیابت نبی جسے امامت کبریٰ کہتے ہیں بعد امام حسن علیہ السلام حضرت عمر بن عبد العزیز میں پائی گئی ان نفوس قدسیہ کے سوا جس قدر خلفا بنو امیہ یا بنو عباس میں گزرے ان میں سے کسی کی بھی خلافت امامت کبریٰ کے معنی میں نہ تھی یہ سب اسلام کے قوت دفاعی تھے انھیں خلیفہ جو کہا جاتا تھا اور ان کی اطاعت جو ضروری سمجھی جاتی تھی وہ محض اسی وجہ سے کہ شمشیر اسلامی کے یہ محافظ تھے اور حرمین شریفین کے خادم مرکزی مقام کی سیادت اور خدمت و حفاظت ان سے متعلق تھی جب خلفائے عباسیہ کا عہد تمام ہو گیا اور یہ نعمت باسعادت خاندان عثمان میں آئی تو اب مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہوئی یہ مسئلہ نہ تو اجتہادی ہے نہ اس میں ظن و احتمالات کی گنجایش ہے بلکہ یہ قطعی و یقینی اور ضروریات دین میں سے ہے کہ مسلمانوں پر حرمین شریفین کی خدمت فرض ہے اور ایسی قوت کا قایم رکھنا جو اعدائے اسلام کو ان مقامات مطہرہ سے دفع کر سکے یہ بھی فرض ہے اس سے انکار کرنے والے کا وہی حکم جو فرضیت نماز کے منکر کا حکم ہے خلافت عثمانیہ بمعنی امامت کبریٰ نہ سہی لیکن قوت دفاعیہ ہونے میں کسے مجال دم زدن ہے

جنگ یورپ نے جب کہ اسلام کی قوت دفاعی کو فنا کر دیا تو اب مسلمانوں پر یہ فرض ہو گیا کہ اُس قوت کو وہ پیدا کریں انگلستان کے وزیر اعظم اور اُس کے حواریوں کو یہ ہرگز بھولنا نہ چاہیئے کہ یہ وہ فرض ہی جو ادا ہو کر رہے گا۔

یہ ایسا فرض نہیں جو کسی خاص خطہ پر بسنے والے مسلمانوں ہی کا فرض ہو یورپ نے خود ہی سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر کے یہ تحریک عام عالم اسلامی میں پیدا کر دی کہ جو مسلمان جہاں کہیں بھی ہو اپنے اس فرض کے ادائیگی کے لئے آمادہ ہو جائے۔

رہا انجام سو خواہ موجودہ نسل مسلمانوں کی اسے انجام دے یا قادر مطلق کسی اور قوم کو دائرہ اسلام میں لاکر اس خدمت کی سعادت بخشے یا آیندہ آنے والی نسل اس برکت کی حاصل کرنے والی ہو یہ ایسا فرض نہیں جسے مسلمان بھول جائیں یا ان کا رب انہیں بھولنے دے لائڈ جارج! یہ دل کا خار ہے اس کی ٹیس اُس وقت تک بیتاب رکھے گی جب تک یہ کانٹا نکل نہ جائے۔

(۶) مسلمانوں کے مذہب نے انھیں یہ بتایا ہے کہ اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ناحق قتل کرے گا تو یہ ایک ایسا گناہ ہو گا کہ اس سے بڑا گناہ صرف کفر ہی ہے لیکن یہی قتل جب کہ اس وجہ سے عمل میں آئے کہ کسی قوم کافر کا غلبہ مقصود ہو اور مسلمانوں کے مقبوضات کو محروسات کفار میں شامل کرنا منظور ہو تو یہ نہ صرف گناہ ہے بلکہ کفر ہے۔ ایک مسلمان جب کہ کسی مسلمان کی زمین لیلے یا اُس کے ملک پر فوج کشی کرے تو یہ جرم عظیم ہے لیکن مسلمان سے چھین کر کافر کو متصرف کر دینا نہ صرف ایک مسلمان کی حق تلفی ہے بلکہ حقوق مذہب کا اتلاف ہے اسلام کے تصرف سے نکالنا ہے یہ دین کا ایسا سچا اور کھرا مسئلہ ہے جس کا صریح و بیّن حکم کلام پاک میں موجود ہے لیکن سلطنت برطانیہ جب کہ خلافت سے برسرِ جنگ ہوئی تو مسلمانوں سے روپیہ قرض کے نام سے لیا انھیں فوج میں بھرتی کیا اور مقامات مطہرہ میں لے جا کر اُس پاک سرزمین کے واجب الاحترام باشندوں کو جو خلافت کے جاں نثار تھے ان کے ہاتھوں سے قتل کرایا گیا۔

مسلمانان ہند جو سرتاسر افلاس کے شکار ہو رہے ہیں اگر ان سے روپیہ نہ لیا جاتا اور ان کی جماعت مقامات مقدسہ پر جنگ کے لئے نہ بھیجی جاتی تو برطانیہ کے فوج وخزانہ میں کیا کمی آجاتی لیکن انھیں مُردہ قوم سمجھ کر ان سے صریح مذہب کے خلاف قسمیں کرائی گئی یہ اندوہناک غم ہر ذی فہم کے دل پر رہا۔

(۷) سلطنت برطانیہ کے فتح کی خبر پر آئیں جشن منانے پر مسلمان بھی مجبور ہوئے بعض عمال سرکاری نے اپنی اظہار کارگزاری کے لئے مسلمانوں کو ایسا مجبور کیا کہ گھی کے چراغ جلوائے درگاہوں پر چادریں چڑھائیں اور روپیہ انھیں مصیبت زدوں سے لیا اخبارات میں یہ واقعات آتے رہے لیکن کسی افسر اعلیٰ نے یہ نہ پوچھا کہ تم نے کیا کیا اور کیوں کیا۔

رعایا بادشاہ کی خوشی سے خوش ضرور ہو گی بشرطیکہ مذہب سے تصادم نہ ہوتا ہو یہ خوشی ایسی تھی کہ مسلمانوں کے لئے انتہائی بزم ماتم کا دن تھا رعایا ہونے کی حیثیت سے اگر انھوں نے نالہ و شیون نہیں کیا تو ثبوت وفاداری کے لئے یہی بہت کافی تھا لیکن انھیں عیش و طرب پر مجبور کرنا شاعروں سے قصائد لکھوانا زخمی دلوں پر نمک چھڑکنا تھا اہل درد تڑپ کر رہ گئے۔

(۸) یورپ نے اس جنگ کو حرب صلیبی قرار دیا فیصلہ جنگ کرتے ہوئے ترکوں پر ایسے اتہامات والزامات عائد کئے جس سے سخت توہین مسلمانوں کے مذہبی گروہ کی ہوتی ہے اس سے مسلمانوں کے دلوں پر اور بھی چوٹ لگی۔

(۹) اگر دوران جنگ کے سارے واقعات ایک پلہ میں اور لائیڈ جارج کا تلخ جواب بعد مواعید شیریں دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو بھی دوسرا پلہ بھاری رہے گا اس حقیقت کو

فراموش کیوں کر کیا جائے کہ ایک انسان اپنے قول و عہد کو سچا اور موثق ثابت کرنے کے لیے جو کچھ کہہ سکتا ہے ایّام جنگ میں وزیر انگلستان نے مقامات مقدسہ کے متعلق وہ سب کچھ کہا پھر ان مواعید کی اس طرح تکرار کی گئی کہ اس سے زیادہ تکرار کسی سلطنت کے ذمہ دار نے کبھی نہیں کی ہے لیکن جنگ کے بعد جگر خراش کلمات۔ کہے گئے اور جس طرح اتحادیوں نے خلافت کے ٹکڑے اپنی سلطنتوں میں پیوند کر لیے، اس سے جو کچھ اضطراب اور لوازم اضطراب نہ پیدا ہو جائیں وہی تعجب ہے۔

اُن مواعید کے علاوہ جو لندن سے پیام وزرا بن کر آئے خود ہندوستان کے سارے ذمہ دار افسروں نے ہر جگہ مسلمانوں کا مجمع کیا اور یقین دلایا کہ اس وقت لڑائی ہو پڑی ہے جب ختم ہو جائے گی تو فیصلہ کے وقت خلافت کا اقتدار اور اُس کی قوت علیٰ حالہٖ برقرار رکھی جائے گی لیکن آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ ناقابل فراموش بیرحمی و بے اعتمادی کی خود اپنی نظیر ہے۔

وزیر اعظم کا یہ کہنا کہ مقبوضات خلافت جب کہ فاتحانہ حیثیت سے حاصل کیے گئے تو پھر ان کی واپسی کیوں کی جائے یہ عجب طرز استدلال ہے۔

کیا مسلمانانِ ہند سے جو وعدہ ہوا تھا اُس کا ایفا اُس وقت ہوتا جب کہ ترک غالب و فاتح ہوتے مغلوب و ہزیمت خوردہ قوم کا فاتح و منصور کو ملک واپس کر دینا ایسی عجیب منطق ہے جسے دماغ وزارت ہی سمجھ سکتا ہے۔

تخلف وعدے کی ایک وجہ یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اس جنگ میں دیگر دول یورپ بھی شریک و شامل تھے دولت عثمانیہ کے حصے ہر ایک کی قسمت میں آئے ان شرکا میں سے کوئی بھی جب کہ واپسی پر راضی نہیں تو پھر میں اپنا حصہ کیوں واپس کر دوں۔

اس کے جواب میں یہ بحث فضول ہے کہ واقعہ کیا ہے لیکن اس قدر گزارش کی اجازت دیجئے کہ وعدہ تو آپ کا اور آپ کے ہم قوم حکاموں کا تھا نہ کہ وزرائے فرانس و روس وغیرہ کا اُن کے وعدہ بھی آپ ہی کی زبان سے ہم تک پہنچے تھے آپ اپنا وعدہ وفا کریں دوسروں سے آپ کو کیا غرض۔

لائڈ جارج! اس سوال کی اجازت دیجئے کہ ہندوستانیوں نے روپیہ آپ کی نذر کیا تھا یا دیگر دول یورپ کے سامنے پیش کیا تھا ہندوستانی آپ کے محکوم ہو کر آپ کی طرف سے گلا کٹانے گئے تھے یا فرانس و روس کے ہمدرد بن کر قربان گاہ میں پہنچے تھے

اُس پر فتن زمانے میں مسلمانان ہند کی خاموش اطاعت نے آپ کے محروسہ مقبوضہ ہند کو آپ کے قبضہ میں برقرار رکھا یا اس اطاعت گزاری سے فرانس و روس کا کوئی ملک محفوظ رکھا گیا۔

اگر ان سب وفاشعاریوں کا یہی صلہ ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں کی مودبانہ اور عاجزانہ التماس اس طرح قدموں سے ٹھکرادی جائے تو پھر اس ہنگامہ کی ذمہ داری آپ پر ہے نہ کہ کسی اور پر۔

آخر میں اس سوال کی اجازت اور چاہتا ہوں کہ اس وقت تو خلافت کے اجزا اس جرم میں باہم تقسیم کر لئے گئے کہ سلطنت عثمانیہ نے میدان جنگ میں اپنے کو بحیثیت مقابل شامل و شریک کیا لیکن اہلِ مصر کب آپ سے برسرِ پیکار ہوئے تھے جو اُن پر برسوں آپ کی نوازش رہی اور آج بھی کرم کا بادل اُن سے نہیں ہٹتا۔

جزیرۂ قبرص پر قبضہ کس جرم میں کیا گیا اُس وقت کس نے آپ سے جنگ کی تھی جو اس جزیرہ کو آپ نے اپنے مقبوضات میں داخل کر لیا۔

یونان نے سرکشی و شوخ چشمی کی غازی ادھم پاشا نے تھسلی پر جا کر اسلام کا ہلالی جھنڈا نصب کر دیا اُس وقت کون تھا جو یونان کا دست و بازو بنا جس نے ترکوں کو فتح کیے ہوئے ملک سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا۔

علم برداران تثلیث تنازع للبقا کا مسئلہ یہی حکم دیتا ہے کہ قوی کی ہستی ضعیف کو مٹنے سے قایم رہیگی مسلمانوں نے توحید و خدا پرستی کی طاقت و قوت کی قدر نہ جانی آخر کمزور و ناتواں ہو کر نمونۂ عبرت و بصارت ہو گئے یہ اپنی شامتِ اعمال اور سوء اعتقاد کا نتیجہ ہے جو سامنے ہے لیکن تم یہ زحمت کیوں اٹھاتے ہو جو اپنے فیصلہ کو اخلاق و انصاف کا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے ہو۔

اضطراب و بے چینی کے ایسے واقعات جو بہت ہی اجلیٰ و روشن ہیں انھیں میں نے اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے اب گورنمنٹ کو اختیار ہے کہ رعایا کی بے چینی جس طرح چاہے دفع کرے مسلمانوں کے مذہب کا یہ نہایت سچا اور مستحکم مسئلہ ہے کہ مسلمان ہر اُس حصہ زمین پر آباد ہو سکتا ہے جہاں ارکان دینی میں مزاحمت نہ کی جائے لیکن مرکزی مقام کا کسی کے نظر ترحم پر چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے ایک ایسا گناہ عظیم ہے کہ جس کا کچھ کفارہ نہیں اس جگہ کے لیے صرف اسی قدر کافی نہیں کہ ہم وہاں ارکان مذہبی بآزادی ادا کرتے ہیں بلکہ اس کو اس حیثیت میں ہونا چاہیئے کہ اگر بالفرض کوئی طاقت اُس مقام پر مانع و مزاحم بھی ہونا چاہے تو مزاحمت اُس کے حیطہ وسعت و امکان سے خارج ہو مرکزی مقام پر مسلمانوں کی ایسی قوت ہر وقت مجتمع و مہیا رہنا چاہیئے کہ دینی و مذہبی ارکان کی تعمیل بزور و قوت ہوتی ہو نہ کہ کسی کی عنایت و رعایت کے طفیل میں گورنمنٹ کے سامنے اضطرار کی سچی اور صحیح تصویر پیش کرنے کے بعد مسلمانان ہند سے گزارش ہے کہ

کہ لفظ موالات کی تحقیق و تنقیح جو کچھ بیان کی گئی اُس سے ہر شخص بجائے خود فیصلہ کرے کہ وہ کون سے تعلقات و روابط ہیں جنھیں گورنمنٹ سے (جو علاوہ کافر ہونے کے فریق محارب بھی ہے) پیدا کرنا یا باقی رکھنا جائز ہے اور کون سے تعلقات کا قطع کرنا واجب۔

مقاطعہ کی تحقیق بھی گزر چکی بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت کر دیا گیا کہ مقاطعہ ہرگز داخل موالات نہیں ایسے فریق محارب کے ساتھ جو خانہ کعبہ پر متصرف تھے مسلمانوں کو عمرہ و حج ادا کرنے سے مانع آتے تھے بیت اللہ کو صنم خانہ بنائے ہوئے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقاطعہ جاری نہ رکھا اور ترک مقاطعہ سے اُن پر غلبہ پانے کی کوشش نہ فرمائی تو اب کسی کا یہ کہنا کہ یہ قرآن کا حکم ہے اور مقاطعہ فرض ہے کھلی بیدینی ہے۔

مباح کا فرض ہو جانا کہا جاتا ہے کہ اس وقت جب کہ جہاد بالسیف کی طاقت مسلمانوں میں نہیں تو وہ چیز جو مسلمانوں کو دشمن اسلام پر غلبہ عطا کرے وہ قایم مقام جہاد کے ہوگی اور وہ نہیں ہے مگر خاموش مقابلہ دشمن سے مقابلہ کے وقت بہت سے مسائل کی صورت متغیر ہو جاتی ہے مثلاً جاسوسی اخلاقاً و شرعاً مذموم ہے لیکن فریق محارب کے مقابلہ میں جاسوس مقرر کرنا اُن کے سرائر و مخفیات کا پتہ لگانا مستحسن و ضروریات جنگ میں سے ہے۔

فریق محارب پر بحالت محاصرہ یا مقابلہ غلہ اور پانی تک بند کر دینا جب کہ جائز ہے تو اس وقت انگریزوں سے مسلمانان ہند کا جو مقابلہ ہو گیا ہے اگر وہ چیزیں جو بحالت امن جائز تھیں اس مقاومت مجہول کی حالت میں جو قایم مقام جہاد ہے ناجائز سمجھی جائیں تو کیا محذور شرعی لازم آتا ہے علی الخصوص ایسی حالت میں جب کہ ہم حکومت سے دست و گریباں نہیں ہوتے بلکہ نہایت خاموشی و سکون سے اپنے ہر طرح کے تعلقات اُن سے منقطع کر لیتے ہیں

اس انقطاع کا لازم نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت اپنے وطن کا رُخ کرے اور گھر پہونچکر خانہ نشین ہو جائے اُس وقت دو فائدے حاصل ہوں گے ایک تو حکومت ہند خود مختار ہو کر سوراج حاصل کرلے گی دوسرے مسلمانوں کا بڑا حریف دُنیا سے اگر دفع نہ ہوگا تو کمزور ضرور ہو جائے گا لہذا مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ انقطاع کلی کریں۔

اس کے جواب میں فقیر نہایت ادب سے گزارش کرتا ہے کہ سوال جواز و عدم جواز کا نہیں گفتگو آپ کے اس ادعا میں ہے کہ آنجناب کی تحریکات کی تعمیل مسلمانان ہند پر فرض ہے اور جو شخص تامل و فکر کرے یا اصلاح و ترمیم پیش کرے وہ مرتکب حرام دائرۂ اسلام سے خارج اور پختہ منافق ہو گیا۔

لیڈران قوم بیشک یہ دین کا مسئلہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ سزاوار نہیں جو وہ اپنی ہستی کو مضمحل و ناتواں بنا کر رکھیں بیشک اصول زندگی مسلمانوں کو ایسا قرار دینا چاہیے کہ دیگر اقوام ان کی طرف محتاج ہوں نہ کہ یہ دوسروں کے دست نگر ہوں یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن سے کسی کو کسی وقت انکار نہیں لیکن تقویۃ و حصول غلبہ کی جو صورتیں آپ پیش فرما رہے ہیں وہ مسئلہ شرعی نہیں ہے بلکہ وہ آپ کی رائے ہے۔

غایۃ مافی الباب یہ کہ لیجے کہ آپ کی رائے ایک مسئلہ شرعی کی تائید میں ہے لیکن اپنی رائے کو شریعت کا فتویٰ اور قرآن کا حکم قرار نہ دیجئے اگر کوئی آپ کی تجویز سے اختلاف کرتا ہے تو اُسے فرض کا منکر نہ کہیے فرائض تو وہی ہیں جنھیں حق سبحانہٗ نے فرض کر دیا کیا آپ کی رائے اور حق سبحانہٗ کا ارشاد ایک مرتبہ رکھتا ہے ایسا دعویٰ کرتے ہوئے کچھ تو حیا کیجئے۔

جنگ بدر کا موقع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر منزل قرار دیتے ہیں

حضرت حباب ابن المنذر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ اس مقام کو منزل گاہ آپ نے بموجب حکم الٰہی قرار دیا ہے یا موقع و تدبیر جنگ کا لحاظ ہے آپ نے فرمایا نہیں یہ رائے اور جنگ ہے حضرت حباب عرض کرتے ہیں تو پھر یہ مقام مناسب نہیں بلکہ فلاں مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حباب ابن المنذر کی رائے کو شرف قبول فرماتے ہیں۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالئے کہ ایک امر مذہبی اور فرض دینی کے انصرام و انجام کی جب کہ شریعت نے صورت متعین و مشخص نہ کر دی ہو تو اختلاف رائے کی گنجایش ہے اپنی رائے کو عین فرض اور امر دینی قرار دینا خلاف شرع ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بارہا اپنی رائیں رسول خدا کے حضور میں پیش کیں جو قبول سرکار رسالت ہوئیں لیکن آپ کا آستانہ ایسا رفیع و بلند پایہ ہے جہاں اصلاح و ترمیم تو کجا عرض و معروض کی بھی مجال نہیں یا جنبش لب پر تکفیر کا فتویٰ موجود ہے نہایت ادب سے چند امور گزارش خدمت ہیں خواہ آپ قبول فرمائیں یا کافر و منافق کہیں اس کی پروا نہیں۔

ترمیم کی پانچ وجوہ

اولاً یہ کہ آپ فرماتے ہیں کہ مقاطعہ اُس وقت فرض ہے دوسرا فریق عرض کرتا ہے کہ اس طریق مقابلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ فرما دیا دلیل میں حضرت ثمامہ بن اثال کا واقعہ پیش کرتا ہے لیکن آنجناب کے پاس بجز فرمان گاندھی اور کیا دلیل فرضیت ہے مسلمانوں کو وہ طریقہ بتائیے کہ جس کے عمل کا نتیجہ مطلقاً کفار سے بے نیازی ہے۔

ثانیاً یہ گزارش ہے کہ مقاطعہ کا دائرہ جب تک اُس حد کے اندر ہے جس کہ گورنمنٹ کا کوئی نقصان بیّن نہیں اُس وقت تک تو آپ خاموش رہ سکتے ہیں لیکن جب اُس کے حدود وسیع ہوں گے اور گورنمنٹ کے منافع سے آپ کی خاموشی کا تصادم ہوگا تو اُس وقت آپ ہزار چپ رہنا چاہیں لیکن یہ فکر تو مہر سکوت توڑ کر ہی رہیگی آخر اُس موقع کی بھی تو

ہمیں بتائیے ؎

اے حضرت مومن یہ مسلم ہے جو ارشاد — بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے
لیکن جو بتوں ہی نے کہیں آپ سے کی بات — پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

ثالثاً یہ عرض ہے کہ خاموش رہنا بھی ایک زبردست قوت کا خواہاں ہے ہندو بیشک اس قدر طاقت رکھتے ہیں کہ وہ اپنی خاموشی کو نباہ لے جائیں گے بلکہ اگر چاہیں گے تو اپنے مقابل کو خاموش بھی کر دیں گے لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں میں کسی طرح کی طاقت کا نام ونشان بھی نہیں ہے ان میں نہ مالی طاقت ہے نہ اخلاقی نہ دینی قوت ہے نہ روحانی لیڈری کا غرور اگر آپ گرامی قدر حضرات کو ایک لمحہ کی فرصت عطا کرے تو اس حقیقت سے انکار نہ کیجئے پہلے اس امر کی کوشش فرمایئے کہ مسلمانوں میں قوت پیدا ہو پھر چاہے خاموش مقابلہ کیجئے یا ناطق و گویندہ مقابلہ سے پہلے استطاعت مقابلہ فرض ہے جس طرح نماز سے پہلے وضو۔

رابعاً یہ التماس ہے کہ اصلاح کا موقع ہنوز باقی ہے اگر خدمت اسلام واقعی آپ کا مقصد ہے تو وہ کام شروع کیجئے جس سے مسلمانوں میں طاقت و استقامت پیدا ہو اجتماع وجماعت کے آثار ان میں پائے جائیں دیکھئے انبوہ اور بھیڑ پر نازاں نہ ہوجئے ان سے خاموش مقابلہ کی بھی توقع نہ رکھئے ان کے لئے حکومت کی تھوڑی سی سختی بھی کفایت کرتی ہے خدانخواستہ اگر آپ اب بھی نہ سمجھے اور اس بھیڑ کو اسی حالت سے مقاومت مجہول اور خاموش مقابلہ کے سامنے پیش کر دیا تو پھر یاد رکھئے کہ یہ خاموشی اس طرح ٹوٹے گی کہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اس طرح چیخیں ماریں گے کہ برسوں تک اس کی گونج فضا میں عبرت و بصارت کا سبق دیتی ہوگی۔

خامساً یہ گزارش ہے کہ اگر آپ حضرات کو اپنے تجاویز پر یوں ہی اصرار ہے تو براہ کرم کتاب و سنت سے یہی بتا دیجئے کہ مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب تم میں ضعف و ناتوانی ہو تو اُس وقت تم خاموش مقابلہ کرو اور فریق مقابل تمہیں قید کرے، مارے بے حرمت کرے، قتل کر ڈالے تو یہ سب برداشت کر لو اس لئے کہ جب تم فنا ہو جاؤ گے اور تمہاری ہستی ایک وجود موہوم کا مرتبہ پالے گی تو اُس وقت دشمن مغلوب و مفتوح ہو جائے گا اور تم غالب و فاتح۔

اگر شریعت سے آپ اس کا جواب نہ دے سکیں تو پھر کسی قوم کی تاریخ سے ہی اس کا ثبوت دیجئے کہ مقاومت مجہول بغیر قوت و استطاعت کے عمل میں لائی گئی اور کامیاب ہوئی۔ اگر یہ بھی نہیں تو پھر اس درخواست کو قبول فرمائیے کہ یتعلم الحجامة علیٰ رؤس الیتیمٰی یعنی یتیموں کے سر پر حجامت کی مشاقی نہ کیجئے۔

اس وقت آپ کی جملہ تحریکات پر تنقید مقصود نہیں بعض اُن میں سے اکثر بالصدق و صلاح ملک کے لئے بہت ہی مفید ہیں مثلاً سودیشی یا ترک قوم فروشی و انگریز پرستی وغیرہ لیکن آپ کی وہ تحریک جس سے مسلمانوں کی سخت تباہی ہے اور انگریزوں کا ذرہ برابر نقصان نہیں یعنی مسئلہ تعلیم اُس کے متعلق کچھ گزارش ہے شاید آپ حضرات میں سے کسی کی سمجھ میں آجائے۔

مسئلہ تعلیم علوم اسلامیہ کی حفاظت کے لئے جب اپنی سلطنت نہ رہی اور ہندوستان میں ایک اجنبی و بیگانہ قوم کی حکومت فرماں روائی و حکمرانی کرنے لگی تو علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مسلمانوں کی سرگرمی سرد مہری سے بدلنے لگی۔

اگرچہ زبان اجنبی محض تھی سیکھنے میں محنت شاقہ برداشت کرنی پڑتی تھی لیکن مجبوری

یہ تھی کہ اجنبی زبان معاش کا ذریعہ تھی اوّلین ضرورت جس نے مسلمانوں کو انگریزی کی طرف مائل کیا وہ یہی فکرِ معاش تھی۔

یہ مسئلہ محتاجِ بیان نہیں کہ مقاصد علوم تین ہیں تہذیب اخلاق، تزکیہ نفس اور تربیت دماغ بلا خوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم کے ہر سہ مقاصد کا بدرجہ تمام و کمال تکملہ علوم اسلامیہ سے ہوتا تھا۔

صدیوں تک مسلمانوں نے دنیا پر ایسی حکومت کی ہے جس کی نظیر نہ صفحات تاریخ میں ملتی ہے نہ آیندہ کسی دوسری قوم کی ایسی تاریخ لکھی جائیگی جہاں بانی و فرماں روائی کے ساتھ ہی ساتھ علم و فن کی بھی ایسی خدمت کی کہ بہت سے علوم انھیں کے اقدام سے ترقی پذیر ہوئے بہت سے علوم مسلمانوں نے خود ایجاد کیے کتنے مُردہ فنون میں جان ڈالی علوم عقلیہ اور فنون حکمیہ کے علاوہ خود ان کی مذہبی تعلیم کا ایسا بیکراں سرمایہ موجود ہے کہ ایک وہ شخص جو اپنے مذہب کو سمجھتا ہے اور اُس کے بتائے ہوئے اصول کو اپنی زندگی کا دستور العمل قرار دیتا ہے وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اپنے دماغ کی تربیت اپنے اخلاق کی تہذیب اپنے نفس کا تزکیہ کسی غیر زبان یا غیر قوم کے علم و فن سے کرے

لیکن جب اپنی سلطنت علوم اسلامیہ کی حمایت و حفاظت کے لئے نہ رہی تو ترقی کے سارے زینے ٹوٹ گئے اور علوم و فنون کی عمارت منہدم ہو گئی دوسری قومیں جو دنیا میں سریر آرائے سلطنت تھیں اُنھوں نے علم و فن کی بھی حکومت حاصل کر لی کسی قوم میں جب سلطنت آتی ہے تو اُسی کے ساتھ بہت سے محاسن و کمال بھی آجاتے ہیں لیکن جب سلطنت جاتی ہے تو محاسن و کمال صرف اُس قوم سے رخصت ہی نہیں ہو جاتے بلکہ ایک کافی مدت کے لئے اُسے دام حیرت میں ایسا گرفتار کر جاتے ہیں کہ

وہ قوم اس انقلاب کلی سے متاثر ہوکر عالم سراسیمگی میں ششدر و حیران ہوتی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہندوستان سے مسلمانوں کی سلطنت جب زائل ہوئی اور شدید کے واقعہ سے ان کی آنکھیں کھولیں تو انھیں معلوم ہوا کہ سلطنت کے ساتھ کمالات و محاسن بھی ان کی رخصت ہوگئے۔ یہ دوسری وجہ تھی جو علوم مغربیہ کی طرف انھیں مائل کرنے والی ہوئی اس وقت مغربی علم و فن کی ضرورت ثابت کرنے کی حاجت نہیں نہ اس پر دلیل لانا ضروری کہ آج مقابلہ محاربہ اور محافظت کے جو سامان سلاطین عالم کے پاس ہیں اگر ہندوستان اُنھیں اپنے لئے غیر ضروری سمجھتا ہے تو آزاد ہوکر دوبارہ گرفتاری و غلامی کی کسی غیر سلطنت کو دعوت دیتا ہے۔ اس وقت مجھے صرف اس قدر گزارش کرنا ہے کہ جب تک ہندوستان میں حکومت برطانیہ باقی ہے اُس وقت تک وہ ضرورتیں بھی باقی ہیں جن کے زبردست مطالبات نے ہمیں انگریزی کی طرف مائل کیا۔

ایسی تعلیم گاہیں جن کی سند و تصدیق مصدقہ و مسلمہ گورنمنٹ ہوں اور ایسے اسناد جن سے ملازمت کا استحقاق ہو اُس وقت تک ضروری ہیں جب تک حکومت باقی ہے۔

ہندوستانیوں کا حکومت کے سارے شعبوں پر اس طرح حاوی ہو جانا کہ ہر رخنہ پر اُن کا ہاتھ پہونچ سکے فی الحقیقت سوا راج کی تاسیس ہے آج پولیس اور فوج میں ہندوستانی چھوٹے عہدوں پر بکثرت ملازم ہیں اگرچہ عہدہ بہت ہی حقیر اور تنخواہ بہت ہی تھوڑی ہے لیکن اس وقت موجودہ تحریک نے جو فوج و پولیس میں بھی ایک تاثیر پیدا کر دی ہے اس سے ہندوستانی ایک قوت محسوس کر رہے ہیں۔

ہمسایہ قوم ہندو کو دیکھئے ایک ادنیٰ ملازمت سے گورنری کے عہدہ تک یہ قوم پہنچی ہوئی

ہی سارے دفاتر و آفس میں ہندو بھرے ہوئے ہیں پھر آج اُنھیں یہ زور بھی حاصل ہے لیڈران قوم اب بھی سمجھے پہلے اس کی قوت پیدا کیجے کہ آپ کی خاموشی ویکسوئی سے دشمن چیخ اُٹھے اور اُس کی جمعیت کا شیرازہ بکھر جائے پھر خاموش ہو جئے۔

فرض کیا کہ آپ میں طاقت خاموشی نہیں لیکن ہندؤں میں ہے پھر آپ دونوں مل کر دہ دل یک شود بشکند کوہ را کا نمونہ پیش کردیں گے برس روز میں سواراج حاصل ہو جائے گا۔ لیکن اُس وقت جب کہ سواراج کامل ہوگا عہدہ و مناصب کے مستحق اور حکومت کے وہی شریک ہوں گے جن کے ہاتھوں میں علوم مغربیہ کی سندیں ہوں گی۔ انقلاب حکومت کے بعد جب تک جدید حکومت اپنے قوانین وضع نہ کرے علوم و فنون کا تعین و تشخص نہ کرے اُس وقت تک سواراج کا قانون یہی موجودہ قانون سلطنت ہوگا اور آہی مغربی علم کے جاننے والے اساتذہ ہوں گے اور اسی علم کی تعلیم درسگاہ سواراج میں دی جاتی ہوگی۔ غرض سواراج مل کر بھی اس نسل کے لئے موجودہ تعلیم مفید ہی رہیگی۔

رہا یہ اعتراض کہ موجودہ تعلیم میں نقائص ہیں ضروریات قومی کے لئے یہ تعلیم محض ناکافی ہے یہ بالکل بجا و درست لیکن یہ کوئی نیا خیال نہیں اس کی چارہ جوئی میں رہبران قوم ایک مدت سے سرگرم ہیں اُن کے جد و جہد کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

تعلیم انگریزی کا ہندوستان میں جب آغاز ہوا تو نصاب تعلیم اور اوقات تعلیم میں کچھ اس کا انتظام نہ تھا جس سے قومی و مذہبی معلومات پیدا ہوں ایسے اشخاص جن کا مطمح نظر قوم کو ایک زندہ قوم بنانا تھا اُنھوں نے اس نقص کو دیکھا اور قومی کالج کی بنیاد رکھی اس میں مسلمانوں نے سبقت کی تعلیم یونیورسٹی کے ساتھ جس قدر قومی و مذہبی تعلیم کا انتظام ہو سکتا تھا اپنی درسگاہوں میں اُس کو قایم کیا لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ خود مسلمانوں نے

اس سے مستفید و مستفیض ہونے کی کوشش نہیں کی اس لئے ابتدائی انتظام جو کچھ ہو گیا تھا اس کی نہ تو کسی طرح کی افزائش ہو سکی نہ اُس میں التزام و انضباط کی شان پیدا ہوئی۔

مثلاً علی گڑھ کالج میں تعلیم دینیات کا جو انتظام رہا ہے مسلمانوں کی اولاد اگر اُس سے نفع حاصل کرنا چاہتی تو آج مذہب کے لیے اُن کا وجود اجنبی نہ ہوتا۔ منتظمین کالج میں بعض ایسے حضرات بھی برابر شریک رہے ہیں جن کی دلی تمنا یہ تھی کہ طلبہ میں ذوق مذہبی کم از کم اتنا تو ضرور پیدا ہو جائے جس کی چاشنی اُنھیں جہاں کہیں بھی رکھتے اور جس ماحول میں رکھے خدمتِ اسلام سے غافل و بے پروانہ ہونے دے یہ کوشش اُن کی برابر مسلسل جاری رہی لیکن ملک و قوم میں مذہب سے بے پروائی کی جو آندھی چل رہی تھی اُس میں یہ سعی پراگندہ و مضطر ہو کر رہی۔

معترضین کی فرض ناشناسی اس جگہ بغیر اس اظہار کے رہا نہیں جاتا کہ ٹرسٹیان کالج میں سے آج جس کے نام پر سب و شتم اور لعن وطعن کا بھیجنا قوم مسلم ثواب و عبادت سمجھ رہی ہے احاطۂ کالج میں دین کی خدمت اس وقت تک اُسی کی قسمت میں رہی وہ ٹرسٹی صاحبان جنھیں دعوتِ حق نے آج مخمور کر رکھا ہے ان کی تشریف آوری جب کبھی احاطۂ کالج میں ہوئی تو کرکٹ کے میدان کی رونق ہو گئی یونین کلب میں گرمی سخن کی دھوم دھام رہی لیکن اسباق دینیات پر ہمیشہ اُداسی ہی پڑی رہی۔ جنوری ۱۹۳۰ء میں بھی تین دن تک کالج میں قیام رہا مدت قیام میں کرکٹ فیلڈ اور یونین کی رونق خوب ہوئی لیکن درس تفسیر و درس تجوید تین دن تک سونا اور خاموش ہی رہا کبھی ان میں سے ایک صاحب نے بھی نہ تو تجوید کلاس میں شرکت فرمائی نہ درس تفسیر میں بیٹھے نہ دینیات کے لکچر کو کالج کلاسوں میں جاکر معائنہ کیا نہ کبھی مدرسین دینیات سے کوئی مشورہ کیا نہ طلبہ میں ذوق مذہبی کسی وقت پیدا کرنے کی کوشش کی ہاں جب

سر گاندھی کا کلمہ پڑھتے ہوئے اُس کی اُمت میں داخل ہوئے تو اس تلقین کی تبلیغ
شروع کی کہ نیشنل کالج بناؤ کتابیں طاق نسیان کے حوالہ کرو بارہ گھنٹے یومیہ چرخا چلاؤ
سیاست سلطنت علم مذہب اور خلافت سب اس چرخے کی گردش و چکر سے تمہیں
حاصل ہو جائے گا۔

اس وقت تک قومی اسکولوں اور قومی کالجوں نے جو کچھ خدمت ملک و قوم کی کی ہے
وہ آج سامنے موجود ہے لیکن بلند ہمت فراخ حوصلہ ہمدردان قوم نے اسے بھی اپنے
اغراض و مقاصد کے لئے محض ناکافی سمجھا اس لئے یونیورسٹی کے خواہاں ہوئے۔

قومی یونیورسٹی کا خیال بھی آج سے ۵۴ برس قبل جس کے دماغ میں آیا وہ اسی
مصیبت زدہ قوم مسلم کا ایک فرد تھا اب کہ یونیورسٹیاں مل گئی ہیں اُن کی آزادی کا
سوال درپیش ہے غرض تعلیم کے متعلق اس وقت جو کچھ کہا جا رہا ہے یہ وہی صدا ہے
جس کی منادی تیس برس سے مسلمانوں میں پکاری جا رہی ہے افلاس بے پروائی
اور برکات علمیہ سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے جواب اگر مسلمانوں کی ایک یونیورسٹی ہوئی ہے
جس کے انجام کا علم عالم الغیب کو ہے۔

ہاں جس آزاد یونیورسٹی کی آواز بندگان گاندھی نے اس وقت بلند کی ہے اس کا
خصوصی امتیاز سب وشتم اور لعن وطعن البتہ ہے اس فتنہ انگیز اور دل آزار جز کو اگران کی
تقریر وتحریر سے الگ کر لیا جائے تو یہ وہی دیرینہ سی سالہ تمنا ہے بلکہ اگر بہ نظر انصاف
دیکھئے تو حامیان قوم نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔

ملک نے کامل غور کے بعد یہ طے کر لیا کہ مسلمانوں کو اگر کسی وقت آزاد یونیورسٹی
مل بھی گئی تو علوم وفنون کا غیر زبان میں پڑھنا عمر کو برباد کرنا ہے کسی قوم کے لئے

یہ بہت بڑی مصیبت ہے کہ علوم کو اجنبی زبان میں حاصل کرے اس دشواری کو اُس ذات نے حل کیا جس کے جود و کرم کا شفیق و مہر پرور ہاتھ ہمیشہ مسلمانوں کی طرف دستگیری و تسکین کے لئے بڑھتا رہا ہے یعنی خسرو دکن شہنشاہ حیدرآباد نے ایک دارالترجمہ قایم کیا علوم و فنون کے تراجم اُردو زبان میں ہوئے اور ہو رہے ہیں ایک اُردو یونیورسٹی کی بنیاد قایم کر دی گئی جو ابھی اپنے عہد رضاعت میں ہے لیکن اپنی رونق و قوت سے اپنے شباب کا خوش آیند نظارہ پیش کر رہی ہے بیشک اگر ہندوستان کو آزاد یونیورسٹی کی اجازت ہو گئی یا موقع مل گیا تو اُس وقت یہی اُردو یونیورسٹی آزاد تعلیم کی مربی ہوگی

دوستو ناقص کو کامل بنانا کامل کو کامل تر کی حیثیت تک پہنچانا ترقی و کمال پذیری ہے موالات و عدم موالات سے اس کا کیا تعلق اس وقت گفتگو مسئلہ موالات میں ہے نقص اور اُس کے دفاع کا مسئلہ درپیش نہیں نقص تعلیم ایک مسئلہ مسلّمہ ہے اور دفاع کی تجاویز بعض زیر عمل اور بعض زیر بحث۔

آپ نے یہ کہا کہ ترک موالات اور نان کوآپریشن باہم مرادف ہیں مسٹر گاندھی نان کوآپریشن کے حدود جو کچھ متعین فرمائیں اور جس طرح اس میں توسیع کرتے جائیں وہ سب ترک موالات میں داخل ہوتے جائیں گے۔

اسی بنا پر سب سے پہلے آپ نے اسلامی تعلیم گاہوں کی طرف توجہ فرمائی مسئلہ الحاق اور امداد مالی ان دونوں کو آپ نے فریق محارب سے امداد و استمداد قرار دیتے ہوئے ان پر قالص موالات کا حکم صادر فرمایا ایسی درسگاہیں جو گورنمنٹ سے امدادی روپیہ لیتی ہیں اُن میں پڑھنا پڑھانا یا کسی اور صیغہ میں اُس کے ملازم رہنا آپ نے حرام اور کفر قرار دیا حالانکہ بحیثیت ٹرسٹی آپ خود اُس سے تعلق رکھتے تھے اور اس وقت تک بھی یہ علاقہ آپ کا

باقی ہی شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ آپ اس تعلق سے اصلاح چاہتے ہیں پس آپ کا اقدام
نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہی لیکن معلمین کا مقصود افساد مسلمین وتائید عیسائیت کے سوا کچھ
اور ہو ہی نہیں سکتا اس لئے حرام وکفر جیسا کہ سنین ماضیہ میں دونوں کے آثار خدمت کا
تجربہ ہو چکا ہی۔

بہرحال اس بحث کو چھوڑیئے اس لئے کہ اس وقت، دین مذہب ایمان اور اسلام،
صرف آپ کے اعمال واقوال کا نام ہے نتیجۃً اسلام وایمان کی تعریف کچھ اور ہی
ہوگئی ہے۔

تعلیمی امداد کا مسئلہ

لیکن ادب سے یہ گزارش ہی کہ وہ اشخاص جو ابھی آپ کا وہ مرتبہ تسلیم نہیں
کرتے جس منصب کا آپ کو ادعا ہے بلکہ وہ اسی واحد قہار کے ماننے والے ہیں جو آپ کا
اور جملہ عالم کا خالق ورب ہی اور اسی نبی کو پیغمبر یقین کرتے ہیں جسے حق سبحانہ نے خاتم النبیین
فرمایا ہی ایسے اشخاص کے لئے مجرد آپ کا فرمان اُس وقت تک لاسود ہو گا جب تک
آپ اُن کے معبود احکم الحاکمین کا حکم یا اُن کے پیغمبر صادق مصدوق کا ارشاد پیش نہ فرمائیں

لہذا نہایت عاجزانہ آپ حضرات گرامی قدر سے فقیر اس مسئلہ کو سمجھنا چاہتا ہے کہ.
از روئے شریعت اسلام مالی امداد اور الحاق مدارس موالات کیوں کر ہے مالی معاونت
کی حقیقت یہ ہی کہ گورنمنٹ ہم سے تعلیمی ٹیکس وصول کرتی ہے اس کا مالگذاری اراضی سے کوئی
تعلق نہیں یہ تو وہ رقم ہے جسے علاوہ لگان ہم ہندوستانیوں سے وصول کیا جاتا ہے
ہندوستانی اپنے کمائے ہوئے اور حاصل کئے ہوئے روپے میں سے ادا کرتے ہیں
ٹیکس کے نام سے گورنمنٹ ہم سے لیتی ہی اور مدد کے نام سے ہمیں واپس دیتی ہی اس
لین دین اور الٹ پھیر میں نہ عیسائیت کی مدد نہ نصرانیت کی معاونت اپنا ایسا دیا ہوا

مال جو تعلیم ہی کے لئے ادا کیا گیا تھا جب اُس کی واپسی ہوئی تو یہ موالات کیوں کر ہو گیا۔

(۱) کیا کافر کے ہاتھ میں جب اپنا مال پہونچ جائے تو اُس کی واپسی موالات ہو جائے گی۔

(۲) کیا زبردست کافر جب کسی ناتواں سے کچھ چھین لے پھر اُسے واپس کرے اور واپس کرتے ہوئے اپنے احسان و امتنان کا اظہار کرے تو کیا وہ ضعیف جو اپنے مال کی طرف محتاج بھی ہے بایں خیال اُس کے لینے سے انکار کرے گا کہ اس طرح مال کی واپسی موالات ہے۔

(۳) خلافت کے متعلق سلطنت برطانیہ سے آج جو کچھ طلب کیا جا رہا ہے اگر برطانیہ یہ کہکر واپس کرنا چاہے کہ یہ میرا احسان و کرم ہے جو فتح کئے ہوئے ملک کو واپس کرتا ہوں ساتھ ہی ایک معاہدہ جس میں آئندہ کے لئے اپنے ساتھ عمل معروف کا خلافت سے مطالبہ ہو پیش کرے تو کیا مسلمان اپنے ملک کو واپس لینے سے اس بنا پر انکار کر دیں گے کہ یہ موالات ہے براہ کرم قرآن حدیث یا فقہ سے اس کا جواب دیجئے اور اسے ثابت کیجئے کہ اپنے مال کی واپسی کا فریا فریق محارب سے موالات ہے کفر ہے حرام ہے نفاق ہے۔

تغیر عالم کو دیکھتے ہوئے علماء کرام نے اپنے دل و دماغ کو سیاسیات کی فکر سے ایسا بے نیاز کر لیا تھا کہ علامہ ابن خلدون کو اس مقدس گروہ کے حق میں یہ فیصلہ دینا پڑا کہ ابعد الناس عن السیاسیۃ ھم العلماء یعنی علماء کا دماغ سیاست کے سمجھنے سے بہت ہی دُور ہے یہ فیصلہ کیوں جائز رکھا گیا اور اس کے اسباب و علل کیا ہیں اس وقت اس سے بحث نہ کیجئے صرف اس قدر ملاحظہ فرمائیے کہ آج یہ فیصلہ صدق و حق کے معیار پر

کیسا گہرا ثابت ہو رہا ہے۔

ہندوستان میں ریفارم اسکیم کا منا لفظ سوراج کا شاہی خاندان کے رُکن رکین کے زبان پر آنا کس کا نتیجہ ہے آیا مدارس عربیہ کے علما اور طلبہ کے فکر و عمل کا نتیجہ ہے یا تعلیم یافتگان علوم مغربیہ کے افہام و تفہیم اور جد وجہد کا ثمرہ ہی۔

علوم عربیہ کے جاننے والے اس وقت جس حال میں ہیں امور دنیاوی او رپولیٹکس حالیہ میں اُن کے دماغ کی بلندی حوصلہ وہمت کا علو قوت فکریہ کی صحت جس درجہ پر ہے وہ محتاج بیان نہیں ہندوستان کے ہر باشندے کو اس دینی گروہ سے روزانہ سابقہ رہتا ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔

علوم عربیہ جو جملہ مقاصد تعلیم کو علیٰ وجہ الکمال حاوی و محیط آج اُس کے جاننے والوں کی یہ حالت کیوں ہی اس کی تحقیق و تنقیح چھوڑی حالات و واقعات ہند کو دیکھئے کہ کیوں کر ہوئے اور کس کے ہاتھوں سے ہوئے۔

علوم مغربیہ اور مسلمان انگریزی سلطنت جب اپنے ساتھ علوم مغربیہ ہندوستان میں لائی تو ہندوستانیوں نے دیکھا کہ اب بقا اور نمود کی زندگی بغیر علوم مغربی حاصل کئے نا ممکن ہی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور ہندوؤں نے بڑھکر تعلیم انگریزی کا استقبال کیا خوش آمدید کا نعرہ بلند کیا جب اس قوم کے ایک خاص حلقہ میں یہ تعلیم پھیل گئی اور انگریزی کے واقف کار کچھ ہندوؤں میں تیار ہو گئے تو اُن میں احساس پیدا ہوا اور حکومت کے انداز فرماں روائی پر نکتہ چینی شروع کی اپنے حقوق کے باب میں صدائے احتجاج بلند کی ہوم رول سلف گورنمنٹ یا سوراج کا تخیل سب سے پہلے علم مغربی سے آشنا دماغ میں آیا حکومت خودمختاری کی صدا جس نے اپنے مُنہ سے نکالی اور ہندوستان کے رہنے والوں کو یہ سامعہ نواز نغمہ جس نے سُنایا وہ

انگریزی داں ہندوستانی تھا۔ کانگریس جو سوراج کا سنگ بنیاد ہے اس کی تاسیس اور پھر اس عمارت کی تعمیر و تکمیل جن ہاتھوں نے کی ہے وہ سب انگریزی خواں اور انگریزی داں ہیں۔

مسلمانوں میں جب علوم مغربیہ کا آغاز ہوا اور پھر ان میں بھی ایک تعداد تعلیم یافتوں کی تیار ہو گئی تو احساس و تاثر ہیاں بھی ظاہر ہونے لگے لیکن افسوس ع

ہم اُبھرتے ہوئے جھونکے ہیں خزاں کے آئے

یہ واقعہ ہے حقیقت ہے اس سے انکار کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے کہ ہندوستانیوں کا حکومت کے سامنے آنا اپنے مطالبات کو موثر پیرایہ میں پیش کرنا ثبات و قرار سے اپنے حقوق کے طلب میں مسلسل سرگرم کار رہنا اور پھر اپنی کامیابی کے لیے ایثار و قربانی سے دریغ نہ کرنا یہ سب تعلیم انگریزی کا ثمرہ ہے۔

آئین سلطنت پر جنھوں نے نکتہ چینی کی ہے وہ انگریزی خواں ہیں حکومت خوداختیاری کا جنھوں نے نعرہ بلند کیا ہے وہ انگریزی خواں ہیں غلامی کی ذلتوں کا جس نے احساس پیدا کیا ہے وہ انگریزی خوان ہیں قید خانوں میں سب سے پہلا قدم جن کا پہنچا ہے وہ انگریزی خواں ہیں دار و رسن سے جن کے گلے پہلے آشنا ہوئے وہ انگریزی خواں ہیں۔ ایک گوشۂ ملک سے دوسرے گوشہ تک جنھوں نے ہلچل مچا رکھی ہے وہ انگریزی خواں ہیں طرفگی یہ کہ سارے انگریزی خواں اُنھیں کالجوں کے تعلیم یافتہ اور سند یاب ہیں جن کا الحاق گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں سے ہے سرکاری کالج یا امدادی کالج میں تعلیم پانے سے اُن کے جذبات قومی نہ فنا ہوئے نہ مٹے الحاق نے امداد نے اگر ایسی غلامی ایسی محبت قلبی اور ایسی مزدوری کی تعلیم دی ہے جس کا نتیجہ ملک کے پیش نظر ہے تو کیا اچھا ہوتا

کہ سارے مدارس عربیہ کو امداد ملتی اور ان کا الحاق بھی گورنمنٹ کی یونیورسٹیوں سے ہوتا تاکہ آج مسلمانوں کے پاس بھی گروہ عربی خواں میں ایسی ہی آئین سلطنت کے غاشیہ بردار عشق و محبت انگریزیں سرشار اور خدمت سلطنت کے لئے مزدور موجود ہوتے۔

اس وقت علمار سیاسی میں جو خروش و جوش ہے وہ بھی نتیجہ انھیں انگریزی خوانوں کا ہے انھیں کے ہاتھوں نے انھیں جھنجوڑا جب ان کی آنکھیں کھلیں انھیں کے ہاتھوں نے سہارا دیا جب ان کے قدم اُٹھے انھیں کی آوازوں نے ان کی زبانیں کھولیں جب یہ بولنے لگے رہا گروہ علمائے ربانیین کا وہ پہلے بھی عقلار دنیا سے بے نیاز تھا اور آج بھی مستغنی ہی ہے

ملک کا جناح اُن کے زیر قدم ہے
عزیزوں کا قد سامنے اُن کے خم ہے

اس وقت بھی اگر انگریزی خواں جماعت ان تحریکات سے الگ ہو جائے تو سارے جمعیت العلماء کے فضلائے یگانہ اپنی اپنی درگاہوں میں ہوں گے یا ممبر و محراب میں کسی یتیم خانہ یا مدرسہ یا مسجد یا انجمن اسلامیہ کا وعظ فرما کر آخر میں تحریک چندہ فرماتے ہونگے وزرائے انگلستان کے آرا پر تنقید اور سیاست ہند پر مباحثہ کسی کے وہم میں بھی نہ آئے گا ع گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش" فرماتے ہوئے سیاست کے سارے ابواب طے فرمادیں گے۔

اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فرمائیے کہ تعلیم انگریزی ہندوستانیوں کے احساس تاثر اور تقویہ کا واسطہ ہے یا فریق محارب کے لئے اجیر اور غلام وغیرہ بننے کا ذریعہ و واسطہ مسلمان اپنی ہستی قایم و باقی رکھنے کی غرض سے پڑھتے ہیں یا انگریزوں کی

معاونت و امداد کے لیے تعلیم پاتے ہیں ۱۸۳۵ء میں مسلمانوں نے ایک میموریل گورنمنٹ میں بھیجی تھی جس پر آٹھ ہزار مسلمانوں کے دستخط تھے درخواست یہ تھی کہ انگریزی تعلیم پر کوئی رقم صرف نہ کی جائے - اسی رقم کو گورنمنٹ علوم مشرقیہ پر صرف کرے اگرچہ اسی سال راجہ رام موہن رائے کی سرکردگی جو وفد ہندوؤں کی طرف سے پیش ہوا تھا اس میں یہ استدعا تھی کہ گورنمنٹ بجائے علوم مشرقیہ کل رقم علوم مغربیہ پر صرف کرے۔

آج گورنمنٹ اس وقت کو اور مسلمانوں کی میموریل کو یاد کرتی ہوگی کہ کاش مسلمانوں کی درخواست قبول کرلی جاتی تو گورنمنٹ کے سامنے ایسے ہی تعلیم یافتہ ہوتے جیسا کہ درسگاہ مشرقی نے تیار کیے ہیں - تار، ڈاکخانہ ریل وغیرہ اگر موالات کے قسم میں اس لئے داخل نہیں کہ اس سے مسلمانوں کا فائدہ ہے تو تعلیم انگریزی اور اسکول وکالج کا الحاق و مالی مدد بدرجۂ اولیٰ داخل موالات نہیں۔

مسئلہ موالات کے تحت میں یہ بحث اچھی طرح صاف و واضح کردی گئی کہ کفر کی حمایت یا کفر کی طرف رجحان کا نام موالات ہے مالی امداد جب کہ اپنے ہی مال کی واپسی ہو تو اس میں کفر کی طرف یا کافر کی طرف رجحان کا کیا احتمال پھر جیسا رجحان ہوا وہ اس ہنگامہ سے عیاں ہے اس پر بھی الحاق یا امداد مالی کو اگر موالات کہا جائے تو یہ شرعی مسئلہ کا بیان اور احکام دین کی تبلیغ نہیں ہے یہ تو کھلی ہرزہ سرائی اور فحش گوئی کا ایک حیلہ پیدا کرنا ہے۔

تعلیمی تناسب کا اثر یہ مسئلہ بالکل بدیہی ہے کہ ملک موجودہ اصلاح پر کام کرے یا انقلاب کے بعد کوئی اور پہلو اختیار کرے پرسش جب کبھی اور جہاں کہیں بھی ہوگی جماعت تعلیم یافتوں ہی کی ہوگی جس گروہ میں تعلیم یافتہ زیادہ اسی گروہ کا حکومت میں حصہ اور اقتدار زیادہ عہد

موجود ہیں ہندو تعلیم میں بہت آگے ہیں اسی سبب سے حکومت میں اُن کا حصہ بھی بہت ہی غالب ہی عملاً آدمی حکومت اگر اس وقت بھی ہندوؤں کی تعلیم کی جائے تو یہ حقیقت واقعی ثابت ہو گی۔ ہندوؤں نے اس قدر تعلیم حاصل کر لی ہے کہ اگر دس برس تک یکقلم تعلیم سے دست کش ہو جائیں اور مسلمان اس اثنا میں بڑی سرگرمی سے تعلیم حاصل کریں جب بھی ہندو تعلیم یافتوں کا شمار مسلمانوں سے المضاعف ہو گا۔

ہندوستان میں جس قدر کالج یا اسکول سرکاری ہیں اگرچہ نام و تنخواہ کا اُن کے تعلق سرکار سے ہے لیکن دراصل اُن کا فیض ہندوؤں کے لئے مخصوص ہو گیا ہے اختیارات وغیرہ کہیں بلاواسطہ اور کہیں بواسطہ چوں کہ ہندوؤں ہی کے ہاتھوں میں ہیں اس لئے امتحانات بھی اسی قوم کے حصے میں ہیں سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے صرف تین کالج ہیں علی گڑھ، لاہور اور پشاور۔

اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس ۱۲۵ ہی تین مسلمانوں کے اور ایک سو بائیس ۱۲۲ ہندوؤں کے ان میں سے اگر سرکاری کالجوں کو جن کی تعداد کل چونتیس ۳۴ ہی الگ کر لیجئے جب بھی اٹھاسی کالج خاص ہندوؤں کے رہ جاتے ہیں ان میں بائیس ۲۲ کالج ایسے ہیں جس میں گورنمنٹ کی امداد قطعاً شامل نہیں اور چھیاسٹھ ۶۶ ایسے کالج ہیں جن کو گورنمنٹ کی امداد جاری ہے تین اور اٹھاسی کی نسبت ذرا غور سے ملاحظہ کیجئے پھر تعلیم کی اہمیت کا فیصلہ کیجئے سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس ۴۶ ہزار چار سو چھتیس ۴۳۶ (۴۶۴۳۶) ہی جن میں سے مسلمان طلبہ چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ۴۱ ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہی۔

کہا جاتا ہی کہ ہندو چوبیس ۲۴ کروڑ اور مسلمان سات کروڑ ہیں اس تناسب سے جب کہ

مسلمانوں کے تین کالج تھے ہندوؤں کے بارہ ہوتے۔

مسلمان طلبہ کی تعداد کالجوں میں چار ہزار تھی تو ہندو سولہ ہزار ہوتے لیکن جب کہ واقعہ نمونہ عبرت پیش کر رہا ہو تو سلسلہ تعلیم کو تہ و بالا کرنے میں کس کا نقصان ہے۔

جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں اُس قوم کا یہ ادعا اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں اگر خبط و سودا نہیں تو اور کیا ہے سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "رائے بے طاقت مکر و فسون ست و طاقت بے رائے جہل و جنون"۔

مشرقی تعلیم کی کس مپرسی انگریزی تعلیم جس سے معاش وابستہ تھی اُس کا جب یہ حال ہے تو عربی تعلیم کا کیا انجام ہوا ئے شہد ا ئے علوم مشرقیہ سے پوچھے علم کی مسندیں ویران ہوگئیں مدارس دینیہ سُونے پڑ گئے نہ پڑھنے والا ملتا ہے نہ پڑھانے والا۔

مدرس اوّل کی تلاش میں اعلیٰ مدارس سرگرداں ہیں جستجوئیں کرتے ہیں بیش قرار تنخواہیں دیتے ہیں لیکن مدرس ہے کہ نہیں ملتا سارے ہندوستان میں پھر آئیے پانچ چھ عالموں کے سوا کوئی ساتواں اور آٹھواں نہ ملے گا۔ یہ تو آپ کے جمیعت العلما کے اولین برکات میں سے ہے جہاں ایک اعلان پر پانچسو عالم جمع ہو کر فتویٰ مرتب کر دیتے ہیں لیکن افسوس کہ وہ عالم اُن میں سے نہیں ہوتے جو اُن کا فیض ہم خاکیوں تک متعدی ہوتا۔

علوم عربیہ و دینیہ سے مسلمانوں کی لاپروائی و توحش کا اس سے اندازہ کیجیے کہ ندوۃ العلما کی اس وقت کیا حالت ہے:-

ندوۃ العلما کی بنیاد جس اصول پر رکھی گئی تھی اُس سے مقاصد تعلیم زمانۂ حال کے مطابق علیٰ وجہ الکمال پورے ہوتے تھے علمائے اہل سنت کا اختلاف نظام تعلیم سے نہ تھا

یہ مسئلہ تو متفق علیہ تھا۔

ندوہ نے بجملہ علوم عربیہ و دینیہ کے ساتھ تعلیم انگریزی بھی داخل نصاب کی تاکہ اس مدرسہ کا فارغ التحصیل طالب العلم اگر انگریزی تعلیم حاصل کیا چاہے تو پانچ برس میں گریجویٹ ہو جائے اور اگر مطالعہ و محنت سے کام لے تو اس قدر استعداد اُس میں موجود ہی کہ بغیر داخلہ کالج قوت مطالعہ سے ہر طرح کا فائدہ کتب انگریزی سے حاصل کر سکے۔

ندوۃ العلماء کے سند یافتہ اس وقت ملک میں موجود ہیں اُن کی لیاقت وفضل کا ثبوت اُن کی مصنفہ کتابوں سے ملتا ہے قوم میں اگر علم کی تشنگی ہوتی تو اس وقت ندوۃ العلماء میں کم از کم دو ہزار طلبہ مشغول درس و تدریس ہوتے مالی حالت اُس کی ایسی ہوتی کہ دربدر کاسۂ گدائی لے کر نہ پھرنا پڑتا لیکن اس وقت جو خستہ و شکستہ حالت اُس کی ہو رہی ہے وہ اہلِ بصیرت سے مخفی نہیں۔ بڑے مدارس اہل سنت اُن سے چشم پوشی کا یہ حال ہے کہ آج اس کی بھی خبر و تمیز نہیں کہ اہل سنت کے کیا معنی ہیں اور اس کی صحیح تعلیم کہاں مل سکتی ہے۔

دوستو جا بجا مختلف کالج اور اسکول قایم کرنے سے تو یہ کہیں بہتر ہوتا کہ اوّلاً تم اپنی مجموعی قوت سے ندوۃ العلماء کی تائید و تقویۃ کرتے جو باکمال ہستیاں کہ اس وقت علوم عربیہ کی امین و خازن ہیں اُنھیں ندوۃ العلماء میں لا کر جمع کرتے اور اس اجتماع سے لائق ترین فضلا ایک کافی تعداد میں ملک و قوم کے لئے تم تیار کر لیتے۔

الحاق کا سوال تو ندوہ میں تھا ہی نہیں امداد لیتا تھا سو اُس نے بند کر دی انگریزی تعلیم پہلے سے موجود ہی عربی و دینی علوم تو اُس کا اصل جوہر ہی اس سے بہتر اور کیا مختلف کا نمونہ تمہارے ذہن میں ہی ہاں چرخہ چلانا مسلمانوں کو کافر کہنا دین کی کافر سے سیکھنا رامائن کی پوجا میں شریک ہونا بیشک وہاں کے نصاب سے خارج ہی۔

عزیزانِ وطن ایسے وقت میں جب کہ اسلام اپنے متبعین کو آخری پیغام بیداری کا دے رہا ہو کیا یہ اسی کا موقع تھا کہ مسلمانوں کی جماعت اس طرح پراگندہ کر دی جائے ان میں ایسا افتراق ڈالا جائے کہ گھر گھر نزاع قایم ہو جائے۔

کیا یہ اسی کا وقت تھا کہ مسلمانوں کے رہے سہے اخلاق بھی تباہ و برباد کر دیئے جائیں کیا یہ اسی کا محل تھا کہ ان کی بچی بچائی ہستی یوں کفار میں مدغم کر دی جائے۔

اسلامی تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ بعد شہادت شہزادہ کونین حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ مختار بن ابی عبید ثقفی نے دعویٰ تو یہ بلند کیا کہ مظالم اہل بیت کا عوض لینا چاہتا ہوں لیکن جو خیال کہ اُس کے دل میں مکنون تھا بعد کامیابی اُس کا ظہور ہوا پھر جو نتیجہ مختار کا ہوا صفحات تاریخ میں وہ عبرت و بصارت کا سبق آج بھی موجود ہے۔

نوحہ خوانانِ خلافت اسلامیہ کی سوگواری مختار ثقفی کی رخنہ اندازی اور ذاتی جلوہ آرائی کی ہو بہو تصویر ہے ان کی جبروتی و خود نمائی ان کے مضرات کا پردہ فاش کر رہی ہے لیکن اس وقت ان کے شرکِ تقویٰ نام کو تو حوالہ بخدا کرتا ہوں مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین ؀

لیکن مسئلہ تعلیم جس پر ساری قومی ترقیوں کی بنیاد ہے اس کے متعلق ان بلند بانگ حضرات کے تباہ کن فرمانوں کی حقیقت کا اظہار منظور ہے۔

عزیزانِ وطن اگر ان حضرات کو خلافت کی ہمدردی ہوتی اور دل میں اسلام کا درد ہوتا تو خدمتگزاری دین کی وہ روش اختیار کرتے جو صلحائے اُمت کی سنت سنیہ ہے اقوام و امم کی تاریخ موجود ہے اُسے دیکھ لو۔

مصلحین اُمت نے اصول تدریج و آہستگی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا مصلح کی

تقریر شفقت و ہمدردی سے لبریز ہوتی ہے وہ قوم کے ہاتھوں سے جفائیں اُٹھاتا ہے مصیبتیں جھیلتا ہے لیکن غمگساری و رافت کی روش سے متجاوز نہیں ہوتا اُس کے جلال میں ایک شان جمال ہوتی ہے اور اُس کے قہر میں رحمت کا جاں نواز پیام ہوتا ہے۔

اُس کی زندگی میں مظلومیت کے واقعات بکثرت ملتے ہیں لیکن ظالمانہ حرکات کا اُس کے اعمال میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا قوم سے وہ فحش و دلخراش الفاظ سنتا ہے لیکن جواب میں قول معروف اُس کی زبان پر ہوتا ہے وہ اپنی ہستی مٹاتا ہے اور قوم کی اخلاقی و مذہبی ہستی قایم کرتا ہے اُس کی پاک و بے ریا زندگی منکرین و معاندین کے گروہ کو بھی آخر کار راستی کا گرویدہ اور حق کا جویندہ بنا دیتی ہے ؎

سوختم خود را و طرز سوختن
شمع را پروانہ را آموختم

لیڈران قوم کی عجیب و غریب تحریکات پر نظر ڈالیے اُن کے تشکلات کی بوقلمونی دیکھیے پھر باوجود اس کورانہ لیڈری کے اُن کی اُس شدت و سختی کا لحاظ فرمائیے جسے مسلسل ہر کس و ناکس کے ساتھ عمل میں لایا جا رہا ہے اُس کے بعد یہ فیصلہ بسہولت کر لیجیے کہ یہ مصلح ہیں یا مفسد و اشرار۔

قومی قوت کے ارکان | قومی طاقت کا انحصار تین چیزوں میں ہے مادی اخلاقی اور روحانی اس وقت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ مسلمانانِ عالم ہر طرح کی طاقت اپنے ہاتھوں سے کھو چکے ہیں مادی قوت کا فقدان تو روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے رہی قوت اخلاقی و روحانی اُس کے متعلق شاید بعضوں کو یہ دھوکا ہو کہ مسلمانوں کے پاس ابھی یہ سرمایہ باقی ہے لیکن اگر آپ بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں گے تو خود معلوم ہو جائیگا کہ مسلمانوں کی

یہ متاع بے بہا بہت پہلے لُٹ جا چکی ہے ہاں کچھ دُھندلی سی نشانی رہ گئی تھی اس صدی میں مسلمانوں نے اُسے بھی اپنے ہی ہاتھوں مٹا دیا۔

میں اس کی تفصیل و تثبیت کرنا نہیں چاہتا کہ مسلمانوں کے اخلاق میں اس درجہ تنزل آگیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ معیار اسلامی پر ان کے اخلاق کھرے ثابت نہیں ہوتے نہیں بلکہ دیگر غیر مسلم اقوام کے اخلاق سے بھی ان کا اخلاق کہیں فروتر ہو گیا ہے رہی زندہ حقیقت وہ عنقا کا دوسرا نام ہے۔

اگر کوئی مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی کمزوری اس درجہ تسلیم نہیں کرتا تو اس سے میرا خطاب بھی نہیں ہے لیکن حقیقت بیں حضرات سے گزارش ہے کہ جس قوم کے پاس نہ دولت ہو نہ اخلاق نہ علم ہو نہ تدین ایسی گری ہوئی مُردہ قوم کے سامنے وہ پیش کرنا جو کسی زندہ قوم کے لئے سزاوار تھا خیر خواہی نہیں بلکہ بد خواہی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ایک طفل نو زائیدہ کو ایک وقت میں دودھ چھوڑنا پڑے گا اور غلہ کھانا ہو گا لیکن اگر کوئی بہ لحاظ آیندہ آج ہی اُسے روٹی کھلانی شروع کر دے اور دودھ چھوڑا دے پھر دلیل یہ لائے کہ جو غذا دو برس بعد اس کی ہو گی اُسے آج ہی اختیار کیا جائے۔

اور جو چیز دو برس بعد ضرور چھوڑنی ہو گی اُسے آج ہی ترک کیا جائے تو فی الحقیقت ایسا عمل کرنے والا اُس طفل نو زائیدہ کا خیر خواہ نہیں ہے بلکہ قاتل ہے اپنی بد نیتی کو اپنی سوفسطائیت سے مخفی رکھنا چاہتا ہے۔

امعان نظر سے کام لیجئے تو لیڈران موسمی کی تحریک کی سرتاسر سوفسطائیت معلوم ہو جائیگی وہ باتیں جو بعد قوت وطاقت کے کئے جانے اور کئے جانے کے قابل تھیں

جس حالت ضعف میں اس شدومد سے پیش کرنا فی الحقیقت ناتواں قوم کو مٹا دینا ہے۔
ہندوؤں کی تعلیم گاہوں کی خبر نہیں اس لئے اُن کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا
جا سکتا کہ ان میں کس قدر طاقت ہے لیکن مسلمانوں کی تعلیم گاہوں کا ضعف و اضمحلال
ہر پہلو سے واضح ہے اور یہ وہ اس جدوجہد کے جس میں تیس برس سے دردمندان قوم مسلسل
مصروف ہیں مسلمانوں کے پورے ہندوستان میں تین کالج قایم ہو سکے یونیورسٹی کا غلغلہ
جب اس زور شور کے ساتھ اُٹھا کہ خواندہ و ناخواندہ اور محتاج و امیر دونوں یکساں
جوش سے لبریز معلوم ہو رہے تھے تو اُس وقت جو سرمایہ جمع ہو سکا اُس کی مقدار
تیس لاکھ سے کچھ زیادہ ہی اُسی کے مقابلہ میں ہندو یونیورسٹی کو دیکھئے اس کے لئے جو
سرمایہ فراہم ہوا ہے اُس کا اندازہ ہندو یونیورسٹی کو دیکھنے سے کیا جا سکتا ہے لیکن
مثال کے لئے ایک واقعہ پر اکتفا کیجئے۔

انہیں ایام میں جب کہ کالجوں کے الحاق و ترک امداد مالی کا مسئلہ اُٹھایا گیا پنڈت
مالویا جی ایک ہفتہ کے لئے بمبئی کا سفر کرتے ہیں اور سات دن میں اُس قدر روپیہ
لے آتے ہیں جس قدر مسلمانوں کا کل سرمایہ یونیورسٹی ہے۔

تعداد کالج اور تعداد طلبا مسلمین ابھی گزارش کر چکا ہوں۔ مالی حالت کے لئے
ایک واقعی مثال پیش کر دی گئی اگر اس سے زیادہ واضح بیان کروں تو اس کا خوف ہے
کہ شاید مایوسی کوئی اور مضر نتیجہ پیدا کرے لہذا ناظرین سے یہ گزارش کہ وہ اپنی توجہ مسئلہ
مدارس کی طرف مبذول فرمائیں۔

اسلامی درسگاہوں میں منتظمین کالج و اسکول نے ابتدا میں بعض ایسے امور اختیار
کئے کہ جن سے اپنی تعلیم گاہ کو فروغ دینا اور طلبہ میں بلند حوصلگی کا پیدا کرنا منظور تھا۔ علی

وحکام سرکاری کا آنا تقسیم انعام میں شریک ہونا چاہئے کی دعوت میں مجتمع ہونا وغیرہ وغیرہ ان سب کی غایت یہ تھی کہ طلبہ سے جھجک دور ہو اور احتجاب و اضطراب مٹ جائے تاکہ آیندہ زندگی میں انھیں ہر طرح کی سہولت ہو سکے۔

لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ان امور نے جو مقاصد کے لئے محض ذریعہ واسطہ تھے مسلمانوں کی پست ہمتی اور حوصلہ کی شکستگی سے خود مقصود بالذات کا مرتبہ حاصل کر لیا اس لئے بجائے منزل رساں ہونے کے پاؤں کی زنجیر ہوگئے۔ اس کی ایسی مثال ہوئی کہ ایک شخص کے دل میں یہ ذوق پیدا ہوا کہ اجرام فلکی میں صنعت خالق السماوات کا مطالعہ کرے اس مقصد کے لئے ایک دوربین کی تیاری شروع کی لیکن اس کے کل پرزے کے تزئین و تحسین میں ایسا مصروف و مشغول ہوا کہ عمر اس کی تمام ہو گئی اور کبھی اُسے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا نصیب نہ ہوا اور واسطے کو بھی واسطہ کو مقصود بالذات سمجھ لیا جائے گا تو اُس سے یہی محرومی حاصل ہو گی۔

ایسے دردمند مسلمان جنھیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کو من حیث قوم مسلم اُسی وقت ترقی نصیب ہو گی جب کہ ان میں حقیقی معیار قومی پر تعلیم کا اجرا ہو گا انھیں حضرات سے فقیر بینوا کی یہ التماس ہے کہ یہ موقع ایک لمحہ تغافل کا بھی متحمل نہیں ضرورت ہے کہ جلد سے جلد تر باہمی مشورے سے تعلیم گاہوں کا ایک صحیح نصب العین قرار دیا جائے۔

پہلے واقعات و ماحول پر گہری نظر ڈالی جائے مسلمانوں کی موجودہ مادی اور ذہنی استطاعت کا صحیح اندازہ کیا جائے اس کے بعد ایک ایسی شاہراہ کی طرف رہبری کی جائے جو فی الحقیقت منزل رساں ہو نیز اُس پر کثیر تعداد کا چلنا سہل و آسان بھی ہو

اصول شریعت مزاوحت بیضا کو مد نظر رکھکر یہ گزارش ہی کہ طلبہ میں احساس و

ایثار پیدا کیا جائے بظاہر یہ دونوں امور محض ہی خفیف معلوم ہوتے ہیں لیکن فی الحقیقت

تمام ترقیوں کا راز انھیں دو باتوں میں مخفی ہے۔

موجودہ ہنگامہ آرائی کو دیکھتے ہوئے احساس کی تحریک اوبھی نظروں سے

گرجاتی ہی لیکن اس وقت فقیر کا خطاب لیڈر حضرات سے نہیں ہی بلکہ اس گروہ سے خطاب ہی

جو ہیج مذہب کا درد رکھتا ہی اور دین کی خدمت اپنی سعادت جانتا ہی ایسے نیک

نیت مخلص بندگوں سے مودبانہ التماس ہی کہ اس دور شور و فتن میں زبان درازی اور

نخش گوئی جو مسلمانوں کے ورد زبان ہو رہی ہے اس تباہ کن حصّہ کو علٰحدہ کر دیجیے پھر

اُس سوز قلبی اور جوش دلی سے مقابلہ کیجیے جو موقع جنگ بلقان پر ہر قلب مسلم میں

تھا تو چند ہی لمحات کے تفکر میں آپ کہہ اُٹھیں گے ع

اے طبل بلند بانگ در باطن ہیچ

اس بحث کو نہ چھیڑیے کہ مسلمانوں کا موجودہ جوش مذہبی ہے یا سیاسی ملکی ہے یا

دینی مصنوعی ہی یا فرضی واقعی ہے یا وہمی۔

اس وقت تو اس التماس کو قبول کیجیے کہ طلبہ میں احساس پیدا کرنے کی ضرورت

ہی رہا یہ سوال کہ احساس کیوں کر پیدا کیا جائے اور پھر اُس احساس سے کس طرح مفید

نتائج پیدا کیے جائیں اسے اُس وقت تک ملتوی رکھیے جب کہ آپ حضرات کی منتخب

جماعت اس فیصلہ کے لیے مجتمع ہو۔

رہا دوسرا امر یعنی ایثار اُس کا درسگاہوں میں ایسا فقدان ہے کہ عربی مدارس بھی

اس سے محروم ہو گئے مدارس میں اولاً کس طرح کے ایثار کی حاجت ہی مختصر الفاظ میں اُس کی بھی

گذارش کیے دیتا ہوں عموماً درسگاہ کے تین ارکان ہوا کرتے ہیں پہلا رکن منظمین کی جماعت ہے دوسرا رکن جماعت معلمین و اساتذہ ہے تیسرا رکن جماعت طلبہ و متعلمین ہے طالب العلموں کو یہ چاہیے کہ تحصیل علم میں ہر وہ چیز جو سنگ راہ ہو اُسے بالکلیہ ترک کردیں وقت کی بربادی مطالعہ سے محرومی اکتساب تحصیل سے بے نصیبی جس معاشرت و عادات کا ثمرہ نتیجہ ہے اُسے یکقلم محو و سہو کردینے کا عزم بالجزم کرلیں۔

اساتذہ کو بھی اس ایثار میں طلبہ کا شریک حال ہونا چاہیے وہ وضع اور طرز زندگی جو منافی تعلیم ہے اُس سے دست بردار ہوں معلم صرف اُسی وقت استاد و سبق آموز نہیں ہے جب کہ وہ مسند درس اور کرسی تعلیم پر جا کر بیٹھے بلکہ اس کی پوری زندگی ایک خاموش درس اپنے تلامذہ کو ہر وقت دیا کرتی ہے نقوش و حروف کا درس دینا بہت آسان ہے لیکن اپنی عملی زندگی سے علمی و اخلاقی اسباق کی تعلیم حقیقی تعلیم ہے۔

منتظمین کی جماعت کو بھی اس قدر ایثار سے ضرور کام لینا ہوگا کہ وہ اساتذہ کو اپنا شریک عمل سمجھکر ساویانہ حیثیت سے تعلیم اور اس کے متعلقات کی طرف مشغول رکھیں اُن کی افسری و حکمرانی میں بھی ایک شان برادر نوازی اور عزت افزائی کی ہو وہ صحبتیں اور ملاقاتیں جو ضابطہ و قانون سے ماوراء ہیں اُن میں اخلاق و تواضع کا اور بھی دلگیر و جاذب قلوب نمونہ پیش کریں۔

اس وقت اس سے زیادہ تفصیل ایثار کی مقصود نہیں مصلحین قوم غور فرمائیں اور خود فیصلہ کرلیں کہ تعلیم گاہوں کے لئے کس طرح کے ایثار کی حاجت ہے آج جو نمونہ لیڈران موسمی ایثار کا پیش کر رہے ہیں اُس پر تو ہزار تن پروری و عشرت پرستی قربان ہے موٹا کپڑا پہن لینا بلا تنخواہ کسی کام کا ذمہ اپنے متعلق لے لینا نہایت سہل و آسان ہے

لیکن جس خدمت کا بار اپنے ذمّہ لیا جائے اُسے خدمت سمجھکر صحیح اور سچی محویت سے انجام دینا نہایت ہی اہم و معرکتہ الآرا رہی۔

مسلمانان ہند کو یہ موقع ضائع نہ کرنا چاہیئے اگر اس وقت بھی اُنھوں نے اپنی تعلیم گاہوں کا صحیح نصب العین قرار نہ دیا تو پھر آیندہ کے لئے ذلت و خواری سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں بہت سی لایعنی و فضول باتیں بہ تقلید یورپ مدارس میں اس طرح داخل ہو گئی ہیں جو خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے حق میں تباہ کن ہیں اس وقت ہمت دردمندی اور اخلاص کی سخت ضرورت ہی قدیم طرز کی گرویدگی اور یورپ کے ہر ادا پرشیفتگی سے اب کچھ حاصل نہیں۔

قطع نظر اُس تنبیہ و اعلام کے جو یورپ کے میدان جنگ سے ہولناک باز پرس اٰتی کی اطلاع مسلمانوں کو دے چکے خود لیڈران موسمی نے علما ریاسی سے مل کر مسلمانان ہند کو ایسے کفر و شرک کے بھنور میں پھنسا رکھا ہے کہ دو ہی تین برس بعد ہندوؤں کی ایسی متعصبانہ حکومت ان پر شروع ہو جائے گی کہ فرار کی راہ بھی نہ مل سکیگی۔

اس لئے آخر میں پھر نہایت نیازمندانہ التماس ہے کہ تعلیم گاہوں کی طرف سے غفلت نہ کیجئے۔ الحاق و امداد مالی نے نہ مسلمانوں کو تباہ کیا ہے نہ آیندہ کی تباہی کا ان سے خطرہ بلکہ مقصد تعلیم و تعلم سے بے پروائی کا یہ نتیجہ ہے جو پیش نظر ہے۔

لیڈران موسمی جو ترک الحاق و امداد مالی پر اپنا زور صرف کر رہے ہیں اُس کی یہ علت نہیں کہ ان دونوں امور کو وہ سنگ راہ مقاصد تعلیم یقین کرتے ہیں بلکہ انھیں تو مسلمانوں کا گھر تباہ کر کے ہندوؤں سے خلعت تشریف پانا ہی۔

ان کی جاہ طلب نگاہوں نے جب یہ دیکھ لیا کہ سلطنت برطانیہ کی روز افزوں

چشم عنایت نے ہندوؤں کو اس قابل بنا دیا کہ اب ہوم رول اور سوراج کا مطالبہ اُن کی زبان سے ایک صحیح و سچی تمنا کا اظہار ہے تو وہ اشخاص جن کی طینت میں حکومت کی غاشیہ برداری خمیر تھی اُنھوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ ساعت دُور نہیں جب کہ انگریز ہندوؤں کو اُن کا منہ مانگا سوراج دے کر خود اپنے ملک و وطن کو چلے جائیں اس وقت ہندوؤں کی اطاعت و فرماں برداری اضطراری و بے اختیاری ہو گی جس کی آستانۂ سوراج پر نہ کوئی قیمت ہو گی نہ کسی طرح کی قدردانی۔

لہٰذا ابھی مناسب ہے کہ قبل اس کے کہ ہندوؤں کو حکومت مل جائے اور انگریز حکومت ہند سے دست کش ہوں نئی ہونے والی حکومت کے ساتھ ابھی سے ارادت مندی و عقیدت کیشی کی سلسلہ جنبانی اُمید افزا ہے اسی ضمن میں انگریزوں سے بیزاری کا بھی اگر اظہار کر دیا جائے تو کچھ غیر مناسب نہ ہو گا۔

اسی نقطۂ خیال نے پرستاران حکومت کو غلامی ہنود پر مجبور کیا یہ خیال جس ہمت و جرأت کی تصویر پیش کر رہا ہے اور قوت ایمانی کی جیسی شکل دکھا رہا ہے اُسے چھوڑیے صرف از روئے دیانت و انصاف یہ فیصلہ کیجیے کہ اسلام و مسلمین کی اس میں کیا فلاح و بہبود ہے آج انگریزوں کی حکومت ہے کل ہندوؤں کی ہو گی تبدیلی حکومت اور خیر خواہی ملت میں کیا علاقہ ہے اسے حضرات لیڈر ہی ارشاد فرمائیں۔

ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن اس وقت انگلینڈ ہے اور انگلستان کی قوت ہندوستان کی بدولت ہے جب انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں نہ ہو گی تو اُس وقت مسلمانوں کا خلافت کا ترکوں کا سب سے بڑا دشمن کمزور ہو جائے گا یا عداوت کے قابل نہ رہیگا اس عجیب مغالطہ آمیز منطق کا جواب کیا دیا جائے۔

اس موقع پر ایک نقشہ پیش کرتا ہوں جو عالی جناب پروفیسر قاضی جلال الدین صاحب مُرادآبادی کے قلم کا نتیجہ ہے اُسے ملاحظہ فرمایئے سنہ ۰۸ء کا نقشہ پہلے ملاحظہ ہو اسی کے مقابل سنہ ۲۰ء کا نقشہ ہی اُسے دیکھئے جنگ طرابلس کا آغاز سنہ ۱۱ء میں ہوا ہی اور ۱۹ سنہ ۱۸ء میں جنگ یورپ کا خاتمہ ہے اسی آٹھ برس کی مدت میں ترکی سلطنت کیا سے کیا ہو گئی یورپین طاقتوں نے کس طرح اپنے حصے بخرے کر لئے اسے نقشہ میں پھر ملاحظہ کیجئے کرۂ ارضی کے وہ مقدس حصص جن پر صدیوں تک احد قدوس کا نام لیا گیا تھا جہاں سے تکبیر و تہلیل کی صدا بلند ہو کر کفار کے دل کپکپا دیا کرتی تھی آج وہاں تثلیث کا علم بلند اور کفر کا بازار گرم ہے اس خاکدان عالم میں اسلام کو سلطنت کرتے ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں اس اثنا میں متعدد خاندان اسلامی کے ہاتھوں میں شمشیر اسلامی کا قبضہ رہا بہت سے ملک فتح ہوئے بہت سی قومیں اسلام کی اطاعت میں آئیں لیکن قلب یورپ کو جس کی برش شمشیر نے صلیب پرستوں سے قطع کر کے خدا پرستوں کے مقبوضات سے واصل کر دیا وہ ترک ہیں۔

یہی وجہ ہے جو یورپ کا ہر عیسائی ترکوں کو دیکھ کر اپنی انسانیت اپنی مدنیت اپنی شان علمی اور اپنی تہذیب بھول جاتا ہی ترکوں کی تاریخ جنہوں نے مطالعہ کی ہے اُن کے لئے یہ کوئی راز نہیں کہ یورپ میں جس سلطنت نے طاقت و قوت حاصل کی وہی سلطنت ترکوں کی سب سے بڑی دشمن رہی ہے ایک زمانہ روس کی عداوت و سبعیت کا تھا اب انگریزوں کا وقت آیا ہی ابھی تیس برس کا بھی زمانہ نہیں گزرا جو اٹلی کا وجود محض حقیر و کس مپرس سمجھا جاتا تھا لیکن جوں ہی کہ اُس نے قوت حاصل کی اپنی حوصلہ آزمائی کے لئے اُسے طرابلس کا میدان سب سے پہلے دکھائی دیا۔

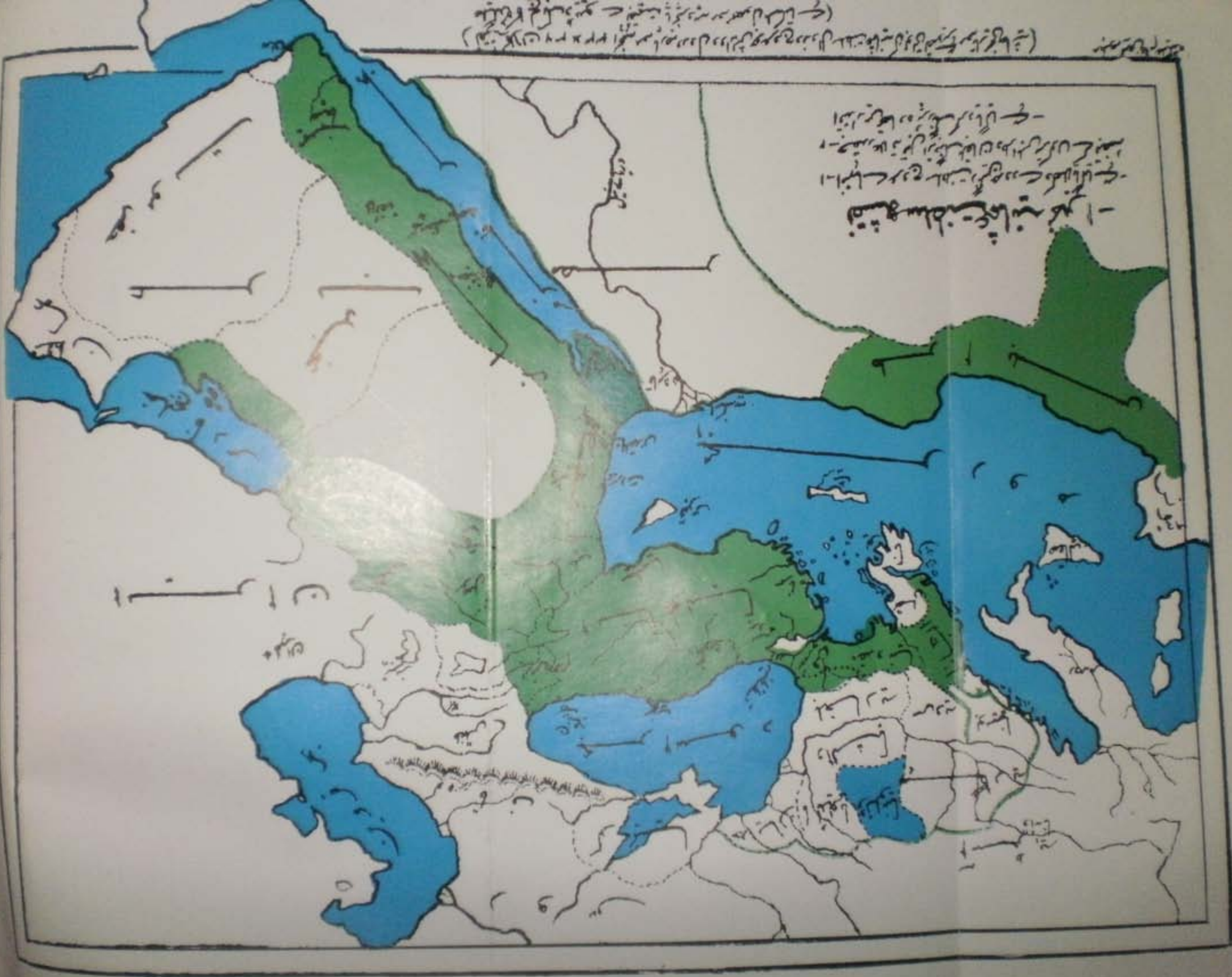

دوستو انصاف شرط ہی اس وقت زارِ روس کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا روسی سلطنت ایک عجیب اُمید وبیم کے عالم میں ہی لیکن روس کی تباہی سے ترک کہاں سلامتی کے برکات پاسکے اسی طرح اگر انگریز تباہ ہو گئے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہی کہ ترکی اقتدار قایم ہو جائے گا روسیوں کے بعد انگریز نمودار ہوئے تو ان کے بعد کوئی اور دوسرا حریف پیدا ہو جائے گا۔

اس حقیقت سے انکار کی تمھیں کیوں کر جرأت ہوتی ہی کہ قوم ہو یا شخص اپنی تاب و توانائی سے قایم و باقی رہ سکتا ہی نہ کہ دشمن کے ضعف و ہلاکت سے کیا ایک مریض نحیف اُس وقت تندرست و قوی ہو جائے گا جب کہ اُسکے دشمنوں میں سے ایک قوی دشمن ہلاک ہو جائے اور اپنی نیابت اُس کے دوسرے دشمن کے سپرد کر جائے۔

عزیزانِ وطن! پاک مذہب اسلام جس کی ساری تعلیمات کا جوہر توحید خدا پرستی ہی اُس کا دشمن تم صرف انگریزوں کو کیوں قرار دیتے ہو ہر وہ مذہب باطل جو دنیا میں موجود ہے یا کسی وقت اختراع کیا جا سکتا ہی وہ اس دین قویم اور صراطِ مستقیم کا دشمن جانی ہی کفر و اسلام میں جب کہ تضاد ذاتی ہے پس یہ محال عقلی ہے کہ کوئی مذہب کفر ٹھنڈی آنکھوں سے اسلام کو دیکھنا گوارا کرے ہاں مجبوری معذوری کی اور بات ہی قرآن کریم نے سیکڑوں جگہ اسی کی خبر دی ہے پس مسلمانوں کو خود اپنے آپ میں قوت پیدا کرنے کی ضرورت ہی نہ کہ غیر قوم میں جذب و مدغم ہونا یہی شریعت کا فتویٰ ہی اور یہی عقل سلیم کا حکم ایک دشمن سے نجات پانے کی تدبیریں رستگاری سے قبل دوسرے دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہو جانا نہ عقل کا فتویٰ ہے نہ تعمیل حکم شریعت الٰہی ہی۔

تلخیص ابحاث دارالاسلام اصفہانی (۱) گرامی قدر حضرات شور وغوغا اور جنگ وجدال کا موقع نہیں انصاف کے ساتھ

امر مابہ النزاع کو طے فرمایئے آپ نظام تعلیم میں تبدیلی چاہتے ہیں یہ کوئی نئی تمنا نہیں مدتوں سے اس کی سعی جاری ہے کلکتہ یونیورسٹی باوجود اُن تمام تعلقات کے جو گورنمنٹ سے اُسے حاصل ہیں باعتبار دیگر یونیورسٹیوں کی بہت زیادہ قوم اور ملک کے حق میں مفید ہوتی جاتی ہے سر آشوتوش مکرجی نے ریفارم اسکیم ملنے سے قبل اور اس سے پیشتر کہ صیغہ تعلیم کا منسٹر ہندوستانی ہو اپنے زبردست مدبرانہ تدابیر سے اس حد تک سہولت پیدا کر لی ہے کہ بقیہ چار یونیورسیٹوں کا نتیجہ ایک پلہ میں اور کلکتہ یونیورسٹی کا نتیجہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو پھر بھی کلکتہ یونیورسٹی کا پلہ بھاری رہیگا۔

پس اگر آپ کا مقابل فریق یہ عرض کرتا ہے کہ موجودہ تعلیم گاہوں کو تباہ نہ کیجئے بلکہ اپنے زبردست دلائل اور قوی براہین سے انھیں بھی فائدہ بخش بنایئے چار ہزار طلبہ جو اس وقت مصروف تعلیم ہیں اُنھیں ترک تعلیم کا وعظ نہ فرمایئے۔ ہاں چھ کروڑ ننانوے لاکھ چھیانوے ہزار مسلمانوں کے لئے جیسی تعلیم گاہ آپ چاہیں قایم کریں بس یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۲) انگریزی تعلیم یا انگریزی ملازمت یا ممبری کونسل مسلمانوں نے تائید عیسائیت و استحکام حکومت انگریزی کے خیال سے نہ اختیار کی تھی نہ اس وقت اس خیال سے اس کی تائید کر رہے ہیں بلکہ مقصود اس سے اپنا اور اپنی قوم کا نفع اور قیام تھا ہندوؤں کا بھی یہی مقصد تھا لیکن مسلمان اپنی سہل انگاری و تن آسانی کی بدولت مقصد سے غافل ہو گئے اور ہندوؤں نے مطلب و غایۃ کو ایک آن بھی فراموش نہ ہونے دیا پس اس وقت مسلمانوں کو صحیح مقصد و مطلب کی طرف متوجہ کرنا مفید ہے یا ہر ایک امر کے ترک کی تلقین منفعت رساں ہے یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۳) آپ مسلمانانِ ہند کو ہر طرح کی قوت وطاقت سے بھرپور تسلیم کرتے ہیں دوسرا فریق اُن کے ضعف وناتوانی کا یقین رکھتا ہے اس لئے اُس کی درخواست یہ ہے کہ پہلے قوت پیدا کیجئے پھر اُسی مقدار کی مناسبت سے اُنھیں عمل کا حکم دیجئے یہ التماس کفر وحرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۴) آپ اس پہلو کو بالکل نظر انداز فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال وتباہی کی حقیقی علۃ کیا ہے اسی لئے اُس جانب سے چشم پوشی ہے لیکن آپ کا فریق مقابل یہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کی بدعقیدگی توحید سے بے نصیبی عبادات سے بے تعلقی معاملات میں شریعت کی خلاف ورزی کا یہ نتیجہ ہے جو سامنے آیا ہے پس اصلاحِ مسلمین میں اس پہلو کو نظر انداز نہ فرمایئے یہ التماس کفر وحرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۵) آپ دین ومذہب کی حقیقت صرف اس قدر قرار دیتے ہیں کہ دنیا کمانے کا سب سے زیادہ موثر آلہ ہے انسان کو مطیع فرماں بردار بنانا اور اُنھیں جوش میں لانا مذہب کا نام لے کر بسہولت حاصل ہوتا ہے اسی غرض سے دانشمندوں نے مذہب کا ایجاد کیا لیکن آپ کا فریق مقابل یہ کہتا ہے کہ مذہب کے متعلق ایسا عقیدہ سخت الحاد وزندقہ ہے دنیا محض بے حقیقت شے ہے ہاں جب کبھی اہل حق کے پاس یہ آئی ہے تو اس کے متعلق دین کی خدمت گزاری ہوتی ہے خادم کو مخدوم سمجھنا نہ صرف نادانی ہے بلکہ جنون ودیوانگی ہے یہ التماس کفر وحرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

(۶) آپ یہ کہتے ہیں کہ دین ومذہب باقی رہے یا مٹ جائے لیکن دنیا کسی طرح ہاتھ آئے اسی خیال سے آپ ایک ہندو کو امام مہدی علیہ السلام کا رتبہ دیتے ہیں حدیث میں تحریف کرتے ہیں، تفسیر کی ناتمام عبارت نقل فرماتے ہیں۔ لیکن آپ کا فریق مقابل یہ کہتا ہے

کہ ساری دنیا بھی اگر ایمان فروشی پر مل جائے تو وہ ملعون ہے ہاں دین کی شوکت و قوت کے لئے اگر دنیا شرعی طور پر حاصل کی جائے تو وہ دنیا نہیں بلکہ محافظِ دین ہے جس طرح روح جب تک کسی جسم میں باقی ہے تو اس کے لئے ماکل و مشارب مساکن و ملابس و دیگر ضروریات زندگی کا سامان درکار ہوتا ہے لیکن ایک قالب بیجان جس سے روح نے مفارقت کرلی ہو تو اس کے لئے صرف لحد کا گوشہ کافی ہے پس اگر مسلمانوں نے اپنی قومی روح یعنی مذہب ہی کھو دیا تو پھر اس مردلاش کے لئے پیوند خاک ہی ہونے کا فتویٰ ہے یہ التماس کفر و حرام کس دلیل شرعی کی بنا پر ہے۔

جوش لیڈرین کے ... آخر اس تمام شدت و استبداد کا یہ عذر فرض کرلیا جاتا کہ اس وقت التہاب اندرونی نے گرامی قدر لیڈروں کو ایسا مضطرب کردیا ہے کہ آنکھوں سے نیک و بد کی تمیز اٹھ گئی ہے مضطر و بے قرار پر الزام کیا لیکن جب اس حقیقت پر نظر پڑتی ہے کہ یہ سارا جوش و خروش طرف اس لئے ہے کہ کفر کی گرم بازاری اور کفار کی چیرہ دستی ہو تو پھر سارا لفافہ کھل جاتا ہے اور آپ کے خودساختہ مذہب کی حقیقت بالکل ہی بے نقاب ہوجاتی ہے"

اہل بصیرت و ارباب خبرت سے یہ راز مخفی نہیں کہ بلند بانگ لیڈر کے قلوب آج بھی یورپ و انگریزیت کی محبت سے لبریز و مالا مال ہیں لیکن باوجود اس کے جو انگریزوں کو اس پابندی و التزام سے ہر روز برا کہا جاتا ہے کہ نمازیں ادا ہوں یا قضا تلاوت کلام مجید سے انھیں سعادت اندوز ہوں یا بے نصیب و محروم مگر یہ ورد قضا ہونے پائے اس کی علت نہ تو انگریزوں سے بیزاری نہ نفرت ہے نہ اسلام کی دردمندی و خیر خواہی بلکہ یہ بھی تقلید اہل ہنود و کفار میں ادا کی جارہی ہے۔

ہندوؤں کو انگریزوں سے نفرت ہے بلند بانگ لیڈر بھی نفرت کا اظہار انگریزوں سے

کرتے ہیں ہندوؤں کو سوراج چاہیئے بلند بانگ حضرات بھی سوراج کے لئے صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں ہندوؤں کو انگریزوں سے عداوت ہے اور وہ ان کے درپے اخراج ہیں بلند بانگ لیڈر بھی اس کی نقل اُتارتے ہیں خلاصہ یہ کہ انھیں تو ہنود کی رضا و خوشنودی مطلوب ہے جو وہ کہیں گے یا کریں گے بلند بانگ لیڈر اسی کی محاکات کر دیں گے۔

صلح نامہ ترکی میں اگر تبدیلی نہ ہوئی تو ایشیا میں برٹش گورنمنٹ کا اقتدار خیال سوراج کو باطل کر دے گا اس لئے ہنود بیتاب ہیں بلند بانگ لیڈر بھی باتباع ہنود مصروف مرثیہ خوانی ہیں۔

ہاں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ محبوب کا ذکر ایجاباً و سلباً ہر طرح لذت بخش ہوتا ہے خاص کر شاعرانہ تخیل معشوق کو قاتل ظالم سفاک بیوفا اور بدعہد کہے بغیر حق عاشقی سے سبکدوش ہی نہیں ہوتا اسی مناسبت سے اب سے قبل انگریزوں کے مناقب و اوصاف سے زبان لطف لیتی رہی اب اُن کی ہجو و ذم کی باری ہے۔ شاعرانہ مذاق پر اُنھیں کی یاد ہو رہی ہے اور اُنھیں کے نام کا ورد ہے۔

لیڈر کے اقسام اس وقت سطح لیڈری پر جن کا وجود سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ دو قسم کے اشخاص ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی ہستی اور نمود کا مدار اسی لیڈری پر ہے مسلمانوں کے سامنے اشتعال انگیز تحریکیں یکے بعد دیگرے پیش کرتے رہنا اُن کی لیڈری کی جان ہے ایک امر تباہ کن کا سامنے لانا اور پھر قبل اس کے کہ مسلمان اُس تباہی سے باخبر ہوں دوسری تباہی اُن کے سروں پر لا کر ہیجان میں ڈال دینا ان کی لیڈری کا جوہر ہے اسی کے ساتھ جلب مال کا اصول کسی حال میں نہ بھولنا لیڈری کی روح رواں ہے۔

دوسری قسم کے وہ اشخاص ہیں جن کی گورنمنٹ میں جب زیادہ قدردانی نہ ہوئی دربار وغیرہ کے مواقع پر معمولی اشخاص کے ذیل میں ڈال دیئے گئے تو پھر مجبور ع

دیکھا کہ وہ ملتا ہی نہیں کعبہ کو ہو آئے

اس میں ایک سر یہ بھی تھا کہ شاید حکومت پر ایسی دھمکی پڑ جائے کہ جس سے خائف ہو کر تلافی مافات کرے اسی کے ساتھ اگر دین پر بھی منت کرم داشتن کی رسم ادا ہو جائے تو کیا مضائقہ غرض نمایاں لیڈر کی حقیقت ان دو صورتوں سے خالی نہیں رہی ہے ان حضرات سے ما ورا اُن کے حسب حال غالب کا یہ مصرعہ ع

مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے

حضرات لیڈر انصاف شرط ہے موقع جنگ بلقان پر وفد طبیہ جانے کی تجویز ہوئی بلا اختلاف مسلمانان ہند نے اس تحریک پر لبیک کہا دل کھول کر چندہ سے وفد کی اعانت کی آپ اُس کا حساب نہ دیں لیکن اس قدر بتائیں کہ وفد طبیہ کے مصارف کا آپ کے اس وفد اپیل سے جو ابھی لائڈ جارج کی خدمت میں پیش ہوا تھا کیا مقابلہ ہے جب کہ مسلمان ایک موقع پر رقم خطیر خدمت خلافت کے لئے پیش کر چکے تھے جب کہ مسلمانوں کے روپئے سے مسجد کانپور کے متعلق آپ کو زیارت عروس البلاد لندن کا لطف مل چکا تھا تو پھر اس موقع پر بھی اگر اس خدمتِ دینی کی سعادت صرف مسلمانوں کے حصہ میں مخصوص رکھی جاتی تو کیا کفر و حرام ہوتا اگر مسلمان کا نی سرمایہ آپ کی عشرت پرستی کے لئے جمع نہ کرتے تو آپ بھی اپنے بعض لذتوں کو قربان کر دیتے ارتکاب محرمات شرعیہ اور اسراف بیجا سے محفوظ بھی رہتے اور ہندوؤں سے استعانت بھی نہ ہوتی جو موالات حقیقی ہے۔

حضرات لیڈر اہلِ حق کی آپ سے اختلاف کی اصلی وجہ یہی ہے کہ آپ اہلِ ہنود سے

وہ سارے تعلقات پیدا کر رہے ہیں جنہیں حق سبحانہ نے حرام فرمایا ہے۔ موالات اور وداد اور رکون یہ تین ایسے امور ہیں جنہیں ایک مومن کسی حال میں بھی کسی کافر کے ساتھ برتنے اور پیدا کرنے کا مجاز نہیں بنایا گیا آپ حضرات انہیں منہی عنہ امور کو نہ صرف جائز بلکہ واجب و فرض قرار دے رہے ہیں۔ بکمال غلو اور انتہائے انہماک سے کفر کی امداد اور مسلمانوں کے حقوق مذہبی کا اتلاف کر رہے ہیں اگر یہ نہ ہوتا تو آپ سے کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔

آپ جائز تعلقات کو انگریزوں سے موالات کہتے تھے ضعف کو قوت سمجھتے تھے غفلت کو تیاری جانتے تھے اہل حق آپ کے ان خیالات کو جوش مفرط پر محمول کر لیتے پھر آپ سے مخلصانہ عرض کرتے کہ جائز امور کو موالات کہنا شارع علیہ السلام اور شریعت پہ الزام ہے۔ لفظ موالات کا استعمال نہ کیجیے ضعف کو قوت سمجھنے میں مسلمانوں کی تباہی ہے غفلت کو تیاری سمجھنا دشمن کے ہاتھوں میں گرفتار ہونا ہے اُمید تھی کہ آپ گرامی قدر حضرات بھی سمجھ جاتے اور باہمی مفاہمہ و تبادلہ خیال سے اصلاح مسلمین کی کوئی صورت پیدا ہو جاتی۔

لیکن ستم تو یہ ہے کہ آپ گاندھی کو اپنا امام بناتے ہیں اور مسلمانوں کو اُس کی اقتداء پر مجبور کرتے ہیں آپ کفر کی حمایت کرتے ہیں اور مسلمانوں پر اعانت کفر کے لئے زور ڈالتے ہیں۔ زبردستی کرتے ہیں اہلِ حق قرآن کریم کا فتویٰ سُناتے ہیں آیۂ کریمہ کی تلاوت کیجئے۔

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین الخ — مسلمانوں کو نہیں پہنچتا کہ وہ مومنین کے سوا کافروں کو اپنا دوست یا مددگار بنائیں۔

موالات کی تفسیر گزر چکی ہندوؤں کے کافر ہونے سے آپ کو بھی انکار نہیں پھر نہ صرف یہ کہ

آپ اپنے دینی امور میں اُن سے مدد لے رہے ہیں بلکہ خود اُن کے دین کی آپ مدد کر رہے ہیں یہ موالات نہیں تو کیا ہے۔

ہندو گائے کی قربانی اُٹھانا چاہتے تھے حضرات لیڈر نے اس غلو کے ساتھ ہندوؤں کی تائید میں اپنی آواز بلند کی کہ حدیث شریف میں تحریف تک کر گزرے علماء سیاسی نے بھی اس تحریف سے چشم پوشی کی اور یہی فتویٰ دیا کہ مسلمان بکرے یا مینڈھو کی قربانی کریں گائے کی قربانی سے باز آئیں۔

رامائن کی پوجا میں مسلمان شریک ہوئے کالکا پر ریوڑیاں مسلمانوں نے پڑھائیں رام لچھمن کو تاج مسلمانوں نے پہنایا سنگم و پریاگ کو مقدس معبد مسلمانوں نے کہا یہ مذہب ہنود کی معاونت نہیں تو کیا ہمکنی ہے۔ تعجب یہ کہ جس نے ان اعمال خبیثہ سے منع کیا شریعت اسلام کا حکم سُنایا تو حضرات لیڈر نے اُس مخلص ناصح کو کافر، منافق، خیر خواہ انگریز، اور مذہب فروش کہا سچ ہے ہندو مسلمانوں کو ملیچھ جانتے ہیں اس لئے وہ فرقہ جواب ہندوؤں میں شامل اور اُن کے دین میں داخل ہوا ہے اگر پکے اور سچے مسلمانوں کو کافر نہ کہے تو خود کافر ہو جائے۔

(۳) ہندوؤں سے آپ وداد رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین مسلمانوں کو کرتے ہیں اہل حق وداد کفار کے ساتھ حرام بتاتے ہیں قرآن کریم کا فتویٰ پیش کرتے ہیں آیہ کریمہ کی تلاوت کیجئے۔

لا تجد قوما یومنون باللہ	تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو یقین رکھتی ہو اللہ
والیوم الآخر یوادون من	پر اور قیامت کے دن پر کہ وہ دوستی کرے
حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا	اُن سے جنھوں نے مقابلہ کیا اللہ کا اور اُس کے

آباءھم او ابناءھم او اخوانھم رسول کا اگرچہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی او عشیرتھم الخ یا رشتہ دار ہی کیوں نہوں۔

آیۂ کریمہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مخالفین اسلام سے وداد شیوۂ اہل ایمان نہیں جس قلب میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت ہو وہاں کسی کافر کی محبت کا ہونا محال ہے حضرات لیڈر! آپ نہ صرف گاندھی کے نشۂ اُلفت میں سرشار ہیں بلکہ اُس کے بادۂ عظمت سے آپ کے قلوب سیہ مست ہو رہے ہیں۔

حبیب کبریا خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع و اعلیٰ جناب میں کُھلی گالیاں دینے والا حق سبحانہٗ کی طرف کذب جیسے قبیح امر کا منسوب کرنے والا آپ کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے لیکن اگر کوئی گاندھی کو کافر کہے جو محض واقعہ ہے تو آپ میں تاب سُننے کی نہیں رہتی۔

دُنیا دیکھ رہی ہے کہ اس وقت گاندھی کی عظمت و محبت لیڈر حضرات کس کس نوعیت سے مسلمانوں کے دل میں پیدا کر رہے ہیں یہ صریح خلاف ورزی حکم الٰہی نہیں تو کیا ہے۔

(۳) آپ حضرات نے ہندوؤں کا سہارا پکڑا ہے اہل حق اس سے منع کرتے ہیں اور قرآن کریم کا فتویٰ پیش کرتے ہیں۔ آیۂ کریمہ کی تلاوت کیجئے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا مسلمانوں ظالموں (کافروں) کی طرف نہ جھکو فتمسکم النار الخ ورنہ تمھیں آگ پکڑے گی۔

امام راغب اصفہانی رکون کے معنی یہ بتاتے ہیں۔

رکن الشی جانبہ الذی یسکن کسی شے کا رکن اُسے کہیں گے جس کی طرف

الیہ واستعار للقوۃ ۂ شے آکر پکڑے اور استعار معنی اُس کی قوت کے ہیں۔

آپ نے ہندوؤں کا سہارا پکڑا اُن کی قوت کو اپنی قوت سمجھا ابتدا میں جس قدر اعلان و اشتہار شائع ہوئے اُن میں یہ ہوتا تھا کہ مولنا عبدالباری صاحب کا فتویٰ اور مہاتما گاندھی کا حکم لیکن اب تو صرف گاندھی صاحب کا حکم ہی حکم رہ گیا فرمان گاندھی نے اب ایسی قوت حاصل کر لی کہ اُس کی حاشیہ برداری کے لئے مولانا صاحب کے فتوے کی بھی حاجت نہ رہی اس وقت گاندھی نہ صرف آپ کا رکن ہے بلکہ مدار لیڈری ہے اگر گاندھی آپ کا ساتھ چھوڑ دے تو آپ کی لیڈری کی عمارت دھم سے زمین پر آرہیگی۔

سچے مسلمانوں کے مزید اطمینان کی غرض سے چند احادیث شریفہ نقل کرتا ہوں تاکہ اُنھیں اچھی طرح معلوم ہوجائے کہ دینی امور میں جب کہ کفار سے مدد لینا مکروہ ہے تو دین کا فر کی مدد مسلمان کے لئے کب جائز ہوسکتی ہے۔

(١) عن حبیب بن اساف قال اتیت انا ورجل من قومی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یرید غزوا فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا نستحی ان یشھد قومنا مشھدا لا نشھد معھم فقال اسلمتما قلنا لا قال فانا لا نستعین بالمشرکین قال فاسلمنا وشھدنا معہ الی آخر الحدیث رواہ الحاکم وصححہ ۂ

حضرت حبیب ابن اساف کہتے ہیں کہ کسی غزوہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لئے جارہے تھے میں اور ایک شخص اور میری قوم کا حاضر خدمت ہوکر ملتمس ہوئے کہ ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم ایک معرکہ پر جارہی ہو اور ہماری مدد اُس کے شامل نہو۔ ارشاد ہوا کہ کیا تم دونوں اسلام لائے حبیب کہتے ہیں میں نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ارشاد ہوا ہم مشرک کی مدد نہیں لیتے حبیب کہتے ہیں پھر ہم دونوں مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک غزوہ ہوئے۔

(٢) ان عبادة بن الصامت كان له حلفاء من اليهود فقال يوم الاحزاب يا رسول الله ان معي خمسمائة من اليهود وقد رأيت ان استظهر بهم على العدو فنزلت هذه الآية لا يتخذ المومنون الكافرين اولياء۔

عبادہ بن صامت کے حلیف یہودی تھے غزوۂ خندق کے موقع پر عبادہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے ساتھ پانسو یہودی ہیں میری رائے ہے کہ دشمن کے مقابلہ پر اُن سے مدد لوں تو اُس وقت یہ آیۃ نازل ہوئی کہ مومنین کو یہ نہیں پہونچتا کہ وہ کافروں کو اپنا مددگار بنائیں۔

(٣) امام مسلم صحیح مسلم شریف میں ایک باب منعقد فرماتے ہیں باب کراہۃ الاستعانۃ فی الغزو بکافر یعنی اس باب کے تحت میں وہ حدیث بیان ہوگی جس سے یہ ثابت ہوگا کہ غزوات میں کافر سے مدد لینا مکروہ ہے۔

عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم انها قالت خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل بدر فلما كان بحرة الوبرة ادركه رجل قد كان يذكر منه جرأة ونجدة ففرح اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رأوه فلما ادركه قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم جئت لاتبعك واصيب معك قال له

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ بدر کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے جب مقام حرۃ الوبر پر پہنچے تو ایک ایسا شخص حاضر ہوا جس کی بہادری مسلم تھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے دیکھکر خوش ہوئے جب وہ رسول اللہ کے پاس پہونچا تو اُس نے حضور سے عرض کیا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ اس کام میں آپ کی اتباع کروں اور آپ کے ہمراہ لڑوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے فرمایا کہ کیا اللہ اور اُس کے رسول پر تو ایمان لاتا ہے اُس نے کہا نہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ پلٹ جاؤ میں ہرگز مشرک سے مدد نہ لوں گا۔ پھر جب ہم مقام شجرہ پر پہنچے تو اُس نے اپنی خدمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤمن بالله ورسوله قال لا قال فارجع فلن استعين بمشرك قال ثم مضى حتى اذا كنا بالشجرة ادركه الرجل فقال له كما قال اول مرة فقال له النبی صلی اللہ علیہ وسلم كما قال اول مرة قال فارجع فلن استعين بمشرك قال ثم رجع فادركه بالبيداء فقال له كما قال اول مرة تؤمن بالله ورسوله قال نعم فقال له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانطلق (مسلم)

پیش کی اور دو بار رسالت سے وہی پہلا جواب ملا کہ پلٹ جاؤ میں ہرگز مشرک کی مدد نہ لوں گا۔ پھر ہم مقام بیدا پر پہونچے تو اُس نے پھر اُنہیں کلمات سابقہ کے ساتھ اپنے کو پیش کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا کہ کیا اللہ اور اُس کے رسول پر تو ایمان لایا اب تیسری دفعہ اُس نے عرض کیا ہاں ایمان لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر ساتھ چلو۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ کریمہ لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء لفظ اولیا کی تفسیر بایں الفاظ کرتے ہیں أی لا تعتمدوا علی الاستنصار بہم ولا تتوددوا الیہم۔ یعنی اُن کے مدد کرنے پر اعتماد و بھروسہ نہ کرو اور اُن سے دوستی پیدا نہ کرو۔

فاروق اعظم کا ایک فتویٰ نقل فرماتے ہیں۔

اس موقع پر اُسے بھی سُن لیجئے بصرہ پر حکومت مسلمانوں کی قایم ہو چکی ہے ابو موسیٰ اشعری وہاں کے عامل یعنی گورنر ہیں وہ اپنا دیوان جسے اُس وقت کاتب کے لقب سے خطاب کرتے تھے ایک نصرانی کو مقرر کرتے ہیں فاروق اعظم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ نے ابو موسیٰ سے فرمایا کہ اُسے معزول کر کے کسی مسلمان کے سپرد یہ عہدہ کرو مسلمانوں کے کام میں

ایک نصرانی سے امانت نہ لینا چاہیئے۔ ابو موسیٰ نے کہا لہ دینہ ولی کتابتہ یعنی اُن کا مذہب اُسے مبارک ہو مجھے تو اُس کے فن سے مطلب و غرض ہے امیر المومنین نے فرمایا لا اکرمھم اذا اھانھم اللہ ولا اعزھم اذ اذلھم اللہ ولا ادنیھم اذ ابعدھم اللہ یعنی میں اُس کی توقیر نہیں کرتا جس کی خدا نے توہین کی ہو میں اُسے عزت نہیں دیتا جسے خدا نے ذلیل کیا ہو میں اُسے قریب نہیں کرتا جسے خدا نے دُور کیا ہو ابو موسیٰ کہتے ہیں مجبوری یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی اس کام سے واقف نہیں بغیر اُس نصرانی کے بصرہ کا کام چل نہیں سکتا ابو موسیٰ کے خاص الفاظ یہ ہیں لا یتم امر البصرۃ الا بہ یعنی بصرہ کا کام نہیں پُورا ہوگا مگر اُسی نصرانی سے فاروق اعظم فرماتے ہیں مات النصرانی والسلام یعنی فرض کرلو کہ وہ نصرانی مر گیا اُس کے مرنے کے بعد آخر گورنری کے دفتر کا کچھ انتظام ہوگا وہی انتظام جو اُس وقت کیا جاتا اب کر لیا جائے۔

فاروق اعظم پر یہ امر تمام تھا کہ دفتر کے کام میں کوئی مسلمان ماہر نہیں نصرانی کی واقفیت و مہارت بھی معلوم تھی لیکن ایک کافر کا تسلط اسلامی گورنری میں غیرت فاروقی کے برداشت میں نہ تھا۔

نصرانی محکوم تھا مطیع اسلام تھا ابو موسیٰ کا ماتحت تھا لیکن دیوان ہو کر سارے دفتر پر حاوی ہوا جاتا تھا کافر کا ایسا معتمد علیہ ہونا فاروق اعظم کو گوارہ نہ تھا احتمال تھا کہ جب قلم اُس کے ہاتھ میں ہے تو اپنے فن کو اگر مضرت رسانی میں مسلمانوں کے استعمال کرے تو کچھ بعید نہیں۔

نصرانی کا کمال اور مسلمانوں کا اس فن سے ناآشنا ہونا ابو موسیٰ کو اس پر مائل کرتا

تھا کہ نصرانی عہدہ کتابت پر برقرار رہے امیر المومنین کو اسی وجہ سے اُس کے معزول کرنے پر اصرار تھا کہ ایسا کام جس پر مسلمانوں کو دسترس کامل نہیں اور کافر میں اُس کی صلاحیت کامل موجود ہی مسلمانوں کے ضرر و نقصان کا اندیشہ ہی۔ ابوموسیٰ اپنے خیال کی بنا پر کہتے تھے۔ لایتم امر البصرۃ الا بہ یعنی بصرہ کا کام بغیر اُس نصرانی کے پورا نہ ہوگا۔ فاروق اعظم نے اپنے خیال کی بنا پر فیصلہ صادر فرمایا مات النصرانی والسلام نصرانی مرگیا اور اُس کا کمال دفن ہوگیا۔

اس عمل فاروقی نے یہ نکتہ بھی حل کر دیا کہ جب تک اپنا کام آپ نہ سنبھالا جائے گا اُس وقت تک نہ تو کام کرنا آئے گا نہ تن آسانی چھوٹے گی دوسروں کی محنت پر بھروسہ کرنے کا ہی تو یہ نتیجہ ہے جو آج مسلمان ہر چیز میں محتاج اغیار ہیں انتہا یہ کہ دین بھی ایک کافر سے سیکھتے ہیں۔

(۱) فاروق اعظم کے فتوے نے یہ ثابت کیا کہ کافر اگر فریق محارب نہو جب بھی اُس پر اب اعتماد نہ کیا جائے کہ مسلمانوں کے کاموں کی کفالت اُس کے سپرد کر دی جائے کیا گرامی قدر حضرات سنت فاروقی پر عمل آراہوں گے مات الکافر کہکر اپنی جمعیت العلما اور مجلس خلافت کو گاندھی سے پاک کریں گے۔

(۲) احادیث ثلثہ جنھیں فتویٰ فاروقی سے قبل لکھا گیا ہے اُن سے یہ معلوم ہوا کہ کافر کی مدد امور دینی خصوصاً جہاد میں قبول کرنے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار تمام انکار فرمایا ہے کیا گرامی قدر حضرات اپنے پیغمبر روحی فداہ کی سنت پر عمل آراہو کر یہ کہدیں گے لن نستعین بمشرک ہر گز مشرک سے مدد نہ لیں گے۔

(۳) آیات الٰہیہ نے صاف و صریح الفاظ میں ظاہر کر دیا کہ موالات، وداد اور رکون

مطلقاً کفار کے ساتھ حرام ہے خواہ لائڈ جارج ہو یا مسٹر گاندھی کیا گرامی قدر حضرات تعمیل حکم قرآن پر آمادہ ہیں۔

گرامی قدر حضرات بکفارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدد قبول فرمائی ہے مثلاً جنگ حنین کے موقع پر صفوان بن اُمیہ سے مجاہدین کے لئے زرہیں عاریۃً لی گئی تھیں آپ کو بھی اختیار ہے کہ کفار سے اسلحہ وغیر عاریۃً لیجئے۔

یا جنگ خیبر میں یہودیان بنو قینقاع کو داخل لشکر فرمایا تھا بنو قینقاع کے یہودی اسلام سے مغلوب اور اُس کے محکوم ہو چکے تھے مسلمان ان پر غالب و مستولی تھے غدر کا اندیشہ نہ تھا آپ بھی کفار ہند پر غلبہ حاصل کیجئے پھر انھیں داخل لشکر کیجئے۔

فتح القدیر اور مبسوط علامہ سرخسی میں کتاب السیر ملاحظہ ہو نہایت صاف الفاظ میں یہ مسئلہ مسطور ہے اگر کافر اپنی رضا و رغبت سے داخل لشکر اسلام ہو اور مسلمانوں کا متعاون کفار سے ہو کافر عسکر اسلامی میں اپنا اختصاصی و امتیازی علم نہ رکھے بلکہ مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے رہ کر دشمنان اسلام سے مقابلہ کرے تو اس میں کوئی مضایقہ نہیں مال غنیمت میں کافر کا حصہ نہ ہوگا ہاں کچھ ہاتھ اُٹھا کر عطا کر دیا جائے تو اس کی اجازت ہے

لیکن غالب گروہ کفار کو اپنی معیت میں اس طرح لینا کہ کفر کا علم بلند ہو اور مسلمان اُس کے تحت میں لڑ رہے ہوں یہ قطعی حرام ہے۔

نصوص صریحہ کے بعد کسی صاحب ایمان کے لئے مزید بحث و گفتگو کی حاجت نہیں ہے سنی اگر علماء سیاسی و جنٹلمین لیڈر کو دعوای ایمان ہے تو وہ کفار و مشرکین کی معیت امور دینیہ میں ترک کریں اور مذہب کفر کی اعانت و تائید سے جو صریح حرام ہے توبہ کریں۔

مسٹر گاندھی اور اُن کی پارٹی کے ساتھ مدارات، فعل معروف، اور رحم و شفقت

کیجے ضروریات زندگی میں اُن کی مدد کیجے اگر اُن میں سے کوئی بیمار ہو تو بیمار پُرسی کیجئے دوا و علاج سے ہمدردی فرمائیے حیات تمدنی اور معاملات دینوی میں خرید فروخت بیع و رہن اور اجارہ وغیرہ بے دغدغہ بشرو طہا جاری رکھئے اس لئے کہ یہ امور نہ موالات ہیں نہ ودادو رکون بلکہ جائز و مرخص ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس ان امور کو عزت عمل عطا فرمائی ہے۔

لیکن خدا کے لئے یہ مصیبت مسلمانوں پر نہ لائیے کہ جلسہ جمعیۃ العلماء کا منعقد ہوا اور مسٹر گاندھی اُس میں خطیب و مذکر بن کر علماء اور عامہ مسلمین سے خطاب کرے جلسۂ خلافت و اماکن مقدسہ ہو اور مسٹر گاندھی اُس کی صدارت کریں علماء زیر صدارت گاندھی تحریک شرعی پیش کریں ہند مسلمانوں کی دینی مجالس کو کفار و مشرکین سے پاک کیجئے۔

اس سے بڑھکر مصیبت عظمیٰ یہ ہے کہ آپ اسلامی خصائص مٹا رہے ہیں قشقہ پوجا حل جنازۂ مشرک وغیرہ سے عوام بے علم بہت کچھ گمراہ ہو چکے اب بھی اُنھیں توبہ و انابت کی طرف متوجہ کیجئے میں ایک فقیر بے نوا ہوں کسی طرح کی بضاعت اپنے پاس نہیں رکھتا ایک گوشۂ تنہائی ہے اور محنت کی زندگانی نہ تو لیڈری کا ساز و سامان رکھتا ہوں نہ رسمی پیری و مریدی کا ڈھب جانتا ہوں نہ مریدوں کی کوئی فرد اپنے پاس ہے نہ تلامذہ کی کوئی جماعت انگریزی مدارس میں اُستادی و شاگردی ع

ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

پھر آپ جیسے گرامی قدر اشخاص کا کیا مقابلہ کر سکتا ہوں لیکن ہاں یہ التماس کر سکتا ہوں کہ حق و صداقت میرے ساتھ ہے لیڈری کا غرور اگر چند لمحات کی فرصت آپ حضرات کو عطا کرے تو فقیر کی معروضات پر توجہ فرمائیں۔

آج سے دس برس قبل فقیر نے جو کچھ عرض کیا تھا آپ حضرات نے اُسے اُس وقت قبول نفرمایا لیکن بات حق تھی اور وہی راہ سیدھی تھی اب اگر آپ حضرات نے اُنھیں باتوں کو کہا اور اُنھیں کاموں کو کیا لیکن حمایت اسلام وخلیفۃ المسلمین کے لئے نہیں بلکہ سوراج اور گاندھی کے لئے پس اُن نیک کاموں کی بھی صورت آپ کے طرز عمل سے مسخ ہو گئی۔

اناللہ ثم انا للہ ؎

(۱) فقیر نے التماس کیا تھا کہ ہر مسلمان سالانہ اپنی آمدنی کا ایک سہل حصّہ التزاماً خدمات اسلامیہ کے لئے نکالا کرے اور ایک جگہ تجویز کرلی جائے جہاں سب جگہ مرسلہ روپے جمع ہوا کریں ایک صدر مجلس ہو جس کے تحت میں تمام قصبات و دیہات کی مجلسیں کام کرتی ہوں خرچ کے قواعد امینوں اور ارکانوں کے اختیار وخصوصیات مقرر کرلئے جائیں اُس روپئے میں سے ایک معینہ رقم سلطان کی خدمت میں مصارف حرمین کے لئے بھیجی جائے باقی دیگر ضروریات مذہبی کے لئے محفوظ رہے۔

کیا خلافت کمیٹی آج اپنا یہی مقصد نہیں بتاتی ہے لیکن افسوس آٹھ نو برس بعد قایم بھی ہوئی تو ہندو کی سرپرستی میں نہ خرچ کے قواعد نہ مصارف کا حساب اس بیدردی سے مسلمانوں کا روپیہ عیش پرستی اور ہواؤ ہوس میں لیڈر حضرات اُڑا رہے ہیں کہ کسی کافر نے بھی مسلمانوں کا گھر لوٹ کر اس طرح دادِ عشرت نہ دی ہوگی۔

(۲) فقیر نے التماس کیا تھا کہ مصلحین اُمّت میں سے بعض افراد بلادِ عرب کا دَورہ فرمائیں امعان نظر سے یہ اندازہ کریں کہ کس خطۂ عرب میں کس طرح کی تعلیم مفید ہوگی بعد غور و فکر تعلیم گاہیں قایم کریں نیز عربوں کو اچھی طرح سمجھا دیں ؎

پائے در زنجیر پیشِ دوستاں + بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

یہ تحریک بت وست دوضاحت سے بیان کی گئی تھی اگر اس پر لیڈر حضرات غور فرماتے زعیوں کا شیرازہ ترکوں سے جدا ہو کر نہ بکھرتا نیز جس قسم کے ہندوستانی اہل صنعت و وقت یا صاحب علم و فن کی حاجت دیار عرب میں ہوتی انھیں وہاں جانے کی ترغیب دی جاتی خطۂ عرب کو استوار کرنا اور پھر ہندی مسلمانوں کا بقدر حاجت و وسعت عربوں سے جا کر ملنا استوار بنیاد پر خدمت اسلام کا انجام پانا تھا۔

آٹھ نو برس بعد آپنے اس التماس کو تسلیم کیا لیکن ہجرت کی نفیر عام پکار کر مسلمانوں کو تباہ اور ہندوؤں کو مالا مال کر دیا اب چندہ ہوتا ہے اور مہاجرین کو بھیجا جاتا ہے اس طرح ایک مستقل تحریک تحصیل زر کی تو بیشک قایم ہو گئی لیکن مسلمانوں کا ذرہ برابر بھی فائدہ نہوا۔

(۳) فقیر نے یہ التماس کیا تھا کہ علماء کا باہم ایک تعلق قایم ہونا چاہیئے جس طرح سلاطین کے سفرا ایک دوسرے کی سلطنتوں میں مقیم رہا کرتے ہیں اسی طرح چند علماء جو شیخ الاسلام کے نائب ہوں افغانستان و ہندوستان وغیرہ میں اقامت اختیار کریں باہمی جمعیت و مشورہ سے دینداری مسلمانوں میں پیدا کریں الخ اس گزارش کو بھی نہایت بسط و ایضاح سے عرض کیا تھا آٹھ نو برس بعد آپ نے اسے تسلیم فرمایا جمعیۃ العلما کی مجلس منعقد فرمائی لیکن وہاں مسٹر گاندھی تلقین وہدایت کے لیئے بلائے گئے اُن کے مناقب کا خطبہ پڑھا گیا۔

دینہ اخبار بجنور ۱۲ رجنوری ۱۹۲۰ء میں مسٹر شوکت علی کی تقریر شایع ہوئی تھی اس کے دو فقرے نقل کرتا ہوں "زبانی جی پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کروگے تو خدا کو راضی کروگے" "بھائیو خدا کی رسی کو مضبوط پکڑو اگر ہم اس رسی کو مضبوط پکڑ لیں گے تو جاہے دین ہمارے ہاتھ سے

جاتا رہی مگر دنیا ہمیں ضرور ملے گی" یہ فقرات جہاں یہ بتارہے ہیں کہ مطمح نظر ان حضرات کا کیا ہی مذہب کی حقیقت اور وقعت ان کے نزدیک کس قدر ہی دین مذہب کا نام کیوں لیا جاتا ہے وہاں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہنود کے ساتھ انھیں کیسی عقیدت وارادت ہی۔ چنانچہ جلسہ جمعیۃ العلماء میں جس کا انعقاد بماہ نومبر دہلی میں ہوا مسٹر شوکت علی نے صاف الفاظ میں یہ کہا "اے اللہ ہم سے ایک نیک کام ہوگیا ہی کہ میں اور مہاتما گاندھی یقینی بھائی ہوگئے ہیں" (فتح دہلی ۲۴ر نومبر ۱۹۲۰ء) پھر ایک عالم نے یہ کہا خدا نے اُن کو (گاندھی کو) ہمارے واسطے مذکر بنا کر بھیجا ہی قدرت نے اُن کو سبق پڑھانے والا مدبر بنا کر بھیجا ہی" (فتح دہلی ۲۴ر نومبر ۱۹۲۰ء) ایمان سے کہئے یہ جمعیۃ العلماء ہے یا اُمت گاندھی کا حلقہ یہ اسلام اور شارع علیہ السلام کی طرف اللہ کے بندوں کو دعوت دے رہی ہی یا گاندھی کی نبوت تسلیم کرا رہی ہے یہ حضرات اسلام کی دردمندی میں انگریزوں سے لڑنا چاہتے ہیں یا دین گاندھی کے حمایت میں پھر اگر کسی نے ان کی بات نہ سُنی تو کافر، منافق، یزیدی، ملعون، اور جہنمی کیوں کر ہوا۔

لیڈران قوم آج اخبار و جرائد تمہارے ہاتھوں میں ہیں جسے چاہو گالیاں دو کافر کہو حق کو باطل اور باطل کو حق کہو اور چھاپ کر شائع کرو اس وقت تو تمہاری بات بن آئی ہے مخلوق اندھی ہوگئی ہے لیکن ایک وقت آئیگا اور ساری حقیقت عریاں ہوجائے گی۔

میدان کربلا میں یزیدیوں نے بعد شہادت شہزادہ کونین سیدنا امام حسین علیہ السلام فتح کے نقارے بجائے دودمان نبوت کو جس طرح چاہا اسیر کیا لیکن آج دنیا دیکھ رہی ہی کہ یزیدیوں پر خدا نے ایسی لعنت بھیجی کہ آج تک اُس کا سلسلہ نہ منقطع ہوا نہ قیامت تک منقطع ہو

اس وقت اہلِ حق کے مقابلہ میں تمہیں اپنے انبوہ پر ناز ہی جسے چاہتے ہو عوام سے فضیحت و رسوا کراتے ہو اہلِ حق فَصبرٌ جمیل کہکر ضبط کر جاتے ہیں۔

اہلِ حق کے مقابلہ میں مثل یزید دعوئ اجماع پیش کرتے ہو صریح نص قرآن اور نص حدیث کی مخالفت اور پھر اجماع کا دعوی؟ کیا احکام قرآن کا نسخ اجماع سے جائز ہے اور پھر اجماع بھی ایسے علماء کا جن کے پاس خدا نے گاندھی کو مذکر بنا کر بھیجا ہے جو علماء پرستو گاندھی ہیں جس طرح قرآن مجید توریت و انجیل کا ناسخ ہے اسی طرح گاندھی کا فرمان آیاتِ الٰہیہ کا ناسخ ان مدعیان علم و اجتہاد کے عقیدہ میں ہے۔

ایسے نجس و ناپاک عقیدہ کا اظہار کرتے ہوئے کچھ تو شرمائیے الحیاء شعبة من الایمان۔

یزیدیوں نے جب یزید کی امامت و خلافت کا علم بلند کیا تو اہلِ حق کے مقابل میں انھوں نے یہی دلیل پیش کی تھی کہ سارے ملک نے یزید کی امامت تسلیم کر لی اجماع ہو گیا صرف چار شخص ہیں جو اس کی امامت تسلیم نہیں کرتے یعنی عبد الرحمٰن بن ابی بکر، عبد اللہ ابن زبیر عبد اللہ ابن عمر اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دیکھتے ہو وہ اجماع جو یزید کی امامت پر ہوا تھا کیسا خائب و خاسر ہوا عبرت پکڑو اور اہلِ حق کو گالیاں دینے سے باز آؤ ان کی تکلیف و اذیت رسانی سے اپنے ہاتھ اور زبان کو منع کرو تمہاری دشنام دہی کی یہ ہمہ گیری ہے کہ جہاں تم نے ایک رکنِ دینِ حامی شرع متین امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ موید ملت طاہرہ پر سب و شتم کیا وہاں اس فقیر بینوا کو بھی بار بار متعدد جرائد میں تم نے گالیاں سنائیں میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا بیشک یہ قصور ہوا کہ جس وقت ساری زبانیں گنگ تھیں مجھ گنہگار کی زبان کلمۂ حق کہہ رہی

تھی جس وقت سارے اقلام خشک تھے مجھ بے بضاعت کا قلم مصروف تحریر تھا جس وقت سارے پاؤں مفلوج تھے مجھ ضعیف کا پاؤں منزل رساں راستہ پر تھا انصاف کرو اس میں میری کیا خطا ہوئی یہ تو اللہ کا فضل تھا تم ہلال احمر کے نام سے چندہ تحصیل کرتے تھے اور داد عیش و نشاط دیتے تھے زر کشی کے لئے جس طرح کے مضامین ضروری تھے تم اُنہی کو لکھتے اُنہی کو کہتے تھے لیکن اس فقیر کو خلافت کی دُھن لگی تھی اس لئے ترکوں کی مختصر تاریخ پھر اُن کی خلافت اُن کی اطاعت اور اُن کے حقوق دلیل و بُرہان کے ساتھ لکھکر مسلمانوں کے سامنے پیش کر دئیے (دیکھو فقیر کا رسالہ البلاغ)

تمہیں مسئلہ خلافت کی اب آکر جو دھن بھی بندھی تو ایک کافر کے تذکیر و تلقین سے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلافت کی جگہ سوا راج نے، خلیفۃ المسلمین سے کہیں ارفع و اعلیٰ مقام گاندھی نے اور شیخ الاسلام کا لقب شیخ الہند نے لے لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ غرق ہو کر طوفان اور جہاز کے تباہی کا علم عامی و امی سبھی کو ہوتا ہے لیکن جہاز کا ناخدا طوفان کو بہت پہلے اور بہت دُور سے دیکھ لیتا ہے جن کے دماغ اس علم و تجربہ سے خالی ہوتے ہیں وہ ناخدا کے تدابیر و اضطرار پر ہنستے ہیں لیکن وہی قہقہہ آخر کار نالہ و شیون ہو جاتا ہے۔

مولیٰ تبارک و تعالیٰ کا ہزار احسان اور اُس کے اس خاص کرم کا ہزار ہزار شکر کہ جس چیز کو آج آپ قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں فقیر کو دس برس قبل قوم کے سامنے پیش کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

جس جگہ آج لیڈروں کے اقدام جانا چاہتے ہیں وہاں کی سیر برسوں قبل اس مسکین و عاجز کو دکھائی گئی جس راہ پر آپ لیڈروں کو کچھ دُور چل کر رجعت ہو گئی الحمدللہ کہ

اسی راہ سے منزل مقصد تک یہ بے بضاعت پہونچا اور استقامت کے لطائف سے سعادت اندوز ہوا۔

گرامی قدر حضرات اعمال نامہ آپ کے سامنے پیش نہ ہوگا نہ محاسبہ و فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا پھر اپنے رب کریم کے اُن احسانات و افضال کو کیوں پیش کروں جن کی بدولت توفیق خدمت دین و ملت کی پائی۔

گذشتہ سال بماہ دسمبر سنہ ء اور الہ آباد میں ایک عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے اُسے الہ آباد کے انہیں اشخاص سے پوچھئے جو اس وقت خلافت کمیٹی کے سرگرم ارکان ہیں۔

مولوی بشیرالدین احمد صاحب اڈیٹر البشیر اٹاوہ سنہ ء کے جلسہ میں شریک تھے اُن سے دریافت کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دعوتِ حق کسے کہتے ہیں۔

اگرچہ مجھے اپنی سیہ کاریوں کا اعتراف ہے کوئی عمل شرکت نفس سے خالی نہیں کوئی فعل ریا و سمعہ سے صاف نہیں اپنے حسب حال یہ رُباعی ہے ؎

اے فسق و فجور کار ہر روزۂ ما　　وے پر گناہ کاسۂ و کوزۂ ما
می خندد روزگار و میگرید عمر　　بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

لیکن اسی کے ساتھ اس کا شکر کہاں ادا ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہٗ نے محض اپنے فضل عمیم سے بطفیل آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین فروشی و گمراہ سازی سے معصوم و محفوظ رکھا اُسی اپنے مولیٰ تعالیٰ سے خواستگاری و تمنا کہ صدقہ تاج دار مدینہ کا عفو تقصیر اور مغفرت معاصی کے ساتھ اتنا اور کرم کہ اس رُو سیاہ کی زندگی کا باقی حصہ غلامی و اطاعت میں سرکار مدینہ کے بسر ہو جائے ؎

دارم دلکے غمیں بیا مرز دپرس — صد واقعہ در کمین بیا مرز دپرس
شرمندہ شوم اگر بہ پرسی عملم — یا اکرم الاکرمیں بیا مرز دپرس

حالات دائرہ کے متعلق فقیر کو جو کچھ عرض کرنا تھا بونہ تعالٰے اُس سے فارغ ہو چکا رہی مغوات حضرات لیڈر یا علمار سیاسی کے اُن کا کہاں تک جواب دیا جاے یہ سلسلہ تو غیر متناہی ہے مجھے اس قدر فرصت کہاں جو جواب و سوال کے پیچھے پڑوں لیکن تحریر کا خاتمہ اس پر کرتا ہوں کہ اگر فقیر کے جواب میں آپ نے اُسی رسم کہن دشنام کا اعادہ فرمایا تو فقیر کی طرف سے سکوت محض ہوگا ہاں جو امور مشورہ کے طور پر پیش کئے گئے ہیں اُن کا اگر آپ رد فرمائیں گے تو یہ فیصلہ ارباب حل وعقد پر موقوف کہ صحیح مشورہ کس کا ہی لیکن اگر مسائل شرعیہ میں آپنے کلام کیا تو اُس کا فیصلہ ابھی کئے دیتا ہوں عوام بھی سمجھ جائیں گے اور اُنھیں اس کی دشواری پیش نہ آئے گی کہ کس کی سنوں ہر ایک قرآن وحدیث ہی پیش کرتا ہی۔

(۱) میں نے یہ عرض کیا ہے کہ مطلقاً کفار ومشرکین سے موالات و وداد اور رکون حرام ہے منہی عنہ ہی اور ہر ایک کا ثبوت کلام اللہ سے پیش کیا ہی آپ براہ کرم اُس آیۃ کی تلاوت فرمائیں جس میں حق سبحانہ نے یہ حکم دیا ہو کہ ایسی حالت میں یا اس طرح کے کافروں کے ساتھ موالات یا وداد یا رکون کی مسلمانوں کو اجازت ہی اگر آپ نے آیۃ پیش فرمائی اور مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ لفظ تولوھم یا تودوھم یا ترکنوا الیھم کا موجود ہی تو پھر میں بھی توبہ کرلوں گا اور اپنی جہالت کا اعتراف۔

(۲) میں نے عرض کیا ہی کہ کفار ومشرکین سے جہاد میں مدد لینا ممنوع ومکروہ ہی ہاں اگر کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوں یا اُن کے محکوم ہوں تو اُن سے استعانت جائز ہی

اس لئے کہ یہ استعانت فی الحقیقت استخدام وخدمت گزاری ہے یا محکوم تو ہوں لیکن مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے رہ کر دشمنان دین کا مقابلہ کریں علم مسلمانوں کا ہو اور لشکر پر حکومت مسلمانوں کی ہو تو ایسی صورت میں بھی کافر کا شریک کرنا جائز ہو گا اس دعوے کے ثبوت میں تین حدیثیں پیش کی ہیں فقہائے کرام کی تحقیق کا حوالہ دیا ہے۔

آپ کوئی حدیث ایسی لکھدیں جس میں یہ حکم ہو استعینوا بالکفار والمشرکین (یعنی کفار ومشرکین سے مدد لو) یا فقہائے کرام کا کوئی فتویٰ نقل فرمائیے جس میں یہ ہو کہ کافر کو علم بردار اسلام اور فوجی سپہ سالار بنا کر مسلمانوں کو جہاد لڑنا جائز ہے۔

(۳) میں نے یہ عرض کیا ہے کہ آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ کو قتادہ نے منسوخ فرمایا ہے اور یہی مذہب امام عطا ابن رباح کا ہے آپ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ کا ایک قول بھی ایسا نقل فرمادیں جس میں یہ ہو کہ آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ اُن ساری آیتوں کی ناسخ ہے جن میں مطلقاً کفار سے موالات، وداد، اور رکون حرام فرمایا گیا ہے۔

(۴) میں نے یہ عرض کیا ہے کہ اگر آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ کو منسوخ نہ بھی مانیں جیسا کہ علامہ ابن جریر طبری کا مسلک ہے جب بھی ایسے کفار سے جو مسلمانوں سے دین کے معاملہ میں نہ قتال کریں نہ اُنھیں اُن کے گھروں سے نکالیں صرف بر و اقساط کی اجازت پائی جاتی ہے نہ کہ موالات اور وداد کی آپ کسی مفسر یا محدث یا فقیہ کا ایک قول ایسا نقل فرمائیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ بر و اقساط مرادف موالات و وداد ہے یا بر و اقساط کی اجازت سے موالات وداد اور رکون کی بھی اجازت ہو گئی آپ کا لکھنا اور فقیر کا تسلیم کرنا انشاءاللہ تعالیٰ علی الفور ہو گا۔ فان لم تفعلوا ولن تفعلوا

فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدت للکافرین۔ ہاں اس قدر اور عرض کر دوں کہ یہ تکلیف مستغنی عن الالقاب حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب رئیس دہلی کو نہ دی جائے ورنہ حدیث و تفسیر دونوں سے ثبوت چشم زدن میں پیش کر دیا جائیگا۔ اس لئے کہ وہاں تصنیف کا دروازہ بہت وسیع و کشادہ ہی حالاں کہ مجھے نقل دکھانا ہے نہ عبارت مصنفہ۔

مسئلہ قربانی میں حکیم صاحب حدیث تصنیف فرما چکے تھے نومبر ۱۹۲۰ء میں جو جلسہ جمعیۃ العلماء کا دہلی میں منعقد ہوا وہاں بحیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی آپ نے اپنا خطبہ صدارت پڑھا تفسیر ابن جریر کی اس قدر عبارت پڑھکر کہ آیۃ لا ینھٰکم اللہ الخ منسوخ نہیں ہے فوراً اس نتیجہ پر حکیم صاحب پہونچ گئے کہ ہندوؤں سے موالات جائز ہی طرفگی یہ کہ استخراج نتیجہ اس شان سے فرمایا جس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حکیم صاحب کا اجتہاد و استنباط نہیں ہی بلکہ ابن جریر کی تحقیق ہی۔

پھر ایک حدیث بیان کرنے کی بھی زحمت گوارہ فرمائیے اور حسب معمول تحریف و افترا کا ایک دوسرا نمونہ آپ نے پیش فرمایا ارشاد ہوتا ہی۔

"احد کی لڑائی میں قزمان جو ایک مشرک تھے رسول مقبول کی طرف سے لڑے اور انھوں نے بنی عبد الدار کے ان تین آدمیوں کو قتل کیا جو فریق مخالف کے علم بردار تھے یہاں تک کہ رسول مقبول نے خوش ہو کر فرمایا۔ ان اللہ لیأزر ھٰذ الدین بالرجل الفاجر۔" (بیشک اللہ اس دین کی مرد فاجر سے مدد کرتا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو فاجر فرمائیں حکیم صاحب مشرک کہیں کیا فاجر و مشرک دونوں الفاظ مرادف ہیں سب مسلمان جانتے ہیں کہ حدیث میں وارد ہی صلوا خلف کل بر و فاجر

یعنی نیکوکار اور بدکار دونوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت ہے پس اگر فاجر و مشرک باہم مرادف ہیں تو کل سے گاندھی کے پیچھے آپ نماز پڑھنے کا اجتہاد فرمائیں گے اور کیا عجب کہ آپ حضرات نے یہ سعادت حاصل کی ہو۔

کس دلیری سے حکیم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ قزمان کے مقاتلہ سے خوش ہو کر آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ اس دین کی مرد فاجر سے مدد فرماتا ہے حکیم صاحب! یہی مصیبت کیا کم تھی کہ ہندوؤں کی محبت آپ کے دل میں جاگزیں ہوگئی اب حدیث صاحب لولاک میں افتراء و تحریف کی بلا کیوں اپنے سر لیتے ہیں۔

زیادہ بحث کی گنجائش و مہلت نہیں براہ کرم اس کا ثبوت پیش کیجئے کہ قزمان مشرک تھا اور قزمان سے خوش ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا۔

حکیم صاحب! قزمان منافق تھا اور اس عیاری سے اپنے نفاق کو اس نے مخفی رکھا تھا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے مومن صادق جانتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ پیشینگوئی فرمائی تھی کہ یہ دوزخی ہے صحابہ کرام متحیر تھے معرکہ قتال میں جب کہ اس کے سرگرم معاتلہ ومقاتلہ کی خبر ہوئی اُس وقت بھی آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ دوزخی ہے۔

قزمان مجروح ہوا زخم کی تکلیف برداشت نہ کر سکا آخر اس نے خودکشی کر لی اور اس طرح اپنے دوزخی ہونے کو سچ کر دکھایا اُس وقت جب کہ اُس کی

خودکشی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی اور آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تب ارشاد ہوا کہ اللہ اپنے دین کی مدد مرد فاجر سے فرماتا ہے۔ دُنیا جانتی ہے کہ منافقین کے ساتھ برتاؤ مثل مسلمین جاری تھا وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تھے نمازیں پڑھتے تھے غزوات میں مسلمانوں کے ہمرکاب ہوتے تھے۔

اللہ اللہ کفر کے ساتھ کیسی شیفتگی و فریفتگی ہے کہ کذب و افترا کا ارتکاب لیے سنجیدہ و متین اشخاص کس اطمینان و سکون سے کرتے ہیں۔

جمعیۃ العلماء کے پانسو فضلا کیسے متبحر و متدین عالم ہیں کہ تفسیر میں حدیث میں افترا ہوتا ہے لیکن اصلاح کی قسم ہے۔

مسلمانوں! آنکھیں کھولو علماء سیاسی یہ کہتے ہیں کہ "خدا نے گاندھی کو مذکر بنا کر بھیجا ہے" "پس رو گاندھی صاحب کا ہوں" علوم مشرقیہ کا فرد فرید اس طرح تحریف کرتا ہے جنٹلمین لیڈر یہ کہتا ہے کہ اگر "ہندو بھائیوں کو راضی کر وگے تو خدا کو راضی کروگے" عوام گاندھی کی جے پکارتے ہیں ع۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جب دیانت و تقوے کا یہ حال ہو کفر کی اس بیباکی سے حمایت کی جارہی ہو تو پھر یہ خدمت خلافت ہے یا ہلاکت مسلمین ایسی مجلس میں شریک ہونا چندہ دینا ثواب ہے یا گناہ عظیم خدا مسلمانوں کو ہدایت فرمائے یہ فقیر گنہگار بھی دل سے اولاد مسلمین کے حق میں دعاء ہدایت کرتا ہے اور لیڈران قوم سے نہایت

نیازمندانہ التماس پیش کرتا ہی کہ دروازہ توبہ کا ہنوز بند نہیں ہوا ہے پاک مذہب اسلام تم سے کہہ رہا ہی کہ ؎

بمژگانِ سیہ کردی ہزاراں رخنہ در دینم

بیا کز چشم بیمارت ہزاراں درد برچینم

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَیْنَا مَعَھُمْ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۃ

حررہ بقلمہ

فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہٗ

محلہ میر داد

بہار شریف ضلع پٹنہ

گزارش

اس رسالہ میں کثیر التعداد اصولی و فروعی ضروری مباحث ہیں۔ ہر اصل کے
ماتحت متعدد فروع ہیں۔ جن صاحب کو جو اصلی یا ضمنی بحث دیکھنی منظور ہو وہ
فہرست مضامین کی مدد سے ملاحظہ فرمائیں

لوحِ مزار

حضرت پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف قدس سرہ العزیز

صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

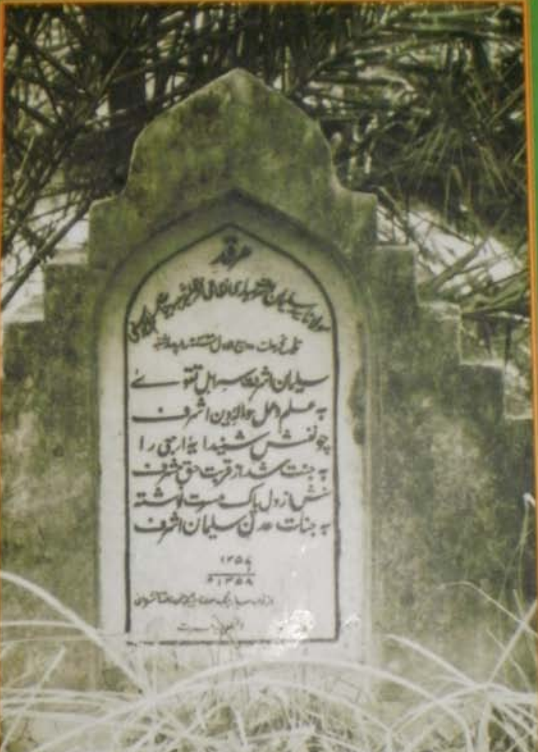

کھجور کا ایک قدیم درخت بصد احترام سایہ فگن ہے۔

ادارہ پاکستان شناسی لاہور